دینی — اصلاحی — فکری — علمی

ماہنامہ

شاہراہِ علم

جامعہ کا پیغام ملّتِ اسلامیہ کے نام

ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ، اگست، ستمبر ۲۰۱۸ء

خصوصی شمارہ

بیادِ مفکرِ ملّت حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودرویؒ

زیرِ سرپرستی

حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی مدظلہ العالی

مدیر

حذیفہ مولانا غلام محمد صاحب وستانوی

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا، نندوربار، مہاراشٹر ۴۲۵۴۱۵

1

Per Copy Rs. 100.00

Printed Matter

وَ قُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا (طٰہٰ)

ماہنامہ

’’شاہراہِ علم‘‘

’’مفکر ملت نمبر‘‘

(جامعہ کا پیغام ملتِ اسلامیہ کے نام)

زیر سرپرستی

حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی مدظلہ العالی

مدیر: حذیفہ مولانا غلام محمد وستانوی

جلد نمبر : ۷ شمارہ نمبر: ۸-۹

ماہ : ذیقعدہ،ذی الحجہ ۱۴۳۹ھ،اگست،ستمبر ۲۰۱۸ء

زرتعاون: سالانہ ۲۰۰/روپے سادہ ڈاک/ رجسٹری ۳۵۰/روپے

ترسیل زر کا پتہ

’’دفترِ شاہراہ علم‘‘

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا،ضلع نندوربار، مہاراشٹر، ۴۲۵۴۱۵

فہرستِ مضامین

نوٹ: ماہنامہ "شاہراہِ علم" مدیر و ایڈیٹر مولانا محمد حذیفہ غلام محمد وستانویؔ صاحب رندیرا" جامعہ کوارٹر جامعہ نگر اکل کوا"
نے ہمدم پریس مالیگاؤں سے طبع کروا کر دفتر شاہراہِ علم سے شائع کیا۔

...... کمپوزنگ: محمد سبحان ارریاویؔ اشاعتی ......

محسن عظیم کا سانحہ عظیم

انطباعاتِ قلبی بر رحلت مربی (حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ)

(رئیس الجامعہ حضرت مولانا) غلام محمد (صاحب) وستانوی

الحمد لله وحده والصلاة والسلام على من لا نبي بعده ، أما بعد!

کسی شاعر نے کہا ؎

" لِدُو للموت ، وابنوا للخراب "

بچے جنو موت کے لیے اور تعمیرات کرو تخریب کے لیے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو دنیا میں آیا ہے وہ جانے کے لیے ہی آیا ہے۔

اس دنیا میں اگر کوئی ذاتِ بابرکت ہمیشہ رہنے کے قابل تھی، تو وہ ذات حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی تھی، لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی کے ۶۳/ سال پورا کرتے ہی اپنے رب کریم سے جا ملے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی اطلاع صحابہ کرام کے قلوب پر مصیبت کا پہاڑ بن کر ٹوٹی؛ ہر صحابی پریشانی اور غم کے عالم میں تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی تلوار لے کر کھڑے ہو جاتے ہیں اور کہتے ہیں، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہے گا کہ حضور کا وصال ہو گیا تو اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا؛ حضور تو اپنے رب سے ملنے گئے ہیں؛ یہ کیفیت حضرتِ عمر جیسے قوی الاعصاب انسان کی تھی؛ لیکن تھوڑی ہی دیر میں وہ ذات گرامی جو مدینہ کے باہر گئے تھے " **اول من اقدم بالاسلام** " سب سے پہلے دعوت اسلام پر لبیک کہنے والے جواں مرد ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تشریف لاتے ہیں؛ نہ کسی کو کچھ کہتے ہیں اور نہ کسی سے کچھ پوچھتے ہیں؛ سیدھے حجرۂ عائشہ میں جاتے اور روتے ہوئے حضور کے جسد اطہر سے چادر ہٹاتے ہیں اور بوسہ دے کر فرماتے ہیں:

"یارسول الله! طبت حيا، وطبت ميتا "

اے اللہ کے رسول آپ کا جینا مبارک، آپ کا مرنا مبارک۔

اور پھر سیدھے مسجد نبوی میں آتے ہیں اور یہ آیت کریمہ تلاوت فرماتے ہیں: ﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَّاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ﴾

اور ببانگ دہل عقل کشا یہ جملہ فرماتے ہیں: اے لوگو! جان لو! ان محمدا قد مات من کان منکم یعبد محمدا فان محمدا قد مات و من کان منکم یعبد الله ، فان الله حی لا یموت .

اے لوگو! جو اللہ کی پرستش کرتے تھے یا کرتے ہیں وہ جان لو!

"ان الله حی لا یموت" اللہ زندہ ہے اس کو موت آنے والی نہیں ہے۔

"ومن کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات"

اگر تم محمد کی عبادت کرتے ہو تو جان لو کہ محمد کا انتقال ہو گیا۔ صلی اللہ علیہ وسلم!

یہ کلمات سنتے ہی صحابۂ کرام کے ہوش بحال ہو گئے، ان کے جذبات بالکل ٹھنڈے ہو گئے، انہیں سارا معاملہ سمجھ میں آ گیا؛ سب ایسا محسوس کرنے لگے مانو یہ آیت ابھی نازل ہوئی۔ حضرت عمر فاروقؓ بھی ٹھنڈے پڑ گئے اور سارے صحابۂ کرامؓ ٹھنڈے ہو گئے۔ یہ یقینی بات ہے کہ دنیا کا سب سے بڑا آدمی اگر کوئی تھا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات تھی اور یہ موقع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کا موقع ہے۔

کل من علیہا فان:

اس دنیا میں پیغمبر آئے، صحابہ آئے، تابعین آئے تبع تابعین آئے، اولیائے عظام آئے، مشائخین آئے، علما آئے اور ان کی اپنی زندگی کی ایک (Limit) ہوتی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت کی عمر "ما بین الستین الی السبعین" کہ میری امت کی عمریں ساٹھ یا ستر کے بیچ ہے۔ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ نے ہر ایک کو کہہ دیا ﴿کل من علیھا فان﴾ کہ زمین میں جتنے بھی ہیں سب فنا ہونے والی ذات ہے۔ اگر فنا نہ ہونے والی کسی کی ذات ہے تو وہ الله وحدہ لا شریک له کی ذات گرامی ہے۔

آہ! میرے مربی داغ مفارقت دے گئے:

یہ انطباعات اور تاثرات میرے مربی، عالم ربانی حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً سے متعلق ہے۔ کل ہم انہیں حفظہ اللہ کہتے تھے اور آج رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً کہنا پڑ رہا ہے۔

جب سے میں نے ہوش سنبھالا، فلاح دارین کی زندگی سے لے کر اب تک میں نے ان کو اپنا بڑا اور اپنا بزرگ مانا، اپنا مربی اور محسن مانا۔ اور انہوں نے بھی ہمیشہ مجھے اپنی اولاد کی طرح رکھا اور سمجھا۔

حضرت مرحوم کی مردم سازی:

میں حضرت والا کی کن کن باتوں اور کن کن صفات کو بیان کروں؟ میں حیران ہوں! حقیقت یہ ہے کہ حضرت نے مجھ جیسے؛ کیسے ہی اور کتنے ہی کسان زادوں کو عالمِ دین بنایا۔ عالم دین ہی نہیں بل کہ علم دین کے مقامِ تدریس پر فائز کیا، مدارس کے منصبِ اہتمام پر فائز کیا اور مصنفین اور مولفین کی جماعت میں فلاح دارین نے بیش بہا ادبا اور صاحب قلم فضلا دیے، قرا پیدا کیے اور نہ معلوم کن کن صفات کے افراد حضرت کی رات دن کی کوششوں، کاوشوں محنتوں سے وجود میں آئے۔

احقر پر حضرت کے احسانات:

میں ایک کسان زادہ ہوں، دستان گاؤں چھوٹا سا ہے، جس میں پانچ مسلمان کے گھر ہیں۔ میرے والد صاحب مجھ کو فلاح دارین میں داخل کر گئے اور کچھ دن بعد لا کر حضرت کے حوالے کیا کہ یہ بچہ آپ کے پاس رہے گا؛ حضرت نے اس دن سے لے کر موت کی اخیری گھڑی تک مجھ فقیر کو اپنا بیٹا تصور کیا۔

میری فراغت کے بعد میں حیران و پریشان تھا، کوئی جگہ نہیں مل رہی تھی! کہیں جاؤ تو کہہ رہے ہیں کہ بھائی آپ کی شادی نہیں ہوئی، کہیں گیا تو کوئی کہہ رہا ہے کہ آپ کی داڑھی نہیں، کوئی کہہ رہا ہے کہ آپ حافظ نہیں ؛میں بہت پریشان! اتنے میں بوٹاڈ چلا گیا، مجھے کسی نے اطلاع دی، بوٹاڈ میں میرا تقرر ہو گیا ہے؛ لیکن حضرت پریشان تھے، دس ہی دن ہوئے کہ مولوی آدم مرحوم کوساڑی (اللہ ان کی بھی مغفرت فرمائے) حضرت کا ایک بطاقہ لے کر آئے؛ اس میں حضرت مرحوم نے لکھا تھا کہ فلاں جگہ پر جامعہ کنتھاریہ بھروچ کے مہتمم مولانا آدم صاحب سے ملاقات ہوئی، انہوں نے کہا کہ مجھے کوئی صالح نوجوان دیجیے، جو اہل اللہ سے کچھ تعلق رکھتا ہو، میں نے تیرا نام دے دیا ہے اور تیرا تقرر دار العلوم کنتھاریہ میں ہو گیا ہے۔

دیکھیے اس حقیر کی کتنی فکر حضرت کو ہے۔ میں دار العلوم کنتھاریہ چلا گیا اور ۹ رسال دار العلوم کنتھاریہ میں بڑی عزت و احترام کے ساتھ حضرت کی رہبری میں کام کرتے ہوئے پورا کیا؛ اگر میں اس ایک احسان کو ہی شمار کروں تو کافی ہے؛ لیکن حضرت کے احسانات کا تو انبار بے انبار..... میں اس کو بیان نہیں کر سکتا۔

کیسے کیسے کو کیسا کیسا بنا دیا!!

میں اپنے حضرت کی کن کن باتوں کو بیان کروں۔ مولانا خلیل صاحب کو میں کہتا ہوں کہ بھائی خلیل تمہیں تو اردو بھی نہیں آتی تھی۔ حضرت نے ان کو اردو والف با سے اپنے پاس بیٹھا کر سکھایا اور ایسی توجہ کی اس شخص پر کہ آج ماشاء اللہ بڑے بڑے مجمع میں گھنٹہ گھنٹہ تقریر کر لیتے ہیں۔

میرے مظاہر جانے کا ایک دل چسپ واقعہ:

فلاحِ دارین سے فضیلت کے بعد حضرت نے مجھے مظاہر بھیجا۔اس کا بھی ایک مختصر سا قصہ ہے۔ حضرت نے میری فراغت سے پہلے میرے والد سے مشورہ کیا کہ غلام کو فراغت کے بعد ہم علی گڑھ بھیجیں گے۔ وہاں یہ طبیب بنے گا اور حضرت نے کہا بھائی دیکھو تمہارے بارے میں تیرے والدین اور ہمارا فیصلہ ہو چکا ہے؛ میں نے کہا ٹھیک ہے حضرت آپ جو کہیں" تحت امرکم " کچھ دنوں بعد میں حضرت کے لیے دو پہر کو چائے لے کے آیا، تو حضرت نے کہا یہاں بیٹھ جاؤ، میں بیٹھ گیا کہ کیا بات ہے؟! کوئی شکایت ہے، کیا بات ہے ؟میں مختلف خیالات میں الجھ گیا، اتنے میں چائے پی کر کہا کہ دیکھو میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ تم کو سناتا ہوں: حضرت تھانویؒ فرماتے ہیں کہ جو ماں باپ یہ چاہیں کہ ان کی اولاد دین سے ہاتھ دھو بیٹھے اور وہ دنیا کمائے وہ اپنی اولاد کو حکیموں کے حوالہ کردے اور جو یہ چاہے اس کی اولاد دنیا سے ہاتھ دھو بیٹھے اور دین کے ساتھ لگی رہے، وہ اپنی اولاد کو علما کے حوالے کردے اور جو یہ چاہے کہ اس کی اولاد دین و دنیا دونوں سے ہاتھ دھو بیٹھے وہ اپنی اولاد کو شعرا کے حوالے کردے۔ یہ ملفوظ پڑھنے کے بعد حضرت نے کتاب بند کردی اور فرمایا کہ آج تیرے بارے میں میری رائے بدل گئی ہے، میں تجھ کو علی گڑھ جانے نہیں دوں گا،اب تمہیں جانا ہے سہارن پور۔ دورہ تو تم نے پڑھ لیا ہے وہاں حضرت شیخ ہیں، ناظم صاحب ہیں، حضرت مفتی صاحب ہیں اور حضرت مولانا یونس صاحب ہیں؛ بس تمہیں ان کی خدمت کرنا ہے اور اسباق میں حاضری دینا ہے۔

میری زندگی بدل دی:

اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں میرے تعلق سے یہ بات ڈال دی کہ انہوں نے میری زندگی کا پورا رخ بدل دیا۔تو یہ بات ہمارے طلبہ کے لیے بھی ہے کہ وہ اپنے اساتذہ کے مشورہ سے ہی کام کریں۔

حضرت کے پروردوں سے متعلق حضرتِ باندویؒ کا تأثر:

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کی سن تاسیس کے موقع پر عالم ربانی حضرت باندوی رحمۃ اللہ علیہ بنیاد کے لیے گڑھے میں اترے اور پھر اوپر آنے کے بعد حضرت کے کان میں کچھ بات کہی، ہمیں نہیں پتہ لیکن بعد میں حضرت نے جلسوں میں فرمایا کہ حضرت نے فرمایا تھا کہ فلاحِ دارین نے اگر ایک غلام محمد کو پیدا کر دیا ہے تو تمہارا کام ہو گیا۔ اللہ اکبر!

حضرت باندویؒ کی بصیرت اور دور اندیشی:

حضرت باندوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس جملہ کو مدنظر رکھ کر ابھی بھی حضرت مجھے کہتے تھے کہ حضرت اپنی خداداد بصیرت سے جامعہ، احاطۂ جامعہ اور جامعہ کے باہر بذریعہ جامعہ جو کام ہو رہا ہے اور ہونے والا ہے اس کو دیکھ چکے تھے۔ " اتقوا فراسة المومن فانه ينظر بنور الله "۔ حضرت باندوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانے کے بڑے مشائخین میں تھے۔ حضرت سے بھی ان کا بہت تعلق تھا، اور مجھ سے بھی حضرت باندویؒ کہتے کہ: دیکھو اپنے حضرت سے مشورہ کرتے رہو! ان کے مشورے کے بغیر کوئی کام مت کرنا۔ اللہ اکبر!

سفر بیرون پر حضرت باندویؒ کی ناراضگی:

جب حضرت کا پوروریؒ کا باہر کا سفر ہوا، اس پر حضرت باندوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت ناراضگی ظاہر فرمائی کہ تم گجرات والے کیسے لوگ ہو! ایسا ہیرا آدمی تم نے انہیں وہاں جانے دیا؟ کیا یہاں کام نہیں تھا؟ تو ہم نے کہا حضرت کام تو بہت تھا لیکن قضا وقدر کی بات ہے، وہاں بھی کچھ کام کرنا مقدر ہو۔

اکل کوا کے سالانہ جلسے میں حضرت باندویؒ کی سالہا سال شرکت:

حضرت باندویؒ جامعہ اکل کوا کے سالانہ جلسے میں ۲۰؍ سال تک مسلسل تشریف لاتے رہے؛ جب حضرت باندویؒ ہوتے تو حضرت کا پوروریؒ بھی آجاتے تھے۔

جامعہ کے تعلق سے حضرت کا تاریخی جملہ:

جامعہ اکل کوا کی خدمات کو دیکھ کر حضرت بار بار کہتے کہ: **إن في الحقيقة الجامعة هذا هو الجامعة**" درحقیقت جامعہ تو اسی کا نام جامعہ ہے۔ جہاں قرآن ہے، حدیث ہے، کلیات ہے، ہندسہ ہے اور کیا کیا ہے، سارے کالجز آگئے ہیں۔ حقیقت میں اللہ نے تجھ سے کام لیا اور میں تجھ سے بہت خوش ہوں۔ حضرت نے کہا کہ میں تیرے سے بہت خوش ہوں۔

آپ کی سیرت وصورت:

چہرے پر ہمیشہ بشاشت، نورانیت اور خوب صورتی۔ نمازوں کا سب سے زیادہ اہتمام، تلاوت قرآن کا معمول اور کتابوں کے مطالعہ کا یہ عالم جیسے مانو کتاب کے کیڑے؛ جب بھی کوئی عالم ان کے پاس جاتا، تو کتابوں کی بات شروع ہو جاتی۔ مولوی حذیفہ (میرے صاحبزادے) سے ملاقات ہوتی تو مذاکرہ کتب کا لامتناہی سلسلہ شروع ہو جاتا۔ مولوی حذیفہ دبئی گئے تو مجھ سے کہا ان سے کہو کہ یہ یہ کتاب لے آئے۔

ایک مرتبہ حضرت مولوی حذیفہ کے ساتھ دبئی گئے، تو ان کے ساتھ اکثر وقت کتابوں کو دیکھنے اور خریدنے ہی میں لگے رہے۔ وہ ان کا شغف تھا۔ متنبی کا شعر ہے۔

خیر جلیس فی الزمان کتاب

زمانے کا بہترین دوست اگر کوئی ہے تو وہ کتاب ہے۔

اور ایسا دوست رکھنے والا میں نے ان کے سوا کسی کو نہ دیکھا۔

ہاں! میرے دوسرے ایک استاذ مولانا یونس صاحبؒ تھے، وہ بھی کتابوں کے کیڑے تھے، چاروں طرف کتابیں ہی کتابیں تھیں، جب موت آئی تو بھی کتاب۔ یہ شعر انہیں شخصیات کے لیے ہے۔

''مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا''

حضرتؒ کی علمی صلاحیت:

جامعہ فلاح دارین میں بخاری شریف کے پہلے سبق کے لیے دیوبند سے حضرت مولانا فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو حضرتؒ دعوت دے کر لائے۔ مولانا نے کس امتحان کے ساتھ حضرت کو پرکھا کہ حضرت مولانا نے کتاب الرائی میں یہ جملہ لکھا کہ اس ادارہ کا مہتمم آیۃ من آیات اللہ ہے۔

مشائخین سے آپ کا والہانہ تعلق:

ہمارے حضرت کا تعلق مشائخین سے والہانہ تھا۔ حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سلسلے کے مشائخ حضرت شیخ الحدیث صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان کے سلسلہ کے خلفا اور حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اجل خلفا ، حضرت مولانا اسد اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حضرت شاہ وصی اللہؒ، حضرت شاہ جونپوری رحمۃ اللہ علیہ اور نا معلوم کتنے مشائخ......

جب حضرت شاہ وصی اللہ صاحبؒ کا انتقال ہوا، میں شرح وقایہ میں تھا۔ حضرت کاپودروی مسجد سے مدرسہ کی طرف آرہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ بھائی حضرت کو ہم نے دعوت دی تھی اور حضرت کو آنا تھا؛ لیکن وہ اللہ کو پیارے ہوگئے۔ تو ہمارے حضرت بزرگوں سے وابستہ تھے اور بزرگوں سے وابستگی صرف نام کی نہیں تھی۔ ان کی زندگی میں جو نماز کا اہتمام ہم نے دیکھا۔ اللہ اکبر! اذان ہونے سے پندرہ منٹ پہلے ظہر میں اٹھ جانا اور تیاری کرنا اور اذان ہوتے ہی پہلی صف میں نماز پڑھنا اور ہمیں بھی تاکید کہ بھائی نماز..... نماز جس میں نہیں اس میں کچھ نہیں۔

شرفِ خدمت:

ان کی بیماری وصحت، ان کا دورِ اہتمام وانتظام ہر حالت میں یہ فقیر ان کا خادم رہا اور ان کے میرے اوپر بے پناہ احسانات ہیں۔ ”انسان کو اپنے محسن کا احسان کبھی نہیں بھولنا چاہیے“۔

احسان مندی اخلاق مندی ہے:

وہ بے وقوف واحسان فراموش ہے، جو اپنے محسن کے احسان کو فراموش کر جاتا ہے؛ وہ بڑا محروم القسمت ہے، جو اپنے استاذ کی توجہ، عنایات اور محبت کو بھول جاتا ہے۔ انسان کو کسی کا احسان اور خصوصاً طالب علم کو اہل علم اور اساتذہ کے احسانات کو نہیں بھولنا چاہیے، اگر بھول گیا تو سمجھ لو کہ وہ ہلاک ہو گیا۔

بیماری میں خدمت کا موقع:

ایک مرتبہ مجھ کو بلایا اور کہا غلام! میں نے کہا جی۔ سنا ہے ایک بہت بڑے مشہور حکیم ہیں، مگر ذرا بریلوی فکر کے ہیں ان کو بلانا تھا؛ میں نے کہا کہ حضرت آپ فکر نہ کریں وہ کل آ جائیں گے۔ کہا اچھا! میں نے فوراً ان کو فون لگایا اور کہا حکیم صاحب! (میرے ان سے تعلقات ہیں، وہ عمرہ میں میرے ساتھ ایک کمرے میں تھے) میں نے کہا حکیم صاحب میرے استاذ بیمار ہیں، کل آپ تشریف لائیں۔ ان حکیم صاحب کے پاس مہینوں کا ٹائم دیا ہوتا ہے؛ لیکن میرے دل میں بھی تڑپ تھی اور ان کو مجھ سے محبت تھی؛ چناں چہ انہوں نے آنے کا وعدہ کر لیا اور دوسرے دن حضرت کے پاس آ گئے۔

حضرت حکیم صاحب سے بڑے منشرح ہوئے اور کہا کہ بہت اچھے حکیم ہیں۔ وہ حکیم کی حکمت کیا تھی؟ انہوں نے یہ نہیں کہا کہ حضرت آپ کو یہ مرض ہے؛ بل کہ کہا: حضرت آپ کو بھوک نہیں لگتی؟ فرمایا بالکل صحیح کہا۔ حکیم صاحب نے کہا کہ دوا کھائیے آپ کو بھوک لگے گی۔ اب تو حکیموں میں بھی حکمت مفقود ہے؛ بعض حضرات تو ایسے ہوتے ہیں کہ وہ اس طرح پیش آتے ہیں کہ مریض کی حالت سدھرنے کے بجائے اور بگڑ جاتی ہے۔ حکیم کی حکمت یہ ہے کہ وہ مریض کو اس کے مرض سے مطلع نہ کرے؛ بل کہ وہ اس کا غیر محسوس طریقے سے علاج کرے۔ بہر حال حضرت نے دو مرتبہ ان کی دوائی کھائی۔

مرض الوفات:

حضرت کینیڈا میں زیرِ علاج تھے وہاں سے آئے پھر گئے؛ پھر آئے اور مستقل یہاں کے ہو گئے؛ یہ مرض اُن کے لیے جان لیوا ثابت ہو گیا اور وہ اپنے رب کریم کو جا ملے۔

آخری ملاقات اور اہتمام ضیافت:

وفات سے ایک دن پہلے مولانا اسماعیل صاحب (حضرت کے صاحبزادے) کا فون آیا کہ ابا کی طبیعت نازک ہے، تو میں اور مولانا حذیفہ فوراً حضرت کے یہاں پہنچے، دیکھا تو حضرت کی سانس چل رہی ہے۔ میں نے کہا: کہ غلام محمد آیا، تو آنکھیں کھولیں اور کہا کہ غلام کو چائے پانی کراؤ۔

ایک آدمی بستر مرگ پر ہے، لیکن مہمان داری اور خرد نوازی کا یہ حال ہے، کہہ رہے ہیں کہ انہیں کھانا کھلاؤ، ان کو چائے پلاؤ۔ اللہ اکبر!

خادم ومخدوم کی عاشقانہ باتیں:

تھوڑی دیر کے بعد وہ استنجا کے لیے گئے۔ حضرت نے اپنے کمرے میں مجھے بلایا اور بلا کر کہا کہ غلام! تو نے میری بہت خدمت کی ہے۔ میں نے کہا: انت ومالک لابیک حضرت سب کچھ تو آپ ہی کا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ میں آپ کی اتنی خدمت نہیں کر پایا جتنا آپ کا مجھ پر احسان ہے۔ میں ایک بدو بچہ تھا میں ایک چھوٹے سے دیہات کا ایک کسان کا بیٹا تھا، لیکن آپ نے میرے ساتھ وہ تربیت ومحبت کا معاملہ کیا کہ بس.........، جو کچھ میں کر رہا ہوں وہ آپ کے کھاتے میں جائے گا۔ حضرت بھی رو پڑے اور فرمایا: کہ نہیں تو نے بہت خدمت کی ہے، تو نے خدمت کا حق ادا کر دیا ہے۔ لیکن بدقسمتی کی بات ہے کہ وہ آج ہمارے درمیان نہیں رہے۔ لیکن وہ " في جنة عالية " ۔

حسن انجام اور حسین انعام:

فلاحِ دارین کے تعزیتی اجلاس میں ایک صاحب نے جامعہ کٹھور کے ایک استاذ کا خواب سنایا کہ حضرت ایک بہت بڑی مسجد میں جو لوگوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے کرسی پر بالکل نوجوانی کی حالت میں بیٹھے ہیں، تو انہوں نے کہا کہ حضرت آپ تو بیمار تھے، تو حضرت نے کہا بھائی اللہ نے اپنے فضل کا معاملہ کر دیا۔

شہادت کی موت:

یہ اہل اللہ کے حالات ہیں۔ کیوں کہ حضرت کا جس مرض میں انتقال ہوا، اس میں اگر کسی کا انتقال ہو جاتا ہے تو فقہا نے اس کو شہادت کی موت قرار دیا ہے۔ یہ شہادت رتبی ہے۔ اس مرض میں انسان کو جو تکلیف ہوتی ہے وہ برداشت سے باہر ہوتی ہے، لیکن حضرت نے ایک سال اس پر الم مرض میں اس طرح گذارا کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ حضرت کو یہ مرض لاحق ہے۔

ان کی زندگی ہمیں کیا سبق دیتی ہے:

جانے والے ہم سب کے لیے سبق چھوڑ کر گئے کہ مدارس میں پڑھنے والے طلبہ اور پڑھانے والے اساتذہ اپنے آپ کو کتابوں کے ساتھ لگائے رکھیں، فضولیات میں وقت اور پیسے کو ضائع نہ کریں۔

حضرت مولانا یونس صاحبؒ اپنے احوال سناتے تھے کہ میرے پاس جب کبھی کچھ پیسے ہوئے، میں نے انہیں کتابوں میں لگا دیا اور اخیری عمر میں تو اللہ نے فتوحات کے دروازے کھول دیئے تھے۔ حضرت دریافت کرتے کتنے پیسے ہیں؟ کہا جاتا اتنے ہزار، فرماتے کہ چلو کتب خانے میں کتابیں خریدیں گے۔ ادھر موت کی تیاری اور ادھر کتابوں کے خریدنے کا ذوق! ان کی طبیعت ہی ایسی بنی تھی۔ ہمارے حضرت (کاپودرویؒ) کا بھی ایک کتب خانہ تھا، کتابوں کی لسٹ تھی۔

فلاح دارین سے لگاؤ:

اپنی موت سے دو دن پہلے کہا کہ مجھے فلاح دارین لے چلو، جہاں میں نے زندگی لگائی ہے؛ چناں چہ آپ کو گاڑی میں بٹھا کر ان کے صاحبزادے فلاح دارین لے گئے۔ سوتے سوتے ساری عمارتوں اساتذہ اور طلبہ کو دیکھا۔

عہد برائے ایصالِ ثواب:

قارئین! طلبہ! اور اساتذہ! اگر آپ کبھی کو اس فقیر سے محبت ہے تو آپ میرے حضرت کے لیے ایک ایک قرآن پڑھ کر ایصالِ ثواب کریں۔ اور ایک ایک قرآن میرے استاذ حضرت مولانا یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بھی ایصالِ ثواب کریں۔

فنافی الاستاذ:

حضرت مولانا یونس صاحبؒ کے استاذ مولانا ضیا صاحبؒ تھے۔ حضرت کی کوئی مجلس ایسی نہیں ہوتی تھی، جس میں مولانا ضیا صاحب کا تذکرہ نہ ہو۔ میں ایک مرتبہ حضرت کے پاس گیا تو کہا کہ غلام! دیکھ تیرے پاس پیسے آتے ہیں مجھے خبر ہے، کیا تو میرے استاذ کے لیے حج کرے گا؟ یا کرائے گا؟

یہ ہے فنافی الاستاذ۔ میں آپ کو یہ بتا رہا ہوں کہ جب تک طالب علم اپنے استاذ پر فنا نہیں ہوتا، وہ کچھ نہیں بنتا۔ مولانا یونس صاحب آج کیا ہے؟ امیر المومنین فی الحدیث۔ اللہ اکبر!

حضرت شیخ کا مقام:

حضرت مدینہ جاتے تھے تو سند حدیث کے لیے عرب علما کی بھیڑ لگ جاتی تھی۔ وہ آپ کے ابتدائی استاذ تھے، ان سے آپ نے بخاری نہیں پڑھی تھی، ابو داود نہیں پڑھی تھی، آپ نے ان سے ''نحو میر'' اور ''ہدایۃ النحو'' پڑھی تھی؛ لیکن وہ اپنے استاذ کا اتنا اکرام کرتے تھے۔

میرے اساتذہ:

یہ میرے استاذ ہیں: حضرت مولانا عبد اللہ صاحب اور حضرت مولانا یونس صاحب، جنہوں نے مجھے کچھ کام کا بنایا، تو آپ حضرات کا فرض بنتا ہے کہ آپ حضرات ان کے لیے ایصال ثواب کریں۔

بہر حال! حضرت کی زندگی کے تعلق سے بہت ساری باتیں ہیں۔ جسے میں اپنی مجلسوں میں طلبہ اور اساتذہ کو بتاتا رہتا ہوں اور بتاتا رہوں گا۔

آخری پیغام:

آپ حضرات اپنے آپ کو پڑھنے والا بنائیں، دین کا داعی اور شیدائی بنائیں۔ مولانا عبد اللہ صاحبؒ یہ بھی ایک کسان کے بیٹے تھے، ان کے والد اسماعیل صاحب تھے۔ میں نے ان کو دیکھا ہے، ہمارے سامنے ان کا انتقال ہوا؛ وہ حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے۔ حضرت تھانویؒ سے ان کا خط وکتابت بھی تھا، وہ خطوط بھی موجود ہیں۔

اکابر سے وابستہ رہنا ہمارے علما وطلبا کے لیے بہت ضروری ہے۔ فضول چیزیں کھانے پینے میں ،غیر ضروری چیزیں خریدنے میں پیسے مت اڑاؤ! کتابیں خریدو، بزرگوں کے ملفوظات پڑھو، قرآن کریم کی تجوید وتفسیر پڑھو، قرآن کا ترجمہ کرو، خالی وقت مسجد میں آکر قرآن پڑھو۔ قرأ حضرات کی جماعت ہمارے پاس ہے ان سے فیض حاصل کرو؛ جس استاذ کے پاس آپ پڑھتے ہیں ان کی قدر ومنزلت جانو۔ مولانا ضیا صاحب جیسے شاگرد اللہ سب کو دیوے۔ مولانا ضیا صاحب کے شاگرد مولانا یونس صاحب نے پچاس سال تک بخاری پڑھائی اور کتابوں پر ہی مرے۔

مقصود عمل ہے ثناخوانی نہیں:

اس شمارے اور ان تحریروں سے مقصود ثناخوانی نہیں ،مقصود تو یہ ہے کہ ہم ان کی زندگی کے مطابق اپنی زندگی بنائیں۔ یہ اس تحریر کا خلاصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمارا یہ تعلیمی سال بحسن خوبی ترقی اور عافیتوں کے ساتھ پورا فرمائے۔ اور جتنے بھی فضلا ہیں ہیں اللہ تعالیٰ ان کو تصنیف و تالیف، درس و تدریس، امامت و خطابت، دعوت و موعظت کے لیے قبول فرمائے۔

اور ہمارے حضرت کے درجات کو بلند فرمائے، آپ کے نقشِ قدم پر ہمیں چلائے۔

تین منقطع نہ ہونے والے اعمال:

ایسا نہیں کہ حضرت چلے گئے سب کچھ چلا گیا اوقد ورد بالخبر عن النبی الصادق الابر:

"اذا مات الانسان انقطع عمله الا من ثلاث : صدقة جارية او علم ينتفع به ، او ولد صالح يدعو له " یہ فلاح دارین آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہے، جامعہ اکل کوا صدقہ جاریہ ہے اور فلاحی برادری نے کئی کئی مدرسے قائم کیے افریقہ میں، لندن میں اور زامبیا میں، تو یہ سب حضرت کے لیے صدقۂ جاریہ ہیں۔

اور اسی طریقہ سے کہا " او علم ينتفع به" کتب خانوں کی چھان بین یہ حضرت کا مزاج تھا؛ تو علم منتفع کے باب میں بھی، انہوں نے اپنی زندگی ہی میں کتب خانہ بنا دیا اور جامعہ کھروڈ کو وقف کر دیا۔

" او ولد صالح يدعو له " حضرت کی کتنی ساری صالح اولا دیں! نسبی اولاد بھی صالح اور صلاحیت والی اور روحانی و علمی اولاد میں تو کیسے کیسے علما و صلحا ہیں ہر ایک ان کی اولاد ہیں۔ ان کی حقیقی اولاد میں بھی ایسے باصلاحیت اولاد و احفاد ہیں کہ حضرت کی نسبت ان کی طرف منتقل ہوئی ہے۔ حضرت کی وراثت علم بھی ان شاء اللہ یہ لوگ لے کر چلیں گے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ وقت پورا ہو گیا ہے۔

دعا:

اے اللہ! طلبہ جامعات کو ہمارے حضرت کے دلوں کی دھڑکن بنا۔ ہمارے حضرت کے علوم سے ہم سب کو مستفید فرما۔ حضرت کے اخلاقِ حمیدہ سے ہمیں بھی کچھ حصہ عطا فرما۔ اے اللہ! تو ہماری اولادوں کو بھی علم نافع عطا فرما اور ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔ اے اللہ! ہمارے اساتذہ کرام کی ایک بڑی جماعت تیرے پاس آچکی ہے، ان میں کا ہر ایک تیرا ولی تھا، اے اللہ! ان سب کی مغفرت فرما۔ ان کو درجات کی بلندی عطا فرما۔ ان کی اولادوں کو بھی ان کا جانشین بنا۔

اداریہ:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے!!

مولانا حذیفہ مولانا غلام محمد صاحب وستانوی

”مفکرِ قوم وملت، فخر گجرات حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ کے ساتھ وابستہ کچھ یادیں اور حضرت کی حیات مستعار سے ہمیں جو کچھ سیکھنے ملا اس کا تذکرہ“۔

مرض الوفات میں حضرت کی آخری زیارت:

۲۵ رشوال ۱۴۳۹ھ شام تقریباً ۴ ربجے کے درمیان احقر حسبِ عادت اپنے دفتر میں مصروفِ کار تھا کہ اچانک فون کی گھنٹی بجی..... فون اٹھایا تو دوسری طرف سے والدِ محترم کی آواز کان میں گونجی، کہا کہ بیٹا ابھی مولانا اسماعیل صاحب کا فون آیا ہے کہ حضرت رئیس (مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ اہلِ گجرات کے درمیان حضرتِ رئیس سے متعارف ہیں) کی طبیعت بہت زیادہ نازک ہے اور حضرت کو ہسپتال سے گھر لایا جارہا ہے؛ تم فوراً نیچے میرے دفتر میں آجاؤ ہمیں ابھی نکلنا ہے۔ احقر کو بہت تشویش ہوئی، ہڑبڑاتے اور گھبراتے ہوئے فون رکھ کر فوراً اپنی کرسی چھوڑی اور والد صاحب کے دفتر میں آپہنچا۔ والد صاحب نے کہا: پانچ بجنے والے ہیں، عصر کا وقت شروع ہوجائے گا، عصر پڑھ کر چلتے ہیں۔ میں نے ڈرائیور سعید بھائی بلوچ کو فون کیا اور تیزی سے آنے کو کہا، وہ چند ہی منٹ میں پہنچ گئے؛ تب تک ہم نے عصر کی نماز ادا کرلی اور گاڑی میں بیٹھ کر کاپودرا کے لیے روانہ ہوگئے۔ جلد بازی میں دونوں باپ بیٹے گھر پر اطلاع کرنا بھی بھول گئے، پھر کچھ راستہ طے کرنے کے بعد بذریعہ فون اطلاع دے دی اور ہماری گاڑی تیزی کے ساتھ کاپودرا کی سمت رواں دواں ہوگئی۔

میں اور والد صاحب راستے میں کام کی باتیں کرتے رہے اور مغرب سے تقریباً پندرہ بیس منٹ قبل ہم کاپودرا پہنچ گئے۔ کاپودرا پہنچتے ہی فوراً حضرت کے حجرے کی طرف چل دیے، جہاں حضرت کے صاحبزادے انتظار میں تھے..... مولانا اسماعیل صاحب، مولانا قاسم سلیم بھائی، حضرت کے پوتے مولانا عبدالرحمٰن اور ان کے والد۔ مولانا عبدالرحمٰن کے والد نے حضرت کو سرگوشی کے انداز میں والد صاحب کے آنے کی اطلاع دی تو حضرت نے آنکھیں کھولیں اور والد صاحب کی جانب دیکھا؛ بولنے کی سکت نہیں تھی، کچھ بولنا چاہ رہے تھے مگر بول نہ سکے اور والد صاحب حضرت کے سرہانے بیٹھ گئے۔ دو منٹ بعد حضرت نے آنکھیں کھولیں اور بڑی مشکل سے آہستہ آواز میں اپنے بیٹوں سے کہا کہ مولانا غلام کو ناشتہ کراؤ۔ اللہ اکبر!

یہ تھے حضرت کے اخلاق، بے پناہ تکلیف سے گزر رہے تھے، مگر پھر بھی آنے والے کی فکر سوار تھی، آپ کے صاحبزادے کہنے لگے کہ کئی گھنٹوں کے بعد اب حضرت کچھ بول سکے ہیں۔

جہاں حضرت کے بلندیٔ اخلاق کا اس سے پتا چلتا ہے، وہیں ان کی والد بزرگ وار کے تئیں بے پناہ محبت اور شفقت کا بھی پتا چلتا ہے۔ جس قدر حضرت کو والد صاحب سے محبت تھی، اسی قدر والد صاحب کے دل میں بھی حضرت کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے؛ میں نے ایک بار نہیں بار بار والد صاحب کو یہ کہتے ہوئے؛ بل کہ آبدیدہ ہو کر یہ دہراتے ہوئے سنا ہے کہ ''میں آج جو کچھ ہوں حضرت کی تربیت وتوجہات اور دعاؤں کی برکت سے ہوں'' کبھی فرماتے: ''حضرت کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ میں اسے ادا نہیں کر سکتا'' ہمیشہ جب بھی والد صاحب کا گزر انکلیشور سے ہوتا، ضرور حضرت کے دربار میں حاضری دیتے اور حضرت کو بھی جب بھی اطلاع دی جاتی کہ مولانا غلام محمد صاحب آرہے ہیں تو بے صبری سے انتظار کرتے..... بار بار دریافت کرتے دیکھو، معلوم کرو! مولوی اسماعیل! مولانا غلام محمد صاحب کہاں پہنچے؟ اور جب والد صاحب حضرت کے پاس پہنچ جاتے تو بہت خوش ہوتے اور دونوں حضرات بے تکلفانہ خوب ہنسی مذاق کرتے۔ حضرت والد صاحب سے اتنے بے تکلف رہتے تھے کہ دیکھنے والا یہ سمجھتا کہ ان دونوں حضرات کا دوستانہ تعلق ہے۔

والد صاحب جب ہمارے ساتھ گھر یا دفتر میں اکیلے بیٹھے ہوتے تو حضرت کے ساتھ اپنی طالب علمانہ زندگی کے احوال بیان کرتے اور ایک ایک بات بار بار الگ الگ مجلسوں میں دہراتے رہتے۔ والد صاحب جامعہ کے اساتذہ کی میٹنگ میں بھی حضرت کی تربیت کے واقعات ذکر کرتے رہتے ہیں، غرض یکہ جانبین سے ایک دوسرے کے ساتھ محبت اتنی زیادہ تھی کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ کس کو کس سے زیادہ محبت ہے!

تو ذکر چل رہا تھا حضرت کے مرض الموت کی آخری زیارت کا۔ اس کے بعد ہم تقریباً عشا کے بعد تک حضرت کے سرہانے بیٹھے رہے، اسی دوران مغرب بھی ہم نے وہیں حضرت کے سرہانے مصلی بچھا کر ادا کی، اس کے بعد قدرے توقف کیا؛ اسی دوران زائرین کی بڑی تعداد حضرت کی شدتِ بیماری کی خبر سن کر بے چینی کی حالت میں زیارت کے لیے ایک ایک دو دو کر کے کمرے میں داخل ہو کر حضرت کا دیدار کرتی رہی۔ پھر ہم نے حضرت کے اقربا کی محبت میں عشا سے پہلے کھانا تناول کیا اور پھر ایک ڈیڑھ گھنٹہ بیٹھے رہے، اسی دوران ہم نے دیکھا کہ حضرت کو سینے میں تکلیف ہو رہی تھی، بلغم بہت زیادہ ہو گیا تھا تو بے چینی کے عالم میں کبھی اشارے سے پنکھا بند کرواتے پھر کچھ دیر بعد اشارے سے پنکھا چلانے کو کہتے۔ کافی دیر بعد جب حضرت کو کچھ افاقہ ہوا تو والد صاحب نے اجازت طلب کی تو اشارے سے اجازت دی اور اس طرح یہ آخری زیارت کر کے ہم ''اکل کوا'' لوٹ آئے۔

حضرت کی خبر وفات:

دو یوم بعد ۲۷ رشوال کو بالکل اسی وقت میں والد صاحب کے پاس ان کے دفتر میں بیٹھا ہوا تھا کہ مولانا اسماعیل صاحب کا فون آیا۔ تقریباً چار بج کر بیس منٹ ہور ہے تھے اور انہوں نے یہ افسوس ناک خبر سنادی کہ حضرت کی پاکیزہ روح اپنے قفس عنصری سے پرواز کر کے اپنے مالک حقیقی سے جاملی ہے۔ انا لله وانا اليه راجعون. ہمارے لیے یہ خبر کسی قیامتِ صغریٰ سے کم نہ تھی۔ بہر حال ﴿کل نفس ذائقة الموت﴾ کے اصول اور قدرتی قانون کے زیرِ اثر ہر نفس کو اس دنیا سے رخصت ہونا ہی ہے، چاہے کوئی کتنی ہی عظیم شخصیت کیوں نہ ہو؟ اس قدرتی قانون سے کوئی مستثنیٰ نہیں۔ قرآنِ کریم نے دوٹوک انداز میں یہ اعلان کیا: ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ أَفَإِنْ مِتَّ فَهُمُ الْخٰلِدُوْنَ﴾ (انبیا: ۳۴) سید الخلائق، افضل البشر، امام الانبیا والمرسلین، حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ کہہ دیا جائے کہ آپ کو بھی موت آنی ہے، تو بھلا کون اس دنیا میں ہمیشہ ہمیشہ رہ سکتا ہے؟!

ویسے تو یہ دنیا آنی جانی ہے روزانہ ہزاروں بچے پیدا ہوتے ہیں اور سینکڑوں افراد دنیا سے رخصت ہوتے ہیں، مگر کچھ افراد ایسے ہوتے ہیں، جو اپنے کارناموں کی وجہ سے معاشرہ میں بلند مقام حاصل کر لیتے ہیں اور اپنی یادوں کو لوگوں کے درمیان چھوڑ جاتے ہیں، ان میں بھی معدودِ چند زمین پر رہ کر بھی آسمان کے مانند آفاقیت کے حامل ہوتے ہیں، ایسے افراد کے بارے میں کسی شاعر نے کچھ یوں کہا ہے ؎

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ حضرت والا علم کی گہرائی میں سمندر کے مانند تھے اور وسعت میں آسمان، اور علم کے ابلاغ اور ضیا پاشی میں چمکتے ہوئے سورج تھے، آپ کا اس دنیا سے رحلت فرما جانا امتِ مسلمہ کے لیے عموماً اور خاص طور پر برصغیر اور اخص الخاص گجرات کے مدارس، علما، طلبا، اور صلحا کے لیے بہت بڑا خسارہ ہے اور اس میں اخص خاص الخاص ہمارے جامعہ اور جامعہ برادری کے لیے بہت عظیم خسارہ اور بہت بڑی مصیبت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبرِ جمیل عطا فرمائے اور حضرت کے بعد ہم سب کو ہر طرح کے فتنے سے محفوظ رکھے۔

حضرتؒ اپنی ذات میں انجمن تھے:

فتنوں کے اس گھٹا ٹوپ دور میں جہاں قحط الرجال کا دور دورہ ہے، حضرت کی ذات امتِ مسلمہ کے لیے انتہائی عظیم نعمت تھی، اس لیے کہ پچھلے سو دو سو سال سے امت کے علما وزعما؛ رجالِ کار کے فقدان کا رونا روتے چلے آرہے ہیں۔ ایسے پُر آشوب اور قحط الرجال کے دور میں مردم سازی کو سب سے بڑا کارنامہ کہا جاسکتا ہے۔ ویسے تو حضرت گوناگوں صفاتِ حمیدہ کے حامل تھے، مگر آپ کا امتیازی وصف اور خاصہ بڑی تعداد میں رجالِ کار کو اپنی منفرد تربیت سے وجود میں لانا ہے۔

میرے اپنے تاثرات یہ ہیں کہ ہمارے خطۂ گجرات میں اس گئے گزرے دور میں تو آپ کا ہم پلہ کوئی نظر نہیں آتا؛ بل کہ ہندستان میں کثرت سے مردم سازی کا یہ عظیم کارنامہ حکیم الامت، مجدد ملت حضرت تھانویؒ نور اللہ مرقدہ کے بعد آپ ہی کے حصہ میں آتا ہے۔

آپ کے تیار کردہ تلامذہ کی خدمات کا دائرہ صرف ہندستان تک محدود نہیں ہے، بل کہ یورپ، افریقہ اور دنیا کے مختلف خطوں میں وہ نمایاں کام انجام دے رہے ہیں۔ ان کی تعداد اتنی بڑی ہے کہ سرِ دست اس کا احاطہ آسان نہیں۔

حضرت کے ادارہ "فلاحِ دارین" ترکیسر سے مختلف ذوق کے حامل افرادِ کار وجود میں آئے۔ ایک طبقہ وہ ہے جو قرأت میں اپنی نمایاں خدمات امت کو پیش کر رہا ہے۔ جیسے: قاری صدیق صاحب سانسرودی، قاری ایوب اسحاق جنوبی افریقہ وغیرہ۔ ایک طبقہ وہ ہے جو ادب میں اپنا لوہا منوا رہا ہے۔ جیسے: مولانا اقبال صاحب دیولوی وغیرہ۔ ایک طبقہ وہ ہے جو خدمتِ حدیث میں مثالی خدمات انجام دے رہا ہے۔ جیسے: مولانا یوسف صاحب ٹنکاروی وغیرہ؛ کہیں خدمتِ تفسیر میں ایک طبقہ لگا ہوا ہے مثلاً: مولانا عبد الرحیم صاحب فلاحی وغیرہ۔ کہیں نظامت واہتمام میں جیسے: والدِ محترم مولانا غلام محمد صاحب وستانوی وغیرہم۔

غرض یہ کہ مختلف النوع میدانوں میں مختلف رجالِ کار کی بڑی تعداد مصروفِ عمل ہے۔ یہ اس لیے کہ حضرت کی ذات خود ہمہ جہت صلاحیتوں کی حامل تھی؛ آپ ایک بہترین منتظم اور مہتمم تھے، اسی طرح آپ کا عربی، اردو، فارسی اور گجراتی ادب کا ذوق بھی بہت معیاری تھا۔ آپ حدیث اور فقہ سے بھی بڑی دل چسپی رکھتے تھے؛ لہٰذا آپ کے مختلف تلامذہ میں آپ کی شخصیت مختلف انداز میں جھلکتی ہے۔

فلاحِ دارین سے مختلف جہات کے حامل افراد کے وجود میں آنے کی ایک وجہ حضرت کا اپنے دورِ اہتمام میں ہندستان کے مختلف خطوں سے فنون کے ماہرین کو جمع کرنا ہے۔ مثلاً مولانا ذوالفقار صاحبؒ، مولانا شیر علی صاحبؒ، مولانا ابرار صاحبؒ، مفتی بیمات صاحبؒ اور قاری انیس صاحب وغیرہم حضرات کو؛ جن کی وجہ سے افراد سازی میں بڑی مدد ملی۔

فلاحِ دارین سے آپ کے دور میں افراد کا رکثرت سے وجود میں آنے کی ایک اور وجہ آپ کا نصاب پر خصوصی توجہ دینا بھی ہے۔اس کے لیے کہ آپ نے ہندستان کے ماضی کے مشہور اداروں کے خصوصیات کو جمع کرنے کی کوشش کی۔دیوبند کے نصاب سے فقہ اور اصولِ فقہ کو لیا،مظاہرِ علوم سہارن پور کے نصاب سے حدیث کو لیا،ندوۃ العلما کے نصاب سے آپ نے ادب کو لیا،اس طرح ایک جامع اور موٴثر نصاب تیار کیا۔اور اس زمانہ کے اکابرین سے آپ نے رائے مشورے لیے۔اور حضرت ہی کے مشورے سے یہ خصوصیات جامعہ اکل کوا کے نصاب میں بھی پائی جاتی ہے۔

ایک اور وجہ آپ کی طلبہ پر خصوصی توجہ بھی ہے،جس طالب علم میں جیسا ذوق پاتے اس کی ویسی ہی تربیت کرتے۔

مطالعۂ کتب کا ذوق:

حضرت کے یہاں کتاب کے مطالعہ کا ذوق تو ایسا تھا کہ بس بیان سے باہر ہے۔اگر ہم حضرت کے ذوقِ مطالعہ کو دیکھتے ہیں تو ماضی کے علما کی یاد تازہ ہو جاتی ہے،جیسا ذوق عثمان جاحظؒ،ابن عقیلؒ،ابن الجوزیؒ وغیرہم کو تھا۔حضرت کا ذوق ان سے کچھ کم نہ تھا۔

حضرت کو والد صاحب کے ساتھ خصوصی تعلق کی وجہ سے بندے نے بہت قریب سے دیکھا،خاص طور پر آپ کے علمی ذوق کا تو بہت قریب سے مشاہدہ کیا؛اس لیے کہ حضرت کے ساتھ مجھے دو بار کویت اور قطر کے علمی سفر کا شرف حاصل ہوا ہے۔

اتفاق سے ہم کویت جس عرصہ میں گئے تھے،وہاں عالمی کتابوں کا میلہ لگا ہوا تھا۔ہم حضرت کے ساتھ اس میں گئے تو حضرت نے کتابوں کا جو انتخاب کیا وہ بڑا عمدہ تھا۔مجھے یاد ہے کہ حضرت نے خاص طور پر دیوانِ متنبی کی ایک شرح پسند کی تھی ”العود الهندی“جو ماضی قریب کے کسی یمنی مصنف کی تحریر کردہ تھی۔حضرت نے کہا کہ اس کے متعدد نسخے لے لو۔میں نے حضرت کے لیے اپنے لیے اور ہمارے کتب خانہ کے لیے اس کے نسخے خریدے اور بھی بہت ساری کتابیں حضرت نے پسند کر کے لی تھیں۔

اور ایک بار حضرت کی رفاقت میں قطر جانے کا بھی اتفاق ہوا،جہاں وزارۃ الاوقاف اسی طرح شیخ یوسف القرضاوی،شیخ علی قرہ داغی سے ملاقات ہوئی۔وزارۃ الاوقاف نے کافی کتابیں بھی بہ طور ہدیہ کے مرحمت فرمائی اور پھر حضرت کے اشتیاق پر ہم چند کتب خانوں میں بھی گئے اور حضرت نے اپنی پسند کی کتابیں بھی خریدیں۔

غرض یہ کہ کتاب سے آپ کو بے پناہ انسیت تھی۔ بعض لوگ کتابوں کو صرف جمع کرتے ہیں، پڑھتے نہیں، مگر حضرت ماشاء اللہ جب تک طاقت رہی برابر کتب بینی کرتے رہے؛ یہاں تک کہ حضرت آخری ایام میں جس کمرے میں آرام فرماتے تھے، وہاں میں نے دیکھا کہ اس میں بھی چاروں طرف کتابیں پھیلی ہوئی تھیں۔ جب وفات سے دو روز قبل میں حضرت کے یہاں گیا تو میں نے خود بہت ساری کتابیں اٹھا کر دیکھیں، اس لیے کہ احقر کو بھی خالی بیٹھنا پسند نہیں۔ الحمدللہ والد صاحب کے واسطے سے حضرت کی کتب بینی اور مطالعہ کا کچھ حصہ احقر کو بھی ملا ہے۔ میں نے دیکھا کہ ادب پر، عقائد پر اور سیرت پر عمدہ عمدہ کتابیں رکھی ہوئی تھیں، احقر اسے لے کر پڑھنے لگا تو ایک کتاب میں سے پرچی نکلی جس پر عثمان جاحظؒ کا یہ ملفوظ تحریر کردہ تھا:

” من لم تكن نفقته التي تخرج في الكتب الذي عنده من انفاق عشاق القيان و المستهترين في البنيان لم يبلغ في العلم مبلغا رضيا “

اگر کوئی علم کا دعویدار ہو اور اس کے نزدیک کتابوں پر مال خرچ کرنا اتنا خوش آئند نہ ہو، جتنا دنیا دار کے لیے سیر و تفریح میں خرچ کرنا ہوتا ہے تو سمجھو کہ وہ ابھی علم کے مطلوبہ درجہ تک نہیں پہنچا۔

یعنی آخری سانس تک کتابوں کے ساتھ آپ کا لگاؤ انتہا کو پہنچا ہوا تھا اور کسی چیز کی محبت تھی تو بس کتابوں کی، کتابوں کی محبت آپ کے دل میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مذکورہ عبارت ایک پرچی پر تھی، جو بہ طور نشانی کے کتاب میں رکھی ہوئی تھی، اب آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ ان کو کتابوں سے کس درجہ محبت تھی؟

حضرت نور اللہ مرقدہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ جہاں آپ علمی میدان کے ایسے کامیاب مربی و منتظم تھے وہیں، آپ ہمارے برصغیر کے اکابرین کے طریقہ پر تصوف و سلوک پر بھی مکمل گامزن تھے۔ اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ ہمارے اس دور میں علمی ذوق کے حاملین تصوف و سلوک سے شغف بہت کم رکھتے ہیں، مگر حضرت ماشاء اللہ اعتدال کے ساتھ اس کے بھی سالک تھے؛ بل کہ کل ۹ رمشائخ سے حضرت کو خلافت بھی ملی ہوئی تھی۔

مشائخین مجاز حضرت نور اللہ مرقدہ :

۱- حضرت شیخ یونس جون پوری رحمۃ اللہ علیہ

۲- مولانا محمد ہاشم جوگواڑی دامت برکاتہم

۳- ڈاکٹر اسماعیل میمن دامت برکاتہم

۴-حاجی فاروق صاحب سکوڈی دامت برکاتہم

۵-مولانا آصف حسین فاروقی دامت برکاتہم

۶-مفتی احمد خان پوری دامت برکاتہم

۷-مولانا منیر صاحب دامت برکاتہم

۸-مولانا نعیم صاحب فاروقی دامت برکاتہم

۹-مولانا ولی آدم گجراتی دامت برکاتہم

اتنے سارے مشائخ سے خلافت کا علم حضرت کی وفات سے قبل کسی کو نہیں ،حضرت نے کبھی کسی کے سامنے ظاہر ہی نہیں کیا، آخری ایام میں اپنے مخصوص تعلق رکھنے والوں کو بتایا۔ یہ بھی حضرت کا بڑاپن ہے؛ ورنہ آج کل خلافت ملتے ہی، دنیا میں اس کا ڈھنڈورا پیٹا جانے لگتا ہے۔

حضرت والد صاحب (مولانا غلام محمد صاحب وستانوی) دامت برکاتہم فرماتے ہیں ،حضرت نے مرض الوفات میں بندے سے کہا کہ مجھے ۹ رحضرات سے اجازت ہے ،میں ان سب سے آپ کو بھی اجازت دیتا ہوں۔

مرض الوفات میں احقر متعدد بار حضرت کی بیمار پرسی کے لیے حاضری دیتا رہا۔ رمضان سے دو چار روز قبل احقر حضرت کی بیمار پرسی کے لیے حاضر ہوا، تو حضرت بہت خوش ہوئے اور کہنے لگے تم جیسے متحرک اور فعال نوجوانوں سے مجھے بہت محبت ہے اور یہ سنت رسول ہے۔ بطور استدلال کہ فرمانے لگے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبلؓ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا تھا" **یا معاذ! واللہ انی لاحبک** " تو میں کہتا ہوں" **یا حذیفه واللہ انی لأحبک** "اے حذیفہ قسم بخدا میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ اللہ اکبر!

یہ تھا حضرت کا نوجوانوں کی تشجیع کا اسلوب۔ میں کیا اور میری حیثیت کیا! یہ صرف آپ کی ذرہ نوازی تھی۔ اللہ آپ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے۔ آمین!

سوشل میڈیا کے اس دور میں حضرت کی زندگی سے متعلق اچھی خاصی تحریریں گردش کررہی ہیں۔ احقر نے ان میں سے کسی کو نقل کرنے کو تحصیلِ حاصل تصور کیا؛ لہٰذا حضرت سے وابستہ اپنی جو یادیں تحریر کے دوران نوکِ قلم پر آتی گئیں، بندہ اسے سپرد قرطاس کرتا رہا۔ مجلہ کو طباعت کے لیے جانا ہے؛ لہٰذا قلتِ وقت کی بنا پر مزید کی گنجائش نہیں۔

اخیر میں صرف حضرت کی زندگی سے ہم طالبانِ علوم نبوت اور علما کو کیا اسباق حاصل ہوتے ہیں ،اسے قلمبند کر کے اپنی تحریر سمیٹنے کی کوشش کرتا ہوں۔

(۱)......طالب علم اور عالم کو ہمیشہ مطالعۂ کتب کا شوق ہونا چاہیے اور اپنے کتب خانہ میں اچھی خاصی مقدار میں کتابیں جمع کرنے کی فکر ہونی چاہیے۔

(۲)......وقت کی پابندی، جو کام جس وقت کے لیے متعین ہے اسے اسی وقت پر کرنا چاہیے۔

(۳)......ترتیب و تنظیم اور زندگی میں سلیقہ ہونا چاہیے، ہر چیز مرتب و منظم ہونی چاہیے۔

(۴)......اپنے طلبہ کی مکمل فکر ہونی چاہیے اور ان کی تربیت میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں ہونی چاہیے۔

(۵)......ہر ایک کے ساتھ خیر خواہی کا مزاج ہونا چاہیے، کسی کی بدخواہی کبھی نہیں ہونی چاہیے۔

(۶)......اساتذہ اور علما ہمیشہ اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی کرتے رہیں اور حوصلہ شکنی نہ کریں۔

(۷)......کسی کے احسان کو کبھی فراموش نہیں کرنا چاہیے۔

(۸)......ہمیشہ نوجوان علما کی مطالعۂ کتب میں رہ نمائی کرنی چاہیے۔

(۹)......عالم معاشرہ کا ذمہ دار ہوتا ہے، لہٰذا اسے ہمیشہ معاشرے کی باریک باریک چیزوں پر نظر رکھنی چاہیے اور اس کی اصلاح کی فکر کرنی چاہیے۔

(۱۰)...... بیماری میں، انتظامی امور میں اور زندگی کے دیگر میدانوں میں آنے والے مصائب پر صبر وتحمل اور حلم اور بردباری سے کام لینا چاہیے۔

(۱۱)......عالم اور منتظم کو افراد سازی کا گر سیکھ کر اپنے طلبہ کی صحیح رہ نمائی کرکے افراد سازی کی کوشش کرتے رہنا چاہیے۔

(۱۲)......آپ چاہے کتنے ہی اونچے مرتبہ کو پہنچ جاؤ اگر کسی سے غلط فہمی ہوئی تو اس کا خلاصہ کر لینا چاہیے۔

(۱۳)......اپنی کمی کا اعتراف کرنا چاہیے۔

(۱۴)......نوجوانوں کی تعلیمی میدانوں میں صحیح رہ نمائی کرنی چاہیے۔

(۱۵)......اپنے آپ کو حق گوئی کا عادی بنانا چاہیے۔

(۱۶)......ہر عالم کی قدر کرنی چاہیے۔

(۱۷)......تکلم اور خطابت میں سلیس اور فصیح زبان استعمال کرنی چاہیے۔

(۱۸)......اپنی تقریروں میں زندگی کے مشاہدات کا ذکر عمدہ پیرائے میں کرنا چاہیے۔

(۱۹)......معاملات میں صفائی رکھنی چاہیے۔

(۲۰)..... طبیعت میں استغنا ہونا چاہیے۔

(۲۱)..... اگر کسی کے ساتھ اس کے دینی کام کی وجہ سے محبت ہو تو سنتِ نبوی سمجھ کر اس کے سامنے اس کا اظہار کر دینا چاہیے۔

(۲۲)..... نماز کی ہر حالت میں پابندی کرنی چاہیے۔

(۲۳)..... مذاہب کی تقلید میں تعصب اور تشدد سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(۲۴)..... ہر فن اور علم کی بنیادی باتوں سے واقف رہنا چاہیے۔

(۲۵)..... امت کے موجودہ حالات پر گہری نظر رکھنی چاہیے۔

(۲۶)..... دین کے تمام شعبوں کو دین کا حصہ تصور کرنا چاہیے اور غلو سے اجتناب کرنا چاہیے۔

(۲۷)..... امت میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

(۲۸)..... ہمیشہ علمی و تعلیمی ترقی کیسے ہو اس کے لیے فکرمند ہونا چاہیے۔

(۲۹)..... امت کے جو نوجوان عصری تعلیم حاصل کر رہے ہیں ان کے دین کی بھی فکر ہونی چاہیے۔

(۳۰)..... اسکول کے ٹیچر اور کالج کے اساتذہ کو مسلمان سائنس دانوں سے واقف ہونے کی تلقین کرنی چاہیے۔

(۳۱)..... ہر حال میں قضا و قدر اور اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا چاہیے۔

(۳۲)..... اپنے آپ کو شکر کا عادی بنانا چاہیے، ناشکری سے بچنا چاہیے۔

(۳۳)..... طبیعت میں ظرافت ہونی چاہیے۔

(۳۴)..... اپنے آپ کو سادگی کا عادی بنانا چاہیے۔

(۳۵)..... صفتِ قناعت سے متصف ہونا چاہیے۔

(۳۶)..... ہمیشہ صفائی ستھرائی کا خیال رکھنا چاہیے۔

(۳۷)..... تنازع اور اختلافی مسئلہ سے حتی المقدور اصلاح کی کوشش کے بعد اپنے آپ کو جدا رکھنا چاہیے۔

(۳۸)..... اپنی ذات سے اگر کسی کو تکلیف پہنچے تو معافی مانگ لینی چاہیے۔

(۳۹)..... عالم کو ہمیشہ صفتِ تواضع سے متصف ہونا چاہیے۔

(۴۰)..... اپنی نسبت اور نیکی کو چھپانے کی فکر ہونی چاہیے۔

(۴۱)..... حضرت کی طبیعت میں جمود نہیں تھا۔ قدیم صالح اور جدید نافع کو اعتدال کے ساتھ جمع کرنا آپ کا خاصہ تھا،لہٰذا ہمیں بھی اسی چیز کو سیکھنے کی ضرورت ہے۔

(۴۲)..... صاحبِ نسبت بزرگوں کے ساتھ منسلک رہنا چاہیے۔ گو وہ رتبہ، عمر اور علم میں اپنے سے کم ہی کیوں نہ ہو؛ بہرحال اپنے آپ کو کسی بزرگ کے ساتھ جوڑے رکھنے کی ضرورت آخر تک رہتی ہے۔ آج کل اس کا ہمارے طبقۂ علما میں فقدان ہے۔

(۴۳)..... اپنی پریشانی اور تکلیف کی شکایت مخلوق کے سامنے نہ کرنا۔

(۴۴)..... مسلسل جدوجہد میں لگے رہنا اور کبھی اپنے کو فارغ نہ رکھنا۔

(۴۵)..... آخری دم تک اپنے طلبہ سے رابطہ میں رہنا اور ان کی رہبری و رہ نمائی کرتے رہنا۔

(۴۶)..... منتظم کا فکرمندی سے باصلاحیت معلمین کو تلاش کرتے رہنے اور انہیں اپنے اداروں میں لانے کی کوشش کرنا۔

(۴۷)..... باصلاحیت علما کو ان کے ذوق کے مطابق علمی کام سپرد کرنا۔ مثلاً: کوئی اچھی عربی کتاب کا ترجمہ کروانا یا کوئی اچھی کتاب کا چھپوانا وغیرہ۔

(۴۸)..... کسی ضرورت مند اور محتاج کے کام آنا۔

(۴۹)..... اگر کوئی کسی فن کا ماہر ملے تو اس سے اس فن کی معلومات حاصل کرنے کا حریص ہونا۔

(۵۰)..... مدرس کا کبھی کوئی بڑی کتاب کا یا تنخواہ میں اضافہ کا مطالبہ نہ کرنا اور جو کتاب مفوض کی جائے اسے خوب مطالعہ کرکے اچھی طرح طلبہ کو پڑھانا۔

مذکورہ صفات وہ ہیں جو ہم طلبہ و علما کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ یہی حضرت والا کی زندگی کا ماحصل اور خلاصہ ہے۔ ان سے محبت اور ان کے احسان چکانے کے لیے ان اوصاف کو اپنی زندگی میں جگہ دینے کی کوشش کرتے رہنا ہمارے لیے سب سے زیادہ ضروری ہے۔

اللہ رب العزت حضرت کی بال بال مغفرت فرمائے، آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، خاص طور پر آپ کے صاحبزادوں اور تلامذہ کو ان میں ''مولانا اسماعیل صاحب'' جنھوں نے اپنے والد کی خدمت کا حق ادا کر دیا اور ''والد محترم حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی'' کو جنھوں نے اپنی شاگردی کا حق ادا کر دیا اور ہم سب کو حضرت نور اللہ مرقدہ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

ختم شد بروز جمعہ بتاریخ ۲۰/ جولائی ۲۰۱۸ء بوقت ۱۱:۲۷ صبح

صراحی روتی اٹھی جام اشک بار اٹھا
پھر آج مے کدے سے ایک بادہ خوار اٹھا

بہت سی خوبیاں تھیں مرنے والے میں

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ

تعزیتی خطاب: جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

از حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری ادام اللہ فیوضہ علینا

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد لله رب العالمين ، والصلاة والسلام على سيد الانبياء والمرسلين ، سيدنا وحبيبنا وشفيعنا محمد وآله واصحابه اجمعين ، أما بعد !

فاعوذ بالله من الشيطن الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوْا اللّٰهَ عَلَيْهِ ، فَمِنْهُمْ مَنْ قَضٰى نَحْبَهُ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّنْتَظِرُ،وَمَا بَدَّلُوْا تَبْدِيْلًا﴾

تواضع وانکساری:

حضرت اقدس مولانا عبداللہ صاحب نور اللہ مرقدہ کے متعلق کیا عرض کروں؟ مجھے عموماً باتیں یاد نہیں رہتیں، بھول جاتا ہوں۔ پہلے تو میں تصحیح کرلوں، مولانا عبدالقیوم صاحب نے شروع میں حضرت سے اپنے تعلق کے قائم ہونے کی بات کہی، اِس سال حضرت رمضان گزارنے کی نیت سے یہاں (ڈابھیل) تشریف لائے تھے، یہ آپ کی بڑی تواضع اور انکساری کی بات تھی کہ ایک ایسے آدمی کے پاس سے استفادہ کی غرض سے آنا جو آپ کے شاگردوں اور تلامذہ کے طبقہ سے تعلق رکھتا ہے، اِس دور میں کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ اور اُس سال میں عمرہ میں نہیں گیا تھا، بل کہ دورانِ رمضان دوسرے عشرے میں حضرت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ کی خدمت میں دیوبند گیا تھا۔ اس وقت میں نے حضرت سے درخواست کی تھی کہ آپ اس سلسلہ کو یہاں جاری رکھیں۔

انتظامی صلاحیت؛ عظیم خوبی:

بہر حال! حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بڑی عظیم صفات سے نوازا تھا۔ سب سے بڑی خوبی آپ کی انتظامی صلاحیتیں تھیں۔ حضرت جب یہاں (ڈابھیل) سے ترکیسر تشریف لے گئے اور وہاں آپ کا تقرر ہوا تو اس وقت ترکیسر میں مسند اہتمام پر حضرت مولانا غلام محمد صاحب تھے۔

حضرت کو بہ حیثیت مدرس کے وہاں دعوت دی گئی تھی۔ کچھ مدت کے بعد وہاں کے ذمہ داروں نے یہ محسوس کیا کہ اگر ہم اہتمام اور نظامت کی ذمہ داری حضرت کے حوالہ کریں تو فائدہ ہوگا۔ ادھر حضرت مولانا غلام محمد صاحبؒ کے مزاج میں کچھ سختی بھی تھی؛ لہٰذا ذمہ داروں نے حضرت کو وہاں کا مہتمم بنایا اور اس وقت فلاح دارین کا جو درجہ اور مقام تھا، وہاں سے حضرت نے اس کو اپنی انتظامی صلاحیت سے اس مقام تک پہنچایا، جہاں آج ہم دیکھ رہے ہیں؛ بلاشبہ یہ سب حضرت کی انتظامی صلاحیتوں کا صدقہ ہے۔ حضرت نے اپنے خون سے اس دار العلوم کو سینچا ہے، مدرسین کے انتخاب کے لیے بھی بڑے بڑے سفر کیے، حضرت مولانا سید ذو الفقار صاحب نور اللہ مرقدہ کے تقرر کے سلسلہ میں مجھے خوب یاد ہے کہ دار العلوم دیوبند میں میرا پہلا سال تھا، حضرت مولانا عبد اللہ صاحبؒ تشریف لائے تھے اور ہمارے ہی کمرہ (کمرہ نمبر ۲۹) میں حضرت نے حضرت مولانا ذو الفقار صاحبؒ کو بلایا اور وہیں ان کا تقرر ہوا تھا۔ اسی طرح اور بھی حضراتِ مدرسین کے انتخاب کے لیے باقاعدہ دور دور کے اسفار کرنا اور مدرسہ کے نظم وانتظام کو بحسن وخوبی سنبھالنا حضرت کا ایک امتیازی وصف تھا۔

پورے ملک کا نظام چلا سکتے ہیں:

حضرت کے ہاں ہر چیز میں خاص اصول پر عمل کیا جاتا تھا۔ تعلیم کے معاملہ میں تو تھا ہی، اسی طرح طلبہ کی رہائش، ان کے کمروں کی نظافت اور صفائی کے سلسلے میں، آج بھی حضرت کے قائم کردہ بہت سارے اصول دار العلوم فلاح دارین میں برتے جا رہے ہیں۔ اور ان ہی اصول پر آج بھی وہ مدرسہ اپنی شان قائم کیے ہوئے ہے۔ حضرت کی اس انتظامی صلاحیت سے متعلق حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی نور اللہ مرقدہ کی زبانی میں نے دو مرتبہ یہ بات سنی کہ ”مولانا کو اللہ نے ایسی انتظامی صلاحیت عطا فرمائی ہے کہ وہ پورے ملک کا نظام بہتر سے بہتر طریقہ سے چلا سکتے ہیں، ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔“ حضرت قاری صاحبؒ حضرت مولاناؒ کی اس انتظامی صلاحیت کے بہت زیادہ قائل تھے اور اسی لیے حضرت ان سے بڑی محبت بھی فرمایا کرتے تھے۔

اِس زمانہ میں اس طرح اداروں کے نظم وانتظام کو سنبھالنا اور اس کو ترقی کی معراج تک پہنچانا معمولی چیز نہیں، بہت بڑے دل گردے کا کام ہے، اس کے لیے آدمی کو اپنا خون جلانا پڑتا اور بڑی محنت کرنی پڑتی ہے، اس کے بعد یہ چیز حاصل ہوتی ہے۔ حضرت مولانا نے واقعۃً بڑی قربانیاں دی ہیں اور ایسا نہیں کہ وہاں بیٹھے بٹھائے یہ سب چیزیں حاصل ہوگئیں؛ حضرت نے بڑی تکالیف اور مشقتیں برداشت کی ہیں۔ اس راستہ میں حضراتِ منتظمین کو جو مسائل درپیش ہوتے اور جو مخالفتیں ہوتی ہیں وہ تمام حضرت کو برداشت کرنی پڑیں ہیں۔

اور مولانا مان گئے:

ایک موقعہ پر ہمارے حضرت مفتی محمود حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کا ڈابھیل میں آٹھ-دس روز کا قیام تھا اور اسی قیام کے دوران جیسا کہ حضرت کا معمول تھا دیگر مدارس (راندیر، ترکیسر بھروچ وغیرہ) میں تشریف لے گئے؛ اسی زمانہ میں ترکیسر میں کچھ ایسے حالات پیش آئے تھے کہ حضرت مولانا عبد اللہ صاحبؒ نے استعفا دے دیا تھا۔ وہ استعفا قبول نہیں کیا گیا، لیکن مولانا نے یہ طے کیا کہ میں یہاں سے نکل جاؤں گا؛ چناں چہ ہم ترکیسر گئے اور وہاں حضرت نے مولانا کو تنہائی میں بلا کر حالات سنے اور ایک جملہ کہا۔ حضرت مولانا عبد اللہ صاحبؒ اپنے خاص لوگوں کے سامنے بار بار اس جملے کو دہرایا کرتے تھے، بڑا عجیب جملہ تھا فرمایا کہ ”مولوی صاحب! ہمارے بزرگوں نے بڑی قربانیوں سے اور بڑی تکلیفیں اٹھا کر یہ ادارے قائم کیے ہیں۔ کیا ہماری قسمت میں ان کا اجاڑنا ہی تھا؟“ اس جملے کے بعد حضرت مولانا نے سارے حالات کے باوجود اپنا ارادہ ختم کر دیا۔

اس واقعہ کو سنانے کا مقصد یہ ہے کہ یہ حضرات ایسی قربانیاں دے کر ان اداروں کو بابِ علو تک پہنچاتے ہیں، ان کے متعلق لوگ غلط فہمی میں مبتلا رہتے ہیں کہ مسند پر بیٹھے بیٹھے انہوں نے آرام سے کام کیا ہوگا، نہیں! وہ کیسی کیسی قربانیاں دیتے ہیں ان کا دل جانتا ہے۔ بہر حال حضرت مولانا نور اللہ مرقدہ کو اللہ تعالیٰ نے جو خوبیاں عطا فرمائی تھیں، ان میں سب سے نمایاں خوبی اعلیٰ درجے کی انتظامی صلاحیت تھی۔ اس سلسلہ میں حضرت اہل مدارس کو مشورہ بھی دیا کرتے تھے اور اسی درد کا نتیجہ تھا کہ فلاح دارین سے براہِ راست تعلق ختم ہونے کو آج سالہا سال ہو جانے کے باوجود حضرت کا مزاج یہ تھا کہ از راہِ خیر خواہی تمام مدارس کے اہلِ علم کے روبرو مختلف مواقع پر اپنے دردِ دل کو بڑے سوز کے ساتھ پیش کیا کرتے تھے، آج ایسا شخص ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔ واقعہ یہ ہے کہ حضرت کے جانے سے اس نوع (مدارس کے حالات کا درد اور کڑھن) کا بھی ایک بڑا خلا واقع ہوا ہے، ایسے افراد دنیا میں بہت کم ہوا کرتے ہیں۔

آج کچھ درد میرے دل میں سوا ہوتا ہے:

حضرت کے دل میں عجیب وغریب کڑھن تھی۔ آج سے ایک سال یا دو سال قبل کھر وڈ میں سب کو بلایا تھا، میں سوچتا تھا کہ حضرت نے کیوں بلایا ہے؟ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ حضرت کو صرف اہل علم کا غم تھا، حضرت کی عادت شریفہ تھی کہ جب بھی کوئی نئی کتاب آتی تو اہل علم کو اس سے آگاہ کرتے؛ اگر اس کے نسخے زیادہ ہوتے تو اہل علم کی خدمت میں بھجواتے کہ آپ اس کا مطالعہ کیجیے؛ لیکن آج ہمارے مدارس اور اہل علم کے طبقے پر جو سرد مہری چھائی ہوئی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ حضرت کی اتنی عنایتوں اور شفقتوں کے باوجود ؛جن کے پاس کتابیں بھیجی جاتی تھیں، وہ پڑھتے تو کیا؟ یہ اطلاع بھی نہیں دیتے تھے کہ آپ کی فلاں کتاب ملی۔ حضرت کو اس کا بڑا درد تھا، چناں چہ اسی درد کے اظہار کے لیے حضرت نے کھر وڈ میں گجرات کے تمام مدارس کے علما کو جمع کیا اور ان کے سامنے اپنے درد کا اظہار کیا۔

کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے:

واقعہ یہ ہے کہ اس علمی انحطاط کے زمانہ میں انحطاط کے اسباب کو پرکھنا اور اس کو دور کرنے کی کوشش کرنا، معمولی بات نہیں ہے۔ ورنہ ایسے مواقع پر آدمی ناامید اور مایوس ہو کر کہہ دیتا ہے کہ جاویں جہنم میں مجھے کیا ہے؟ لیکن نہیں! صاحبزادہ مولانا اسماعیل صاحب اور ان کے بھائی حافظ قاسم سنا رہے تھے کہ ایسی بیماری اور سخت تکلیف جو اُن کے لیے ناقابل برداشت تھی، اس کے باوجود اخیر تک یہ فکر تھا کہ فلاں مدرسہ میں فون کر کے پوچھو کہ تعلیم شروع ہوئی یا نہیں؟ فلاں جگہ فون کر کے پوچھو کہ تعلیم شروع ہوئی یا نہیں؟ ایسی بیماری میں جو تکلیف ہوتی ہے، وہ تصور سے باہر ہے۔ حضرت ایسی تکلیف میں بھی کبھی یہاں اور کبھی وہاں بے چینی میں وقت گزارتے اور گھر والوں سے کہتے تھے کہ یہاں لے جاؤ، وہاں لے جاؤ! بہر حال میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ ایسی حالت میں بھی مدارس پر نگاہ رکھنا اور ان کا خیال رکھنا کوئی معمولی بات نہیں ہے۔ یہ اسی آدمی کا کام ہو سکتا ہے جس کے دل میں یہ چیز سمائی ہوئی ہو۔ آج ہم لوگوں کی ایک ایسے سرپرست، محسن اور مشفق سے محرومی ہوئی ہے جو ان صفات کا مالک تھا۔ پتہ نہیں آئندہ ایسے لوگ میسر ہوتے ہیں یا نہیں..............؟؟

مع المحبرة إلى المقبرة :

بہر حال حضرت کی خوبیوں میں سے ایک خوبی کتاب کا شوق ہے۔ بعض حضرات انتظامی امور میں اعلیٰ درجے پر ہوتے ہیں، لیکن ان کا علمی و کتابی مطالعہ کا ذوق اتنا بلند نہیں ہوتا؛ لیکن حضرت کے اندر علمی ذوق بھی بڑا عجیب وغریب تھا، آپ کے پاس کوئی کتاب آئے اور آپ اس کا مطالعہ نہ کریں، یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ اور مطالعہ کرنے کے بعد اس میں کوئی خوبی کی چیز نظر آتی، تو جو بھی اہل علم آپ کی ملاقات کے لیے جاتے، ان کے سامنے اس کتاب کی خوبی، اس میں فلاں مضمون اور فلاں موضوع پر بہت بہترین بات، ان تمام چیزوں کا تذکرہ فرماتے؛ گویا اس طرح ان کی رہ نمائی کرتے تھے۔ یہ آپ کا خاص مزاج تھا، بل کہ اخیر زمانے میں تو بہت سی کتابیں آپ نے اپنی جیبِ خاص سے منگوا کر اہل علم کی خدمت میں پیش کی اور اس سے بڑی کیا بات ہوگی کہ اپنا پورا کتب خانہ وقف کر دیا۔

کسی بھی بڑے اور بالخصوص وہ عالم جس کا مزاج علمی ہو، اس کو اپنے کتب خانہ اور کتابوں سے جو محبت ہوتی ہے وہ کوئی دوسرا نہیں سمجھ سکتا۔ وہ تو اس کتاب کا ایک ورق بھی کہیں جائے اس کو گوارا نہیں کر سکتا، لیکن آپ نے اپنے پورے کتب خانہ کو اہل علم کے لیے وقف کر دیا کہ سب لوگ آ کر اس سے فائدہ اٹھائیں۔ کھروڈ میں مستقل عمارت بنوائی اور اپنی ساری کتابیں وہاں بھجوائیں، یہ بھی آپ کا بہت بڑا کارنامہ ہے۔

کم یاب خوبی:

آپ کی ایک خوبی ہر ایک کی خبر گیری کرنا تھی، کسی کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ بیمار ہے یا اس کو کچھ حالات پیش آئے ہیں تو جب تک اس کے متعلق اطمینان نہ ہو جائے اور وہ بیماری سے شفایاب نہ ہو جائے تب تک برابر اس کے ساتھ تعلق رکھتے تھے۔ پوچھا کرتے تھے کیا ہوا؟ کیسے ہوا؟ اور اس سلسلے میں اپنی طرف سے جو تعاون کر سکتے، اس میں ذرہ برابر آپ کی طرف سے کمی اور کوتاہی نہیں ہوا کرتی تھی۔ یہ بھی آپ کی ایک ایسی خوبی تھی جو آج کل بہت کم پائی جاتی ہے۔

سب ہی میرے ہیں:

اس زمانے کے اعتبار سے سب سے بڑی خوبی "عدم تعصب" تھی۔ یہ تعصب کا زمانہ ہے، لوگ اس کو اپنی خوبی سمجھتے ہیں۔ میں اگر یہاں جامعہ ڈابھیل کی مسجد میں بیٹھ کر کسی دوسرے مدرسہ کی خوبی بیان کروں تو یہاں بیٹھنے والا بڑا طبقہ اس کو گوارا نہیں کرے گا، لوگ کہیں گے کہ تجھے یہاں جامعہ ڈابھیل کی مسجد میں بیٹھ کر اس

مدرسہ کی تعریف کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی؟ ایک ایسا مزاج بنتا جارہا ہے، مدارس میں آپس میں تعصب اور تصوف کے سلسلوں میں آپس میں تعصب، ایک سلسلہ کے شیخ کے مختلف مجازین اور خلفا میں آپس میں تعصب ہے، بل کہ ہر چیز میں تعصب اور جو جتنا زیادہ اس تعصب کا اظہار کرے وہ بعض لوگوں کے نزدیک اتنا ہی زیادہ اچھا اور معتبر سمجھا جاتا ہے اور جو اپنے آپ کو اس سے دور رکھے، وہ سب کی نگاہوں میں معیوب رہتا ہے۔

تو ہی ناداں......:

ہمارے حضرتؒ کے مزاج کو میں نے دیکھا، آپ فرمایا کرتے تھے کہ اختلافات تو ہوتے ہی رہتے ہیں، لیکن اختلافات کے موقع پر؛ جس سے اختلاف ہو اس کی خوبی کا اقرار اور تصدیق ہونی چاہیے کہ فلاں کے اندر یہ خوبی ہے اور فلاں کے اندر یہ خوبی ہے۔ ہمارے مفتی صاحبؒ ہمیشہ شکایت کرتے تھے کہ آج یہ زمانہ آ گیا کہ آپس کے اختلافات کی وجہ سے سامنے والے کی خوبیوں کا انکار کیا جاتا ہے، بل کہ اس پر الزامات اور تہمتیں لگائی جاتی ہیں اور حضرت ایسی چیزوں کو پسند نہیں کرتے تھے اور ایسے تعصب کو کسی حال میں روا نہیں رکھتے تھے۔ دارالعلوم میں اختلاف ہوا تو دارالعلوم کے دو حصے ہوئے، مظاہر علوم کے دو حصے ہوئے۔ میں جب حضرت کی خدمت میں دیوبند جاتا تھا تو میری عادت تھی کہ وہاں کے قیام کے دوران کہیں بھی جانا ہوتو حضرت کی اجازت لے کر جایا کرتا تھا۔ مجھے قبرستان قاسمی جانا ہوتا، تو حضرت سے اجازت لے لیتا تھا کہ حضرت آج میں قبرستان جاؤں گا، پھر میرے اساتذہ اور وہاں کے بڑوں کی ملاقات کرنی ہوتی تو اجازت لے لیتا کہ میں آج وہاں جاؤں گا، تو حضرت مجھے تاکید فرماتے تھے کہ مولانا سالم صاحبؒ کی ملاقات کرلینا اور واپس آنے پر پوچھتے بھی تھے کہ ملاقات کی یا نہیں؟ اگر دیوبند میں پانچ چھ روز کا قیام ہوتا تو ایک دن کے لیے سہارن پور جاتا تھا، جب سہارن پور سے واپس آتا تو حضرت مجھ سے پوچھتے کہ حضرت مفتی مظفر حسین صاحب نور اللہ مرقدہ سے ملاقات کی یا نہیں؟ تو میں کہتا کہ جی کر کے آیا، تو خوش ہوتے تھے۔ بہر حال! یہ ہمارے حضرت کا خاص مزاج تھا۔ آج کل یہ عصبیت جو اہل علم کے طبقے میں جڑ پکڑ چکی ہے اور جس نے ان کے افادات کے سلسلہ کو متاثر کردیا ہے، بہت خطرناک چیز ہے۔ الحمدللہ! حضرت مولاناؒ کی خوبیوں میں سے ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ کے مزاج میں ذرہ برابر بھی تعصب نہیں تھا، ہر ایک کے ساتھ بڑی فراخ دلی اور وسعت ظرفی کے ساتھ پیش آتے تھے۔ کسی بھی ادارے سے تعلق رکھنے والا ہو، ڈابھیل، راندیر، کنتھاریہ، کہیں کا بھی ہو، آپ کے وہاں کوئی تفریق نہیں تھی؛ ہر ایک کے ساتھ بڑی گرم جوشی اور محبت و شفقت سے پیش آتے تھے اور یہ وہ چیز ہے جو علم اور اہل علم کو آپس میں جوڑتی ہے۔

علم ایک وحدت ہے:

بھائی! علم تو ایک وحدت ہے۔ ایک یونٹ (Unit) ہے۔ ہم ڈابھیل میں ہیں، کوئی راندیر میں، کوئی ترکیسر میں، کوئی کنتھاریہ میں، تو اس کی وجہ سے یہ وحدت ختم نہیں ہوتی۔ چیز ایک ہی ہے، جیسے نور ہوتا ہے، چار چراغ جلاؤ، دس چراغ جلاؤ، تو آپ کو فضا میں ان چار یا دس چراغوں کی روشنی میں کوئی فرق نہیں نظر نہیں آئے گا، پوری فضا روشن ہوگی۔ کوئی آدمی یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ روشنی خاص فلاں چراغ کی وجہ سے ہے نہیں! ہمارے اہل علم کا معاملہ بھی اسی طرح ہونا چاہیے۔

کلمات تعزیت اور دعاؤں کی سوغات:

بہر حال! آپ کی خوبیاں، آپ پر لکھنے والے ان شاء اللہ لکھیں گے۔ میں نے تو وقتی طور پر ذہن میں جو دو چار باتیں آئیں، وہ عرض کی ہیں۔ ان سب کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم بھی ان سب خوبیوں کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت کی وفات سے ہمارے گجرات اور پورے ہندوستان؛ بل کہ پورے عالم میں جو خلا پیدا ہوا ہے، اپنے فضل سے اس کو پر فرمائے اور حضرت نے اپنی زندگی میں اہل علم اور اہل مدارس کے ساتھ جو محبت اور شفقت کے معاملات کیے، اللہ تبارک وتعالیٰ اس کا بہترین بدلہ آخرت میں عطا فرمائے۔ کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور آپ کی حقیقی خوبیاں تو اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے اور وہی آپؒ کے خاندان کے جو افراد یہاں موجود ہیں، آپ کے صاحبزادے، پوتے، ہم ان کے پورے خاندان تک تسلی کے الفاظ پہنچاتے ہیں۔ واقعتہً اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ خوبیاں بہ درجہ اتم عطا فرمائی تھیں۔ آپ لوگ بڑے سعادت مند ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسا باپ اور دادا نصیب فرمایا۔ اور آپ کے جانے سے جو کچھ بھی کمی آئی، اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے اس کو پوری فرمائے۔ دل سے دعا کریں اور آج جو کچھ ابھی پڑھا ہے اس کا ثواب بھی حضرتؒ کی روح کو پہنچا دیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اسی راہ پر پورے اخلاص اور استقامت کے ساتھ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

شہ سوارِ تعبیرات کے تعبیری جواہر پارے

یعنی:...... مفکرِ ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ کی ادیبانہ شان

مولانا عبدالرحیم فلاحی

استاذِ تفسیر وحدیث جامعہ اکل کوا

اللہ تعالیٰ نے اپنے مضبوط و مستحکم نظام کے تحت ہر فرد بشر خواہ نبی ہو یا غیر نبی، اہل علم ہو یا غیر اہل علم، شاہ ہو یا گدا، تاجر ہو یا غیر تاجر، معالج ہو یا مریض، شہری ہو یا دیہاتی ہر ایک کو اس کے معیار پر ایک خاص صلاحیت بخشی ہے، جسے ناطقانہ صلاحیت، تکلم و تعبیر اور نطق و گفتار کی صلاحیت سے تعبیر کیا جاتا ہے؛ یہ صلاحیت ہر انسان کے لیے انفرادی خاصہ اور امتیازی خصوصیت ہے۔ انسان اپنے مافی الضمیر کو بہتر سے بہتر انداز میں تعبیر کرنے کی صلاحیت ہی کی وجہ سے "حیوانِ ناطق" کہلاتا ہے۔ تاہم حسنِ تعبیر کی یہ نعمت علاقہ وخطہ کے اعتبار سے اور کمیت وکیفیت کے زاویے سے مختلف ہوتی ہے، کوئی اس میں محنت شاقہ، جہد مسلسل اور مساعی جمیلہ کے ساتھ وابستہ رہتا ہے تو خواہ وہ ناخواندہ و پسماندہ علاقہ کا گم نام فرد ہو تعبیری دنیا کا آفتاب و ماہتاب بن کر ابھرتا ہے اور کبھی کبھی خطہ ادبا کا فرد اپنی غفلت وکوتاہی کے سبب، حسنِ تعبیر و حسن اداء کی دولت سے یکسر محروم رہتا ہے۔

ہمارے حضرت مفکرِ قوم وملتؒ باوجود اس کے کہ علاقۂ گجرات بلکہ وسطِ گجرات مابین البحرین (دریائے نرمدا و تاپتی) سے تعلق رکھتے ہیں، جو فطری طور پر حسن ادا کی خوبیوں سے محروم اور حسن ادب کی لطافت و نزاکت اور تعبیری بانکپن میں کوئی خاص درک نہیں رکھتا بلکہ 'ت' کی جگہ 'ٹ' اور 'د' کی جگہ 'ڈ' کے تلفظ میں اس خطہ کو ایک شناخت حاصل ہے۔ ایسے میں برما کی سرزمین پر ۱۹۳۳ء میں آنکھیں کھولنے والے ہمارے حضرت نے ۱۹۴۴ء میں کاپودرا جیسی گمنام بستی کو شرفِ قدوم بخشا اور پھر اسے اپنے حسن کلام و حسن انتظام، حسن اخلاق اور حسن سلوک کے ذریعہ "گلشن کاپودرا" بنا دیا تھا؛ وہاں ابتدائی سرکاری اور مکتبی تعلیم سے فراغت کے بعد جامعہ ڈابھیل میں ابتدائی عربی پڑھتے پڑھتے دارالعلوم دیوبند پہنچے اور وہاں اکابرین مشائخ سے کسبِ فیض کیا لیکن سوئے قسمتی کہ کچھ دنوں کے لیے تعلیمی سلسلہ انقطاع ہو گیا۔

پھر دوبارہ جامعہ ڈابھیل میں داخلہ لے کر وہیں سے فراغت حاصل کی فراغت کے بعد مجلس خدام الدین سے منسلک رہ کر دین کی خدمت کی اور کبھی اتالیق ابناء گارڈی تو کبھی جامعہ ڈابھیل کے استاذ عربی اور معاون مہتمم بن کر کبھی جامعہ فلاح دارین کے مدیر سے لے کر مہتمم بل کہ منصب ریاست پر جلوہ افروز ہو کر تو کبھی ریاست و امارت سے منقطع ہو کر سرپرست اور نگران اعلیٰ اور مشیر اعزازی اور رکن شوریٰ کے اعزاز پر پہنچ کر اپنی حیات مستعار کو خیر الناس من ینفع الناس کا عکسِ جمیل بنا کر اور اپنے اخلاف کے لیے اسوہ بن کر دنیا سے ایسے تشریف لے جاتے ہیں کہ حضرت مرحوم کی حیات بافیض کے جس گوشہ کو اٹھایا جائے ہر گوشہ عبرت خیزی اور سبق آموزی سے مملو نظر آتا ہے۔

اس ناچیز کو اپنے بزرگوں کی زندگی اور اداؤں سے محبت کی بنا پر اس کا شوق ہے (اور خدا کرے کہ یہ شوق تا دم حیات باقی رہے) کہ ان کی ادائے دل نواز کو پڑھ پڑھ اور دیکھ دیکھ کر، حتی المقدور ان کو اخذ کرنے کی کوشش بل کہ تبلیغ بھی کروں۔

زبان وقلم اور تعبیرات پر مہارت:

ہمارے حضرت رئیس کے مزاج عالی میں بڑا حسن اخلاق و حسن انتظام تھا، بروقت ہر کام ہر لمحہ ہر پل فعال، مشغول رہو اور مشغول رکھو، کام کرو اور کام کے بناؤ، بل کہ ''چوں شمع از پے علم باید گداخت'' کا عملی نمونہ اور ''بے علم نہ تواں خدا را شناخت'' کا حقیقی مبلغ، تمام پہلوؤں سے آپ آراستہ تھے۔ اللہ نے ہر قسم کی خوبیوں کے ساتھ ساتھ تحریر و تقریر کی دودھاری تلوار اور خشک اور عام مضمون کو حسنِ تعبیر کی ادائے دل نواز سے ایسا وافر حصہ عطا فرمایا تھا کہ آپ کے حسنِ تعبیر کے سامنے بڑے بڑے اُدبا گھٹنے ٹیکنے پر مجبور؛ بل کہ آپ کی حسنِ تعبیر پر فدا ہو جاتے۔ آپ عام گفتگو کر رہے ہوں یا خطیبانہ شان سے خطاب فرما رہے ہوں، انتظامی گتھیوں کو سلجھا رہے ہوں یا تعزیتی تجاویز پیش فرما رہے ہوں، طلبہ میں تربیتی گفتگو یا علما میں علمی مذاکرہ فرما رہے ہوں، دانشوروں کے درمیان دانشمندانہ موضوع چھیڑے ہوئے ہوں یا مقالات و مضامین کی شکل میں نثر نگاری فرما رہے ہوں، اپنے بڑوں کے حسین تذکروں پر قلم چلا رہے ہوں یا دیوانِ امام شافعیؒ کے مترجم بن کر ترجمہ نگاری پر فن کاری فرما رہے ہوں، علامہ بدر الدین عینیؒ کا علم حدیث میں مقام؛ کو آشکارا فرما رہے ہوں یا علامہ یوسف بنوریؒ کی محدثانہ شان کو اجاگر کر رہے ہوں، رشد و ہدایت کے میناروں کو چمکا رہے ہوں یا افکارِ پریشاں کو ایک لڑی میں پرو رہے ہوں، نیز عربی میں ہو یا غیر عربی (اردو اور گجراتی) میں، ہر موقع پر حسن تعبیر کے جوہر سے دل کو موہ لینے والی تعبیرات کو کبھی اپنے سے جدا نہ کیا بل کہ یہ ذوقِ ادبیانہ عمر و سن کی ترقی کے ساتھ ہمیشہ ترقی ہی کرتا رہا۔

چوں کہ سردست حضرت مرحوم جیسی شش جہات شخصیت کا ہر جہت سے تعارف کرانا مقصود نہیں ہے، بل کہ آپ کی بلیغانہ وفصیحانہ تعبیرات، جو آپ کے خطابات ومجالس اور مقالات ومضامین میں پنہاں ہیں۔ان ہی کو میں نے موضوع بنایا ہے تاکہ ادبی اور تعبیراتی ذوق رکھنے والے افراد کے لیے سامانِ تسکین بھی ہو اور سامانِ عبرت بھی۔اور ہم طلبہ بھی اسی نقشِ قدم پر عمل پیرا ہوں، آپ کی تعبیرات کے حسن کا جائزہ لینے کے لیے تو دفتر کے دفتر درکار ہیں، جو آپ کی تصنیفات وخطابات کی شکل میں موجود ہیں، تاہم ''مشتے نمونہ از خروارے'' کے طور پر چند تعبیرات قارئین کے نظر نواز کی جارہی ہیں۔

انتظامی حسن تعبیرات کے نمونے:

(۱)...... ایک مرتبہ ایک ادارے میں بطور ہدیہ ایک کتاب روانہ فرمائی، لیکن ادارے کے مسئول کی طرف سے نہ کتاب کی دستیابی کی اطلاع آئی نہ کسی قسم کی شکر گزاری، تو اس پر آپ نے بذاتِ خود بذریعہ فون رابطہ کر کے دریافت کیا کہ:

''بروز جمعہ آپ کے ادارے کے ایک مدرس کی معرفت ادارے کے لیے ایک کتاب روانہ کی تھی؛ شاید آپ کو دستیاب ہوگئی ہوگی۔ہوسکتا ہے کہ آپ اپنے کثرتِ مشاغل اور مصروفیت کی وجہ سے اطلاع نہ کرپائے ہوں تو میں نے سوچا کہ میں ہی آپ کی خیر خبر لے لوں''

دیکھیے کتنے لطیف انداز میں کتاب کی رسید نہ ملنے پر تنبیہ کی۔

(۲)...... ایک مرتبہ ایک دسترخوان پر کھانا تناول فرمارہے تھے، کھانے میں نمک کم تھا اب یہ ظاہر کرنا کہ ہمیں نمک کی ضرورت ہے یا کھانے میں نمک نہیں یا کم ہے، یہ تعبیر بھی خانہ جنگی کا باعث بن سکتی ہے، تو نہایت محتاط انداز میں ارشاد فرمایا کہ

''ہم لوگ کھانے میں نمک کچھ زیادہ ہی استعمال کرتے ہیں''

اس انوکھی تعبیر نے نمک کی ضرورت بھی پوری کردی، اور خانہ جنگی سے حفاظت بھی اور ساتھ ساتھ تعبیری کشش بھی اپنی جگہ برقرار۔

(۳)..... اسی طرح ایک مرتبہ ایک ایسے علاقہ میں تشریف لے گئے، جس علاقہ میں مرچ کا استعمال بے رحمی سے (بہت زیادہ) ہوتا ہے۔ دستر خوان لگایا گیا، کثرتِ مرچ نے اپنا جلوہ دکھانا شروع کیا، لیموں کی ترشی سے ہی اس کا ازالہ کیا جا سکتا ہے، تو دیکھیے اس حسنِ تعبیر کے بے تاج بادشاہ نے کس حسنِ اسلوبی سے اپنی اس ضرورت کا احساس میزبان کو دلایا، جس کی وجہ سے بات کی بات بھی ہوگئی اور ضرورت کی تکمیل بھی۔ فرمانے لگے:

''اصل میں ہم لوگ ایسے علاقہ کے باشندے ہیں جہاں مرچ کا استعمال کم ہی ہوتا ہے، اگر لیموں موجود ہو تو یہ تلخی، ترشی میں تبدیل ہو جائے گی''۔

(۴)..... آپ کے دورِ اہتمام کا طرۂ امتیاز یہ رہا کہ آپ حضر میں ہوتے ہوئے کبھی بھی فجر اور عصر کی نماز مسجد فلاح دارین کے علاوہ کسی اور جگہ ادا نہ فرماتے اور مطبخ میں پابندی سے دوپہر اور شام کے کھانے پر بہ نفسِ نفیس حاضر ہو کر وقتی تعبیری الفاظ و آداب سے طلبہ کو متنبہ فرماتے، مثلاً: کھانوں میں چاول مختلف پکوان کے لیے ہوتا ہے، طلبہ سے فرماتے کہ:

''کھچڑی، دھان وغیرہ کی بجائے چاول ہی کا لفظ استعمال کرو''

''اور کڑھی، دال، مونگ گوشت وغیرہ کے لیے صرف ''سالن'' کے عمومی لفظ کے استعمال پر اتنا زور دیتے کہ ہر نیا طالب علم، قدیم طلبا سے اس تعبیر کو بہ آسانی اخذ کر لیتا''۔

(۵)..... اگر کوئی استاذ اپنے وقتِ مقررہ پر درس گاہ نہ پہنچتا، تو کسی طرح اپنے گشت کے دوران درس گاہ پہنچ کر مصروفِ درس ہو جاتے اور استاذ کے تاخیر سے آنے پر صرف اتنا فرماتے کہ:

''شاید آپ کسی ضروری کام میں مصروف ہیں، میں طلبا کے ساتھ کچھ دیر گپ شپ کر لوں؛ تاکہ طلبا انتظار کی زحمت سے بچ جائیں''۔

یہ تو وہ لفظی اور وقتی اور انتظامی تعبیرات ہیں جو گویا آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھیں اور الفاظ، سانچے میں ڈھل ڈھل کر ادبی جواہر پارے بن رہے تھے؛ لیکن آپ کی حسنِ تعبیر کا اصل رنگ تو آپ کے مضامین ومقالات میں ایسے اوراتے ہیں کہ آپ کی ایک تعبیر پر دل بلیوں اچھلنے لگتا ہے، چناں چہ'' آپ کا حسنِ تعبیر، مقالات ومضامین میں'' کے عنوان سے چند تعبیرات پیش خدمت ہیں۔

آپ کا حسن تعبیر، مقالات و مضامین میں:

(۱)..... آپ نے ایک بہت ہی مفید کتاب بنام "رشد و ہدایت کے مینار" ترتیب دی، جس میں ان عبقری شخصیات کا ذکرِ جمیل ہے، جن سے حضرتِ مرحوم نے تلمیذانہ یا مریدانہ یا کسی کے آستانہ پر پہنچ کر کسی طرح کا کوئی کسب فیض کیا ہے۔ اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے کہ افادیت اور شخصیت کی تعمیر میں کن کن مراحل سے گذرنا پڑتا ہے، اس کو حضرت علامؒ نے کس حسن اسلوبی سے تعبیر فرمایا ہے، ملاحظہ کریں:

"یہ علماء کرام کا مختصر تذکرہ میں نے اسی غرض سے تحریر کیا ہے تاکہ قارئین کو اندازہ ہو کہ جب تک آدمی صد با اہلِ علم سے ملاقات نہ کرے اور ان سے مستفید نہ ہو؛ وہاں تک اس کے سامنے علمی آفاق روشن نہیں ہوتے اور نہ اسے بلوغ ہو پاتا ہے"۔ (ص: ۱۷)

(۲)..... اسی طرح محسنین کی احسان شناسی اور شکر گزاری کا جذبہ پوری طرح اللہ نے ودیعت فرمایا تھا، مگر یہ جذبہ تملق اور چاپلوسی سے بالکل خالی اور عاری ہوتا تھا؛ چناں چہ اپنے ایک ایسے محسن جن کا حسنِ تعاون کئی کتابوں کی طباعت کے سلسلے میں ہوا ان کی شکر گزاری کے الفاظ کتنے حسین پیرایہ میں استعمال فرمایا ہے، جس میں تعاون حالی اور ماضی دونوں کی شکر گزاری ہے، ملاحظہ فرمائیں:

"نیز بہت ہی شکر گزار ہوں جناب حاجی شبیر احمد لولات صاحب کاپودروی زیدہ مجدہم مقیم حال زامبیا کا کہ جنہوں نے اپنی قدیم روایت کے مطابق اس کتاب کی طباعت میں بھی اپنا قیمتی تعاون پیش فرمایا۔ **فجزاھم اللہ احسن الجزاء**"

(۳)..... اپنے مکتبِ اول کے استاذ (جن کو آدمی بلندیوں پر پہنچنے کے بعد بالکل فراموش کر دیتا ہے) کا ذکرِ جمیل کتنے حسین پیرایہ میں فرماتے ہیں۔ آپ رقم طراز ہیں کہ:

"میرے سب سے پہلے استاذ اور مربی جناب حافظ ابراہیم بن اسماعیل صاحب ملا ساکن عمر واڑہ جن کی شفقتوں نے میرے لیے قرآن مجید اور دینی تعلیم کے حصول کو آسان بنادیا"

کاش ان کی روح تک یہ حسین احسان شناسی سے لبریز تعبیر، رسائی کر پاتی تو ان کی روح اپنے اس باوفا شاگرد کی، دارین کی ترقی کے لیے مزید مچلتی۔

(۴)..... نیز اپنے اس معلم اول کی اصول پسندی، باز پرسی حتی کہ گوش مالی کی منظر کشی بھی کرتے ہیں، ایک ہلکی سی جھلک ملاحظہ فرمائیں:

”گاؤں میں ہر شخص ان کو عزت کی نظر سے دیکھتا تھا باوجود خوش خلقی کے، بچوں پر رعب کا یہ حال تھا کہ حافظ صاحب کے مسجد جانے یا آنے کے وقت محلے میں کھیلنے کی ہمت نہیں ہو سکتی تھی، اگر کسی کو نازیبا حرکت کرتے دیکھ لیتے تو گوش مالی فرماتے، سبق یاد نہ ہونے پر سزا بھی ہوتی تھی“۔

”کسی مکتب کے استاذ کا اہلِ قریہ سے تعلق مفاد پرستی کا نہ ہو تو وہ ہر دل عزیز بن سکتا ہے۔ مکتب کے بچوں کی تربیت کا ذوق ہو تو بچے محبت بھرا سلوک بل کہ عزت بھرا سلوک کرتے ہیں اور جب مخلص استاذ، بے غرض کسی کی اولاد کے ساتھ تادیبی کارروائی کرتا ہے تو ان کے والدین شکوہ شکایت کے بجائے شاکرانہ معاملہ فرماتے ہیں“۔

(۵)..... جامعہ ڈابھیل کے درجۂ فارسی کے ایک استاذ محترم کی مدتِ تدریس اور غیر ملکی سفر کی عکاسی جس جامع پیرایہ میں فرمائی یہ آپ ہی کا امتیاز اور خصوصیت ہے، فرماتے ہیں:

”موصوف کا زمانہ تدریس مختصر رہا، ڈابھیل کے بعد جزائر غرب الہند کے جزیرۂ بار بادوز تشریف لے گئے اور دینی خدمات تا حیات انجام دیتے رہے؛ بار بادوز میں انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئے رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ“

ذرا مذکورہ حسنِ تعبیر کو عبرت آمیز نگاہ سے مطالعہ کرتے ہوئے ملاحظہ فرمائیں کہ استاذ محترم کی ایک سالہ مدتِ تدریس کو ذکر کرنے کے بجائے لفظ مختصر سے تعبیر فرمایا۔ بار بادوز جس کو عام طور پر ایک ملک یا کنٹری سے تعبیر کیا جاتا ہے اس کو جزیرۂ غرب الہند سے تعبیر فرمایا۔ دینی خدمات تا آخر حیات انجام دیتے رہے سے، تعبیر فرما کر ان کے حسنِ خاتمہ کا بھی اشارہ فرما دیا جو کامیاب زندگی کا لب لباب ہے۔

(۶)..... اپنے ایک محسن اور بافیض استاذ حضرت مولانا عبد الحی بسم اللہ ڈابھیلی سے موسوم، فارسی دوم کے ضابطہ کے استاذ لیکن اردو فارسی کا ادبی ذوق اور مطالعۂ کتب کا شوق دلانے، آدابِ مجلس کے گر سکھانے والے، بل کہ ”الفاروق، سیرت عمر بن عبد العزیز“ کے مطالعہ کی ترغیب دینے والے اور اخلاق محسنی اور یوسف زلیخا کے رابطہ کے با اخلاق استاذ کی صلاحیت، صالحیت، قابلیت اور غربت کا نقشہ، ایسے دل آویز انداز میں کھینچا کہ کوئی فنی اور ذوقی ادیب اس کی لطافت سے لطف اندوز ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تحریر فرماتے ہیں کہ:

”موصوف بزرگوں سے خط و کتابت اور تجاویز مرتب کرنے کا ڈھنگ بھی سکھلاتے رہے، مہمان نوازی گھٹی میں پڑی تھی، کشادہ دست نہیں تھے، مگر کبھی شکوہ شکایت یا اظہارِ غم کرتے نہیں دیکھا، بندے کو اپنے فرزندوں میں شمار کرتے“

اس پیراگراف کو مکرر سہ کرر پڑھیے، کہ فارسی کے استاذ سے حاصل کیے کمالات کو کس خوش اسلوبی سے تعبیر کرتے ہیں، نیز کشادہ دست نہیں تھے، کی لطیف تعبیر پر سر دھنیے کیا کوئی صاحبِ ذوق ادیب استاذ کی غربتِ مالی کو اس حسین پیرایہ میں پیش کرتا ہے؟

(۷)..... حضرت مفکر ملت رحمۃ اللہ علیہ نے علاوہ ان بزرگوں کے مولانا محمد پانڈور صاحب سملکیؒ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا عبدالروف صاحب پشاوریؒ، حضرت مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ معروفیؒ، حضرت قاری بندہ الٰہی صاحبؒ اور قاری محمد حسن صاحب امروہویؒ جیسی شخصیات سے متوسطات سے لے کر علیا تک کی کتابیں پڑھیں اور اپنی تشنہ لبی کو دور کرتے ہوئے دامن مراد کو گوہر مقصود سے لبریز کرتے رہے؛ اسی زمانۂ طالب علمی یعنی ڈابھیل کے قیام کے زمانہ میں یادگار علامہ کشمیریؒ بل کہ علوم انور شاہؒ کے امین وناشر، حضرت علامہ بنوریؒ جو محدثانہ شان رکھنے کے علاوہ فصیح عربی زبان بولنے اور لکھنے پر یکساں قدرت رکھتے تھے؛ کے متعلق حضرت اپنے انطباعات بایں الفاظ پیش فرمارہے ہیں کہ:

”بہت خوب صورت چہرہ، اعلیٰ لباس، دور سے دیکھ کر ہی آدمی مرعوب ہوجاتا، سردیوں میں سبز عمامہ باندھتے تو چہرہ مزید بارونق لگتا“

یہ تو آپ کا جمالِ صوری تھا، ان کے کمال علمی کو یوں تعبیر فرمایا کہ:

”ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ عربی زبان کے کتنے لغات آپ کو یاد ہیں فرمایا کہ الحمدللہ اس وقت تقریباً نوے ہزار الفاظ حافظہ میں محفوظ ہیں“

مزید کمال قدرت علی العربی کو یوں تعبیر فرمایا کہ:

”۱۹۵۳ء میں حرم شریف میں شیخ قطبیؒ کے ساتھ عربی میں گفتگو کرتے سنا تو بندہ حیران ہوگیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عربی آپ کی مادری زبان ہے، اتنی فصیح اور طلاقت کے ساتھ عربی گفتگو کرتے اور کسی کو نہیں پایا“

نیز اپنی عقیدت کا اظہار فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

”حرم شریف کی ایک ملاقات پر بندے نے قیام گاہ باب العمرہ پر حاضر ہوکر درخواست کی کہ کاپی میں کوئی نصیحت تحریر فرمادیں تو فوراً قلم اٹھایا اور تحریر فرمایا کہ ”الا کل شیء ماخلا اللہ باطل---- وکل نعیم لامحالۃ زائل“

یہ حضرت مرحوم مفکر ملت کا وہ نفیس ذوق تھا جہاں کوئی عبقری شخصیت سے ملاقات ہوتی تو نصیحت کی درخواست کرتے؛ تاکہ بزرگوں کا عکس تحریر محفوظ ہوجائے اور ان کی صحبتوں کے یادگار لمحات نقش کالحجر ہوجائیں۔

تعبیراتِ منتخبہ کا تکرار:

حسن تعبیر، حسن سلوک، حسن اخلاق اور حسن انتظام پر مشتمل حضرت موصوفؒ کی یہ ادائیں اپنے پرائے، شناسا غیر شناسا سب کے ساتھ حسب مراتب ہوتی تھیں؛ نیز یہ نہیں کہ اپنے ذوق اور مزاج کو صرف

دوسروں پر تھوپ کر خود کو دوسروں سے مستغنی سمجھتے ،بل کہ آپ میں جہاں اچھائیاں اور محاسن، تقسیم کرنے کا داعیہ تھا وہیں دوسروں سے اخذ کر کے اپنے آپ کو آراستہ کرنے کا حوصلہ بھی تھا۔خصوصاً علمی تعبیرات کو ان سے محفوظ کرتے ،اگر وہ مضمون اور تعبیر بلاواسطہ اخذ ہوا ہو تو خطیب ہی کے لب ولہجہ میں پیش فرماتے اور اگر بالواسطہ کوئی مضمون اخذ ہوتا تو الفاظ کے زیر وبم کے ساتھ ایسا ادا فرماتے کہ لگتا کہ آپ بھی وہاں موجود ہوں۔بارہا سامعین نے حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کا مشہور خطاب جو جامع شاہ جہانی میں ہندوستان سے ہجرت کرنے والوں کو مخاطب کر کے کیا تھا، کہ:

’’اے ہندی مسلمانو!اس جامع شاہ جہانی کے بلند وبالا منارے تم کو جھک جھک کر سلام کر رہے ہیں‘‘۔

میرا مقصد یہ ہے کہ تعبیرات خطابی ہوں یا تحریری اس کو بار بار نوکِ زبان لا کر خود بھی محظوظ ہوتے اور حاضرین کو بھی لطف اندوز کرتے؛چناں چہ ’’رشد وہدایت کے مینار‘‘ کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ:

’’راقم کو اپنے سفرِ قطر کے دوران (جو جامعہ کے ناظم تعلیمات مولانا حذیفہ بن مولانا غلام محمد صاحب وستانوی کے ساتھ ہوا)جمعہ کی نماز کے لیے ایک مسجد میں جانا ہوا،اس موقع پر امام صاحب نے لمبا خطبہ پیش فرمایا اور اخیر میں فرمایا:وللحديث بقية وان شاء الله سأقدم في الجمعة القادمة بشرط اللقاء والبقاء. اس کا یہ خوب صورت جملہ مجھے بہت اچھا لگا اور فوراً میں نے اسے اپنے نہاں خانۂ دماغ میں محفوظ کر لیا‘‘۔

اسی طرح حضرت مرحوم اپنا ایک اور واقعہ نقل فرماتے ہیں کہ:

’’ممبئی میں مصریوں کا ایک دفتر المركز الثقافي المصري تھا،ترکیسر کے قیام کے زمانے میں ایک دن ممبئی جانا ہوا،میں نے اپنے پاس کافی وقت دیکھ کر المركز الثقافي کا رخ کیا؛وہاں پہنچ کر غرفۃ الاستقبال میں داخل ہوا؛جہاں ایک مصری خاتون تشریف رکھتی تھیں؛میں نے ان سے کہا:السلام عليكم انا من طلبة العلم جئت هنا لاستفيد من مكتبكم؛انہوں نے فوراً کہا: اهلاً وسهلاً اور ایک نوکر کو آواز دی اور کہا یامحمد تعال یہ سن کر وہ جلدی سے آیا،انہوں نے چابی نکالی اور محمد کو دی اور کہا ’’خذ المفتاح و فرج المكتبة‘‘ یہ سن کر میں سوچنے لگا کہ اوہو!تم نے تو پہلے کبھی یہ تعبیر نہیں سنی،ہم تو فرج کی جگہ افتح بولتے چلے آرہے ہیں‘‘۔

دیکھیے!ایسا لگتا ہے کہ ہر وقت گویا تعبیرات کے متلاشی رہتے تھے۔

الحمدللہ!راقم کو حضرت وستانوی مدظلہ کے حکم پر مرحوم کی دو تین کتابیں طباعت کرانے کا موقع ملا،ایک کتاب ’’دیوان امام شافعیؒ‘‘ کی طباعت پھر ایک کتاب (جو حضرت علی میاں صاحبؒ کے ایک عربی

سفر نامہ کا ترجمہ ہے) کی طباعت، بہت حسین اور خوب صورت ہوئی؛ لیکن سوئے اتفاق کہ پروف ریڈنگ کی کمی کی وجہ سے اغلاط خاصی تھیں۔ بعض حضرات نے اسی کو موضوع بحث بنا کر ایک مقدس مقام پر حسنِ طباعت کو قبح طباعت سے تعبیر کرنے کی کوشش کی تو ان حاضرین مجلس کو بہت ہی تربیتی انداز میں یہ کہہ کر ساکت وصامت کر دیا کہ عبد الرحیم تو میرا جگر پارہ ہے۔ یہ بڑوں کی شان ہوتی ہے کہ مجلس میں کوئی غیبت یا تحقیر کی کوشش کرے تو مسئلہ کو طول دینے کے بجائے اس کو مناسب انداز میں سمیٹ لیتے ہیں۔

بہر حال اسر دست حضرتؒ کی حسن تعبیرات کو موضوع بحث بنا کر ایک جھلک دکھانے کی کوشش کی گئی ہے؛ ورنہ یہ موضوع تو بہت طویل ہے۔

اس کے علاوہ حیاتِ مفکرِ قوم وملتؒ کے ان گوشوں کو بھی موضوع بنا کر متوسلین و متعلقین کو مشعل راہ دکھائی جا سکتی ہے، مثلاً:

(۱)...... حضرت مفکر قوم وملتؒ اپنی تالیفات کے آئینہ میں۔

(۲)...... حضرت مفکر قوم وملتؒ اور خادم القرآن کے بے لوث روابط۔

(۳)...... حضرت مفکر قوم وملتؒ ہم عصر علما کی نظر میں۔

(۴)...... حضرت مفکر قوم وملتؒ کا ذوقِ مطالعہ۔

(۵)...... حضرت مفکر قوم وملتؒ کا ذوقِ انتظام۔

(۶)...... حضرت مفکر قوم وملتؒ اور حضرت مفکر اسلامؒ کے خوشگوار روابط۔

(۷)...... امت ایک مثالی اور قابلِ تقلید شخصیت سے محروم۔

(۸)...... گلشن فلاح دارین اور اس کا باغباں۔

(۹)...... مدارسِ اسلامیہ کا ہمدرد و غم گسار چل بسا۔

(۱۰)...... فلاح دارین کا فیض حضرت مفکر قوم وملتؒ کا فکر عمیق۔

اللہ تعالیٰ حضرت مفکر قوم وملت رحمۃ اللہ علیہ کو کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور ہم سب کو ان کے چھوڑے ہوئے تابندہ نقوش پر چلنے کی توفیق ارزانی عطا فرمائے۔ (آمین)

اللھم اغفر لہٗ وارحمہٗ وادخلہٗ فی فسیح جناتک

حضرت مولانا عبد اللہ کاپودرویؒ سے ایک یادگار ملاقات

مسعود احمد الاعظمی، ایڈیٹر مجلّہ ''المآثر'' سہ ماہی، مرقاۃ العلوم، مئو

۱۰؍جولائی ۲۰۱۸ء بروز سہ شنبہ بوقت سہ پہر یہ افسوسناک خبر موصول ہوئی کہ گجرات کے مقتدر وموقر عالم اور اہل علم کے مربی حضرت مولانا عبد اللہ کاپودروی صاحب سفر آخرت پر روانہ ہو گئے۔اس خبر کو دیکھتے ہی دل ودماغ میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی، اور مولانا مرحوم کی قد آور شخصیت اور ان کا سراپا نگاہوں کے سامنے گردش کرنے لگا۔یہ خاکسار دل ہی دل میں سوچنے لگا کہ علم ومعرفت کا ایک چراغ اور گل ہوگیا، اور ظلمتِ شب میں کچھ اور اضافہ ہوگیا، پھر نقارخانۂ ذہن ودماغ میں شاعر کا یہ شعر گونجنے لگا کہ:

اک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی
شب کی سنگین سیاہی کو مبارک کہہ دو

مولانا کاپودروی علیہ الرحمہ کے اسم گرامی سے یہ حقیر پہلی دفعہ آج سے تقریباً بیس برس پہلے اس وقت آشنا ہوا تھا، جب ان کا ایک مضمون ''المآثر'' میں اشاعت کے لیے موصول ہوا تھا، یہ ایک وقیع علمی وفکری واصلاحی مضمون تھا، جس کا عنوان ''نایاب جواہر پارے، یعنی منتخبات الدرر الکامنۃ'' تھا۔یہ مضمون غالباً عربی میں رہا ہوگا، اس لیے کہ اس کے ترجمہ کا کام ''مولانا عبد الرحمٰن ملی ندوی جامعہ اکل کوا'' نے کیا تھا، جیسا کہ مضمون کے شروع میں درج تھا۔اس مضمون کے عنوان سے ہی ظاہر ہے کہ اس میں تاریخ اسلام کے عظیم المرتبت عالم ومحدث حافظ ابن حجر عسقلانی کی مشہور کتاب الدرر الکامنة في أعيان المائة الثامنة کے کچھ اہم اور سبق آموز واقعات کا انتخاب کرکے ان کو ایک لڑی میں پرویا گیا تھا۔کتاب کا انتخاب، اس کے منتخبات اور اس مضمون سے ہی فاضل مضمون نگار کے علمی ذوق، وسعتِ مطالعہ، دقتِ نظر اور فہم وبصیرت کا اندازہ ہوتا تھا۔مولانا مرحوم کا یہ مضمون ''المآثر'' جلد ۸، شمارہ نمبر ۲، بابت ربیع الثانی- جمادی الثانیہ ۱۴۲۰ھ = اگست-اکتوبر ۱۹۹۹ء کے شمارے میں طبع کیا گیا تھا۔

گویا یہ حضرت والا کی شخصیت سے احقر کا پہلا تعارف تھا، اس کے چند سال بعد غالباً اگست ۲۰۰۳ء میں مولانا مرحوم کو اشاعت العلوم اکل کوا کے ایک مسابقاتی پروگرام میں دیکھنے کی سعادت نصیب ہوئی۔ مسابقۂ قرآن کریم کے اس پروگرام میں راقم الحروف ایک مشاہد کی حیثیت سے (مساہم کی حیثیت سے نہیں) شریک ہوا تھا، اس کی اختتامی نشست میں مولانا مرحوم بھی تشریف فرما تھے اور انھوں نے نہایت جامع، پُرمغز اور پُرسوز انداز میں مجمع کو خطاب کیا تھا۔ ان کی باوقار، وجیہ اور دل آویز شخصیت کے ساتھ ساتھ ان کا فکر آمیز وعظ و بیان حاضرین وسامعین کے قلوب کو متاثر کیے بغیر نہیں رہ سکا، اور پھر جب یہ معلوم ہوا کہ حضرت والا گجرات کے مشہور ومعروف ادارے مدرسہ فلاح دارین ترکیسر کے مہتمم یا سرپرست، اشاعت العلوم اکل کوا کے بانی ومؤسس اور مسابقۂ قرآن کریم کے پروگراموں کے روح رواں حضرت مولانا غلام محمد وستانوی مدظلہ اور صوبۂ گجرات وغیرہ کے بے شمار اہل علم وفضل کے استاذ ومربی ہیں، تو قلب میں ان کی عزت اور قدر ومنزلت کا بڑھ جانا ایک فطری بات تھی۔ ان سے ملاقات کا دل میں اشتیاق پیدا ہوا، لیکن اس وقت اس کا موقع نہیں مل سکا۔

لیکن دو سال بعد ہی اس محرومی کی تلافی ہوگئی اور بتوفیق الٰہی ایک مناسب موقع سے مولانا کی زیارت وملاقات سے بہرہ مند ہونے کی صورت نکل آئی۔ اس کا باعث یہ ہوا کہ احقر نے احمد آباد کی پیر محمد شاہ لائبریری کا نام اور اس کا شہرہ سن رکھا تھا، جس کی وجہ سے اس کو دیکھنے کی خواہش دل میں کروٹ لیتی رہتی تھی، اس کے علاوہ جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ ضلع بھروچ کے بعض اساتذہ کا ہانسوٹ کے سفر کے لیے کئی سال سے اصرار تھا۔ ان دونوں باتوں کو پیش نظر رکھ کر احقر نے اگست ۲۰۰۵ء میں ہانسوٹ کے سفر کا ارادہ کیا، اس موقع پر ہانسوٹ میں تین روز قیام کا اتفاق ہوا، اور اس دوران قرب وجوار مثلاً سورت اور بھروچ ضلع کے اکثر مدارس کی زیارت سے مشرف ہوا۔ حسنِ اتفاق سے مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب ــ جن کے بارے میں سن رکھا تھا کہ ان کا زیادہ تر قیام ہندوستان سے باہر رہتا ہے ـ اُن دنوں کاپودرا میں واقع اپنی رہائش گاہ پر تشریف فرما تھے۔ مجھے مولانا کی زیارت کا اشتیاق تو پہلے ہی سے تھا، ہانسوٹ کے احباب نے میرے کہے بغیر کاپودرا جاکر مولانا سے ملاقات وزیارت کو ہمارے پروگرام کا حصہ بنا دیا؛

چنانچہ ایک شام حضرت والا کی زیارت کے مقصد سے ہم کاپودرا کے لیے روانہ ہوئے، مولانا کو ہمارے آنے کی پہلے ہی سے اطلاع ہو چکی تھی، ہم جب پہنچے تو ایسا معلوم ہوا کہ وہ سراپا انتظار ہیں۔ مولانا مرحوم ہمارے اندازے سے کہیں زیادہ بلند اخلاق، خندہ پیشانی اور بشاشت سے پیش آئے، عصر کے وقت ہم ان کی خدمت میں پہنچے تھے، اور مغرب تک حاضرِ خدمت رہے، وہ انتہائی محبت اور شفقت بھرے انداز میں گفتگو فرماتے رہے، ان کے محبت آمیز برتاؤ، مشفقانہ رویہ، کرم گستری اور بے تکلف ملاقات سے یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ ان کی خدمت میں یہ اولین حاضری ہو، بلکہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان سے برسوں کی شناسائی ہو۔ حضرت محدث الاعظمی، ان کے علم وفضل، ان کی تصنیفات وتحقیقات اور "المآثر" وغیرہ کے حوالوں سے دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ دورانِ گفتگو حضرت والا نے مئو کے اپنے ایک سفر کا واقعہ بھی بیان کیا، جب ان کو فلاحِ دارین ترکیسر کے لیے کسی مدرس کی ضرورت تھی، اور اسی سلسلے میں حضرت محدث الاعظمی سے ملاقات اور کسی ذی استعداد اور باصلاحیت عالم ومدرس کی بابت مشورہ اور رہنمائی حاصل کرنے کے لیے انھوں نے مئو کا سفر کیا تھا۔ ان کی گفتگو سے معلوم ہوا کہ مئو شہر میں پیدا اور نشو ونما پانے والے ممتاز عالم ومحقق ڈاکٹر محمد مصطفیٰ الاعظمی — جو بعد میں سعودی عرب کے شہری اور ریاض میں مقیم ہو گئے تھے، اور اب سے سات مہینے قبل دسمبر ۲۰۱۷ء میں جن کی وفات ہو گئی ہے — دار العلوم دیوبند کی طالب علمی کے زمانے میں ان کے ساتھ تھے، اور ان سے ان کے بہت اچھے مراسم تھے۔ اس محبت آمیز ملاقات، اکرامِ ضیف اور معلومات افزا گفتگو کے علاوہ مولانا نے المآثر کا خصوصی زرِ تعاون اور بطورِ سوغات اپنی کچھ تصانیف عنایت فرمائیں۔

حضرت والا کی عنایت فرمودہ کتابوں میں ایک **ديوان الامام الشافعي** تھی، جس کے ترجمہ وتشریح کا کام انھوں نے انجام دیا تھا۔ یہ کتاب ۲۵۶ صفحات پر مشتمل ہے، اور جامعہ علوم القرآن جمبوسر سے شائع ہوئی ہے۔ اشعار کے ترجمہ وتشریح کا کام سخت مشکل ہے، اس طرح کے کام کو انجام دینے کا حوصلہ وہمت وہی شخص کر سکتا ہے، جس کو زبان وبیان اور ادب ولغت پر قدرت اور دسترس حاصل ہو، اور مولانا مرحوم نے اس مشکل اور دشوار کام کو جس حسن وخوبی اور کامیابی سے پایۂ تکمیل تک پہنچایا ہے، اس کا صحیح اندازہ کتاب کے مطالعہ اور ورق گردانی کے بعد ہی ہو سکتا ہے، یہ کتاب عربی واردو دونوں زبانوں میں مولانا کی دست گاہی کی شہادت دیتی ہے۔

دوسری کتاب جو حضرت مرحوم نے عنایت فرمائی تھی وہ ''افکار پریشاں'' کے نام سے موسوم ان کے مقالات ومضامین کا بیش قیمت مجموعہ ہے، جو ۳۸۴ صفحات پر مشتمل ہے، اور اسی سال طبع ہوکر مجلس معارف کاپورا سے اشاعت پذیر ہوئی تھی۔ یہ کتاب بھی مولانا مرحوم کے علم وفضل، وسعت مطالعہ، تلاش وجستجو، دقت نظر، رسوخ فی العلم، تصنیف وتالیف کی بھرپور صلاحیت اور مآخذ ومراجع سے مفید اور کارآمد معلومات کا عطر کشید کرکے ان کو مربوط ومرتب طریقے سے قارئین کے سامنے پیش کرنے پر قدرت کی آئینہ دار ہے۔ احقر نے ۲۰۰۷ء میں اس کتاب کے مشمولات میں سے ایک اہم اور معلومات افزا مضمون بعنوان: ''امام اہل سنت احمد بن حنبلؒ اور ان کی کتاب المسند'' کو الماثر جلد ۱۶ شمارہ نمبر ۳و۴ میں شائع بھی کیا تھا۔

کاپورا، شہر کے ہنگاموں سے دور نسبتاً الگ تھلگ مقام پر واقع ایک پرسکون اور یکسوئی پسند کرنے والوں کے لیے نہایت مناسب اور موزوں بستی ہے۔ وہاں جاکر اور مولانا سے ملاقات کرکے ہمیں ایک عجیب طرح کا قلبی انبساط حاصل ہوا، بستی کا سکون واطمینان دیکھ کر اس کے مکینوں پر رشک ہونے لگا۔ مولانا مرحوم کے ساتھ ان کے فضیلت کدے کے قریب ہی مسجد میں ہم نے مغرب کی نماز ادا کی، پھر ان سے دعا اور دوبارہ ملاقات وزیارت کی آرزو لے کر اجازت طلب کی اور واپس اپنی منزل کی طرف روانہ ہوگئے۔

حضرت مولانا کاپوروری علیہ الرحمہ سے یہ خوش گوار اور یادگار ملاقات، ان کا حسنِ سلوک، محبت آمیز رویہ، خوش اخلاقی اور خاطر مدارات کے ساتھ ان کا عالمانہ وقار، متانت وسنجیدگی، تواضع وفروتنی، سادگی وبے لوثی اور عجز وانکسار احقر کے لوح قلب پر اب تک مرتسم ہے، اور یہ ایسا نقش ہے جو شاید کبھی زائل اور فراموش نہ ہوسکے۔

یہ سیہ کار بارگاہ رب العزت میں دست بدعا ہے کہ پروردگار عالم مولانا مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کی قبر پر رحمت ورضوان کی بارش نازل فرمائے اور اپنے مقبول ومحبوب بندوں میں ان کا حشر فرمائے، آمین ثم آمین۔

تسلیاں مت دو کہ میری عمر زیادہ ہو
عمر بھر اِس وقت کی تمنا میں تھا

حضرت مولانا عبدالرحمن ملی ندوی

ایڈیٹر مجلہ "النور" جامعہ اکل کوا

انسان کی زندگی ایک چراغ ہی تو ہے، بوڑھا انسان اگر چراغِ سحر ہے تو جوان چراغِ شام۔ چراغ کو بجھنے کے لیے کسی آندھی کی ضرورت نہیں پڑتی، پھونکوں سے ہی چراغ بجھ جایا کرتے ہیں۔ زندگی ایک ننھا سا دیا ہے جو ہلکے جھونکے سے بھی خاموش ہوجاتا ہے، لیکن چراغ جب روشن ہوتا ہے تو اپنے گرد وپیش کو منور کردیتا ہے اور پھر جتنا بڑا چراغ ہو اتنی ہی بڑی روشنی بھی ہوتی ہے۔

دنیا امتحان گاہ ہے:

یہ دنیا نہ آرام گاہ ہے نہ قیام گاہ اور نہ تماشا گاہ، اگر ہے تو صرف امتحان گاہ۔ اللہ نے موت وحیات کو امتحان وآزمائش کے لیے بنایا ہے۔ ﴿خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم أیکم أحسن عملاً﴾ "ہر انسان کی زندگی دراصل امتحان کی تیاری کے لیے مہلت ہے اور زندگی کی بے شمار سرگرمیاں اس امتحان کے مختلف پرچے ہیں۔ انسان کا طرزِ عمل بھلا یا بُرا ان پرچوں کا جواب ہے۔ امتحان لینے والا چوں کہ خدائے وحدہ لاشریک ہے اس لیے کامیابی اور ناکامی کا معیار بھی وہی تجویز کرے گا۔

موت تو ایک پل ہے:

موت تو ایک پل ہے جو حبیب کو حبیب سے ملاتا ہے " الموت جسر یوصل الحبیب الی الحبیب " قرآن کریم نے موت سے متعلق ایک عجیب اور دل لگتی بات کہی ہے کہ ﴿کل نفس ذائقة الموت﴾ ہر شخص کو موت کا مزا (ذائقہ) چکھنا ہے۔ مزا اور ذائقہ تو میٹھا بھی ہوتا ہے اور کڑوا بھی۔ کچھ لوگ اس کے میٹھے ذائقہ کے انتظار میں رہتے ہیں اور کچھ لوگ اپنے بُرے اعمال کے سبب اس کے کڑوے ذائقہ سے ہراساں اور خوف زدہ رہتے ہیں۔ وہ ہزار برس جینا چاہتے ہیں، مگر مسلمان کی شان یہ ہوتی ہے کہ وہ موت سے ڈر اور خوف محسوس نہیں کرتا، بل کہ اپنے اچھے اور نیک اعمال کے سبب اس کا مشتاق رہتا ہے۔ حضرت شاہ محمد یعقوبؒ کو جب

مرضِ وفات شروع ہوا تو لوگوں نے تسلی دی کہ حضرت فکر نہ فرمائیں ان شاء اللہ جلد رو بہ صحت ہوں گے، حضرت نے سنا تو غصہ کیا اور فرمایا: ''عمر بھر اسی وقت کی تمنا میں تھا اور تم اس کو ہٹانے آگئے، دعا کرو کہ حسنِ خاتمہ ہو جائے۔''

تسلیاں مت دو کہ میری عمر زیادہ ہو
عمر بھر اس وقت کی تمنا میں تھا

(خطباتِ حکیم الاسلام، فلسفۂ موت)

ایسے ہی عاشقانِ پاک طینت کی موت کو عالم کی موت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ ''موت العالِم موت العالَم'' کہ ایسے خدا آگاہ اور آہِ سحر گاہی سے معمور اہلِ دل کی موت سے حیاتِ روحانی میں ایک خلا پیدا ہوتا ہے اور پھر اس خلا سے ہزاروں انسانوں کا روحانی نقصان ہوتا ہے۔ جس کو اہلِ ضمیر اور روشن دل افراد محسوس کرتے ہیں۔ کسی عالم باعمل اور کسی روحانی شخصیت کا اس دنیا سے اٹھ جانا ایک قسم کی قیامتِ صغریٰ ہی تو ہے۔

حضرت مولانا عبد اللہؒ کی رحلت ایک کتب خانہ کا بند ہونا ہے:

حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودرویؒ کی رحلت ایک تاریخ ساز مربی اور ایک کتب خانہ کا بند ہو جانا ہے۔ حضرت مولانا کاپودرویؒ نہ صرف یہ کہ ایک بزرگ عالم دین تھے، بل کہ ایک عہد ساز تاریخی شخصیت کے مالک تھے، جو سادگی میں بھی بارعب شخصیت کا درجہ رکھتے تھے۔ جہاں وہ کتابوں کے رسیا اور مطالعہ کے خوگر تھے، وہیں اپنے سنجیدہ، ٹھوس اور فکری مطالعہ سے دانش مندانہ نتائج نکالنے کے عادی بھی تھے۔ دینی علوم اور عربی زبان وادب کا صاف ستھرا ذوق رکھنے میں امتیازی مقام رکھتے تھے۔ حدیث، تفسیر، ترجمۂ قرآن، عربی زبان و ادب کی تدریس کا ماہرانہ ذوق رکھتے تھے، جو موصوف کی تقاریر، نجی گفتگو، مجلسی باتوں اور ادبی محافل سے سمجھ میں آتا تھا۔ مولانا کاپودرویؒ ایک باعمل، نیک طینت، شریف وملنسار عالم دین تھے، جنھوں نے تعلیم وتدریس کے مسندوں کو آراستہ کیا۔ کئی پتھروں کو ہیرا بنایا اور کئی ہیروں کو علمی وادبی دنیا میں چمکایا، جو آج مہرِ تاباں وخورشید بن کر چہار دانگ عالم میں اپنی ضیا پاشی کے فرائض انجام دے رہے ہیں۔ حضرت کا خصوصی وصف تھا کہ انہوں نے دنیا والوں سے کچھ نہیں لیا، لیکن اپنی روحانی وعلمی متاعِ بیش بہا لٹاتے رہے، جو صرف اہل دل کے یہاں ملا کرتی ہے۔ حضرتؒ جیسے عظیم انسان کے اٹھ جانے سے احساسِ زیاں ضرور ہے، مگر مولانا نے اپنے پیچھے فکر ونظر کا وسیع سرمایہ بطور یادگار چھوڑا ہے، جس سے ان کے پیغام کی گونج ہمیشہ بلند ہوتی رہے گی۔

ان کی شخصیت مختلف پھولوں کی عطر مجموعہ تھی:

صوبہ گجرات کے علما اور داعیوں میں شاید حضرت مولانا کاپودرویؒ ہی ایسے فردِ فرید تھے، جن کو اللہ تعالی نے عالمی شہرت و مقبولیت سے نوازا تھا اور جن کو امت کے ہر طبقہ کا اعتماد حاصل تھا۔اس لیے کہ ان کی شخصیت مختلف پھولوں کی عطر مجموعہ تھی۔ان کی شخصیت سب سے منفرد اور ممتاز تھی۔جامعیت بھی تھی اور اعتدال بھی ،جمال بھی اور کمال بھی۔اس لیے کہ انھوں نے گلشن دین و علم اور ادب و تاریخ کے بہت سے پھولوں کا عطر کشید کر لیا تھا۔

حضرت کاپودرویؒ کی شہرت کا راز:

حضرت مولانا کاپودرویؒ کی عالمی مقبولیت اور ہمہ گیر شہرت کا راز صرف علم کی وسعت ،تصانیف کی کثرت اور زبان و بیان پر قدرت ہی میں پوشیدہ نہیں تھا۔بل کہ عبادت و ریاضت میں یکسوئی اور خلوت نشینی کے علاوہ خدا اور خلقِ خدا؛ دونوں کے تقاضوں کو سمجھنا اور اپنے اعلیٰ ترین کردار سے انسانوں سے بلا اختلاف مسلک محبت کرنا بھی تھا۔

حضرتؒ سے میری شناسائی:

جہاں تک تعلق ہے اِس ہیچ مداں اور عاجز کے تعلق کا۔تو وہ تقریباً ۳۰ ؍سالوں سے زائد عرصہ پر محیط ہے،بل کہ بندہ ندوۃ العلماء کی طالب علمانہ زندگی سے ہی آشنا تھا،البتہ نزدیکی اور قربت نہیں تھی۔رابطہ ادب اسلامی کے سالانہ سیمناروں اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے غایت درجہ کے تعلق کی بنا پر مختلف دینی،علمی و ادبی مقامات پر ملاقاتیں ہوتی رہیں اور تعارف بھی۔جب یہ عاجز جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا سے تدریسی طور پر منسلک ہوا تو یہاں کی ملاقاتیں محبتوں میں بدل گئیں۔اور پھر تعلقات بڑھتے گئے۔۱۹۹۰ء میں مجلّہ ’’النور‘‘ کے اجراء و افتتاح کی ادبی مجلس میں حضرت مولانا کاپودرویؒ تشریف فرما تھے۔احقر کی طالب علمانہ عربی زبان سن کر بہت خوش ہوئے اور بندہ کی حیثیت سے زیادہ حوصلہ افزائی فرمائی۔بعض اوقات نوجوان قلم کار بڑوں کی حوصلہ افزائی اور دلجوئی سے دھوکا کھا کر تکبر اور خودستائی کے شکار بھی ہو جاتے ہیں۔الحمدللہ! اللہ نے ہماری حفاظت فرمائی اور ہم ہمیشہ اپنے کرم فرما بزرگوں اور مربیوں کے زیر تربیت رہے اور آج بھی اپنے مربی اساتذہ کی تربیت حاصل ہے۔

حضرت کاپودرویؒ سے محبتانہ تعلق:

ہمارا حضرت مولانا کاپودرویؒ سے شاگردانہ اور مسترشدانہ تعلق نہ تھا۔ البتہ محبتانہ اور مخلصانہ تعلق ضرور تھا۔ جامعہ کے مختلف علمی، ادبی، دینی اور تعلیمی پروگراموں میں حضرت کی قدم رنجائی ہوتی اور مواجہت ہوتی تو برجستہ ہم سے عربی زبان میں فرماتے کہ "کیف الحال الشیخ الملي" یہ بھی ایک طریقہ ہوتا ہے حوصلہ افزائی اور تربیت کا، کہ جو آدمی جس میدان اور فیلڈ کا ہوتا اس سے اُسی اعتبار سے ملاقات کرتے اور مشورہ دیتے۔ کتابوں اور محاضرات کی رہنمائی کرتے۔ ایک مبتدی مدرس کو کامل و باکمال مدرس کیسے بنایا جائے یہ گُر کوئی اُنھیں سے سیکھے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جو بھی اپنے عالی اور تجربہ کار بزرگ اساتذہ و مشائخ سے منسلک ہو کر ان کی تربیت میں مطالعہ کرے گا، یقیناً وہ اپنے زمانہ کا ایک باکمال مدرس، منتظم، مصنف اور مؤلف بنے گا۔ ورنہ خود نمائی تو ہر نومشق فاضل کا فیشن بن چکا ہے۔

حضرت مرحوم کا طرزِ تدریس:

حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ کا زیادہ تر تعلق درس و تدریس اور تعلیم و تعلم سے تھا۔ ترجمۂ قرآن، شرح وقایہ، متنبی اور حدیث میں ریاض الصالحین، طحاوی شریف اور دیگر منتہی کتابیں بھی زیرِ تدریس رہیں۔ جن علمانے حضرتؒ کے زمانہ تدریس میں حضرت سے خوشہ چینی کی اور شرفِ تلمذ سے مشرف ہوئے وہ یقیناً حضرت کے طرزِ تدریس سے آشنا ہوں گے۔ لیکن ہم نے حضرت کے علمی بیانات اور تعلیمی مشوروں سے اندازہ ضرور لگایا کہ طلبا کی نفسیات اور عمر کا لحاظ کرتے ہوئے اپنی تدریسی تقریر کرتے ہوں گے اور یہی طرز تدریس طلبہ کو مطمئن کرتا ہے۔ ورنہ طلبہ کو ہی ہر چیز کا مکلّف کیا جائے تو استاذ کی حاضری چہ معنی دارد؟ ایک صاحبِ نظر اور صاحبِ ذوق استاذ ہمیشہ اپنے طلبہ کی نفسیاتی کیفیت کو مدنظر رکھتے ہوئے تدریس کرے گا۔

مفکر کسے کہتے ہیں؟:

حضرت مولانا کاپودرویؒ کے طرزِ تحریر اور اسلوبِ بیان سے اندازہ ہوتا ہے کہ واقعتاً حضرتؒ ایک مفکر، مدبر، حکیم، منتظم اور باکمال مربی و اتالیق تھے۔ حضرت مولاناؒ مدرسہ کو "مصنع الرجال" سے تعبیر کرتے تھے۔ یعنی انسان سازی کا کارخانہ۔ اور مولانا نے اپنی فکر و نظر اور روشن ضمیری سے رجال سازی کا تاریخی کارنامہ انجام دیا۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ صحیح معنی میں ''مفکرِ اسلام'' کہلانے کے مستحق تھے کہ اللہ نے موصوفؒ سے وہ کام اتم درجہ میں لیا۔ ہمارے علمی معاشرہ میں ''مفکرِ اسلام'' کی تعبیر اکثر استعمال ہوتی ہے۔ نہ عمر کا پیمانہ دیکھا جاتا ہے اور نہ علم وعمل کی پیمائش۔ کسی بھی شخص کو بس صرف عمر کی درازی پر ''مفکرِ اسلام'' جیسا باوقار لقب چسپاں نہیں کیا جاسکتا۔ تفکر وتدبر کا مقام بہت اونچا ہے۔ مفکر کے مقام تک پہنچنے والے خال خال ہی ہوتے ہیں۔ محقق کسی زیر بحث مسئلہ کی تحقیق کرتا ہے، اصلیت معلوم کرنے کے لیے چھان بین کرتا ہے، پھر کسی نتیجہ پر پہنچتا ہے۔ لیکن مفکر وہ ہوتا ہے، جس کی ذہانت کے سوتے گہرے مطالعہ اور غور وفکر کے چشمہ سے پھوٹتے ہیں۔ ایسا شخص فکرِ امروز بھی رکھتا ہے اور اندیشۂ فردا بھی۔ جو نظریہ پیش کرتا ہے، اس کے پاس اس کا سنجیدہ حل بھی ہوتا ہے۔ اس نظریہ میں تاریخ کا پس منظر بھی ہوتا ہے اور عصرِ حاضر سے آگہی بھی۔ عالمی حالات کے اتار چڑھاؤ پر اس کی تجزیانہ نظر ہوتی ہے، اس کے افکار میں ہزاروں انسانوں کے لیے رہ نمائی ہوتی ہے۔

حضرت کاپودرویؒ صحیح معنی میں ''مفکرِ اسلام'' تھے:

مفکرِ اسلام کی تعبیر حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ پر مکمل طور پر صادق آتی ہے اس لیے موصوفؒ نے اپنے وقت کے بڑے بڑے باکمال عرب وعجم کے مشائخ، محدثین، مفسرین، مؤرخین اور ادبا کو دیکھا ہے۔ بعض اوقات ان کی مجالست اختیار کی ہے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے تو حد درجہ متاثر تھے، ان کے بیانات، تقاریر، کتابوں کی تقاریظ ومقدمات اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ حضرت مولانا کاپودرویؒ حضرت مولانا ندویؒ کی فکر سے کس قدر ہم آہنگ تھے کہ انہیں گجرات کا ''علی میاں'' تک کہا جاتا رہا۔

زبان وقلم کی پاکیزگی کے سب سے بڑے داعی:

حضرت مولانا کاپودرویؒ اکثر اپنے بیانات اور اساتذہ کی تعلیمی مجالس میں فرمایا کرتے تھے کہ انسان کو؛ اور خاص طور پر ایک عالم کو اپنی زبان اور قلم دونوں پاکیزہ رکھنا چاہیے۔ اگر کسی پر تنقید بھی کرنا پڑے اور اس سے فکری اختلاف بھی ہو تب بھی زبان کی پاکیزگی کو مدنظر رکھنا چاہیے کہ اس سے ایک عالم کا وقار بحال ہوتا ہے اور دل صاف رہتے ہیں۔

تسلیاں مت دو کہ میری عمر زیادہ ہو

تنقید سے دور تعمیر کی فکر زیادہ ہو

اکثر ایسا دیکھا گیا ہے کہ تنقید تحقیر میں بدل جاتی ہے۔جس کا نتیجہ تنقیص کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا اور پھر انسان دوسروں کی عزت سے کھیلنے لگتا ہے۔حضرت مولانا کاپودرویؒ اس کا بہت زیادہ خیال رکھتے تھے کہ ہماری غیر ضروری تنقید کی وجہ سے کسی کی دل شکنی نہ ہونے پائے۔اور اسی بلند اخلاقی نے انہیں علما ومشائخ،طلبا واساتذہ کے درمیان وہ مقام دیا،جس کا مشاہدہ ان کے جنازہ کے وقت ہر ایک نے کیا۔اس لیے کہ بعض وہ شخصیات ہوتی ہیں جو بزرگوں،مشائخ اور باصفا اہل دل کی نگاہوں سے شراب علم پیتی ہیں اور ایک عالم کو سنوارنے کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔کسی نے سچ کہا ہے۔

تو نے پی کتابوں سے میں نے پی نگاہوں سے
بڑا فرق ہے واعظ تیرے میرے پینے میں

یہ محبوبیت؛بہت کم لوگوں کو ملتی ہے:

یقیناً حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودرویؒ نے اپنے بزرگوں،مشائخ اور اہل دل اللہ والوں کی نگاہوں سے پی کر عظیم مفکر اسلام،مفسر قرآن،صاحب طرز ادیب،عہد ساز مربی اور تاریخی مدبر ومنتظم بنے۔ہندستان کے تمام قابل ذکر علمی اداروں،فکری مکاتب اور روحانی مسالک سے منسلک افراد کے نزدیک قابل احترام واستناد شخص شمار کیے گئے۔ایسا عزوشرف،اتنی تکریم وتوقیر،قدرومنزلت،بل کہ محبوبیت کم ہی کسی کے حصہ میں آتی ہے۔

آج بھی ہم جیسے طلبا حضرتؒ کی تاریخی زندگی کو دیکھیں اور اپنے آپ کو سنوارنے کی فکر کریں تو خدا تعالیٰ کی توفیق سے کوئی بعید نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم جیسے ہیچ مداں افراد کو بھی علم وعمل اور اخلاص وللّٰہیت کی نعمت سے سرفراز فرمائے اور اللہ کی قدرت سے یہ بعید بھی نہیں ہے۔

أُحِبُّ الصَّالحین ولستُ منهم
لعلّ اللّٰه یرزقني صلاحاً

☆......☆......☆

حضرت مفکرملت: خدمات وخصوصیات کے آئینے میں

محمد اقبال فلاحی ندوی مدنی

نحمده ونصلي على رسوله الكريم، أما بعد!

فقد قال الله تبارک وتعالیٰ: ﴿اولئک الذین هدی الله فبهدیٰ هم اقتده﴾

وروی عن الإمام أبی حنیفة رحمه الله تعالیٰ قوله:

" الحکایات عن العلماء ومحاسنهم أحب إلي من كثير من الفقه فإنها أخلاق القوم وأوصافهم "

ولله در من قال: الحكايات جند من جنود الله يثبت الله بها قلوب أوليائه.

آیت کریمہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے انبیا کا تذکرہ کرنے کے بعد ان کے طریق کی اقتدا کرنے کو فرمایا ہے اور چوں کہ علما انبیا کے وارث ہیں اور وہ انبیا کے طریقوں پر ہوتے ہیں؛ اس لیے ضمناً گویا کہ اس آیت میں کتاب وسنت کے پیروکار علما کی خوبیوں کو اپنانے کی بھی دعوت دی گئی ہے اور امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ: علما کے واقعات اور ان کی خوبیاں بیان کرنا مجھ کو بہت سی فقہی بحثوں میں پڑنے سے زیادہ محبوب ہے۔

اور جیسا کہ سلف نے فرمایا: علما کے واقعات اور ان کی باتیں ایک طرح سے اللہ تعالیٰ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہے، جس سے وہ اپنے نیک بندوں کے دلوں کو ثابت رکھتا ہے۔

حقیقی خراجِ عقیدت:

تو آیئے کچھ وقت ہم اس مقبول بارگاہ، راسخ عالم دین، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے وارث، داعی الی اللہ، مصلح ومربی جلیل مفکر، الحاج فضیلۃ الشیخ، رئیس الجامعہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ کی کچھ روح پرور، منجمد طبیعتوں کو مہمیز دینے والی اور اہل علم کا حوصلہ بڑھانے والی باتوں اور یادوں کا ذکر خیر چھیڑ کر ان کو اپنی زندگی میں اپنانے کا عہد کر کے حضرت والاؒ کو حقیقی خراج عقیدت پیش کریں۔

لاکھوں عمروں کا ثواب:

مشہور زماں مصری شاعر شوقیؔ کا شعر ہے

دقات قلب المرء قائلة له
إن الحياة دقائق وثوان
فارفع لنفسک قبل موتک ذکرها
فالذکر للإنسان عمر ثان

انسان کے دل کی دھڑکنیں اس کو پکار پکار کر ندا دیتی رہتی ہیں کہ زندگی چند منٹوں اور لمحات سے عبارت ہے؛ اس لیے تو اپنی موت سے پہلے کچھ کارہائے نمایاں انجام دے کر چھوڑ جا، اس لیے کہ انسان کے لیے ذکرِ خیر نئی زندگی ملنے کے ہم معنی ہے۔

حضرتؒ بہ تاریخ ۲۵ر شوال بروز سہ شنبہ ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۰ر جولائی ۲۰۱۸ء اپنے لاکھوں چاہنے والوں کو داغِ مفارقت دے کر اس دارِ فانی سے دارِ جاودانی کی طرف اپنی زندگی بھر کی مخلصانہ دینی، علمی، دعوتی، تربیتی، ملی اور رفاہی مساعیٔ جمیلہ کے برگ و بار وصول کرنے کے لیے اگرچہ رحلت فرماگئے اور اب ہمارے درمیان اپنے جسمِ اطہر اور قفسِ عنصری کے ساتھ نہیں رہے لیکن اپنے پیچھے کارہائے نمایاں اور حسین علمی و دینی خدمات کا مشامِ جاں کو معطر کرنے والا حسین گلدستہ چھوڑ گئے ہیں، جس کی خوش بو صدیوں تک پھیلتی رہے گی اور علمِ دین اور خدمتِ دین کے لاکھوں نہیں؛ بل کہ کروڑہا متوالے اس سے فائدہ اٹھاتے رہیں گے؛ یوں ان کو لاکھوں عمروں کا ثواب ملتا رہے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

خوبیاں اور محاسن:

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے بے شمار خوبیوں سے نوازا تھا، جن کے بارے میں لکھنے والوں نے ’’گلدستۂ محبت‘‘ نامی کتاب میں لکھا ہے اور آئندہ بھی لکھیں گے اور بیان کرنے والوں نے تعزیتی جلسوں میں بیان کیا اور آئندہ بھی ان کا ذکرِ خیر چھیڑ کر خوش بو پھیلائیں گے۔ درحقیقت آپ نے اپنی زندگی کو دین کی سربلندی، علمِ دین کی نشر و اشاعت، مختلف شعبہ ہائے دین کے رجال کار تیار کرنے کے لیے وقف کردی تھی۔ خدمتِ دین کا ہر شعبہ اور میدان آپ کی خدمت، توجہات اور مشوروں سے مالا مال تھا۔

باذوق اور راسخ عالمِ دین:

وہ باذوق اور راسخ عالمِ دین تھے۔ جامعہ ڈابھیل اور دیوبند کے علمی سوتوں سے قابل اور مخلص اساتذہ کرام کی رہبری اور شفقتوں کے سایوں میں اپنی علمی پیاس بجھائی۔ حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ نے خود اپنی کتاب ’’رشد و ہدایت کے منار‘‘ میں ان عنایتوں، شفقتوں، صحبتوں اور تعلقات کا تذکرہ کیا ہے۔ آپ نے درسِ نظامی میں مقررہ کتابیں بار بار پڑھی اور پڑھائی ہیں۔ مختلف علوم و فنون کی کتابیں دنیا کے گوشہ گوشہ سے تلاش کر کر کے خرید خرید کر پڑھی ہیں، جن کتابوں کا پورا ایک مکتبۂ علمیہ تیار ہوگیا۔ اور عادت کے مطابق مسلسل مطالعہ سے حاصل

ہونے والا علم ان کی ذات تک محدود نہ رہے، بل کہ دوسروں تک بھی اس کی خوش بو پھیلے، اس لیے ان کتابوں کا حوالہ دے کر اور اکثر دوسروں کو عاریۃً دے کر اس علم کو عام کرنے کی کوشش کرتے رہے۔ وہ ان علمی کتابوں کی اولاد کی طرح حفاظت کرتے، خوب صورت الماریوں میں ترتیب سے سجا کر ان کی ملاقات اور زیارت کرنے والے علمی ذوق رکھنے والے مہمانوں کو لذیذ خوان طعام وشراب سے خوشی خوشی لطف اندوز کرنے کے بعد ہشاش بشاش اور درخشندہ چہرہ کے ساتھ ان کتابوں کا معاینہ کراتے۔ دیکھنے والوں کو ایسا محسوس ہوتا گویا حضرت والا مہمانوں کو مادی لذیذ دسترخوان سے محظوظ اور متمتع کرنے سے زیادہ اپنے اس خوب صورت مکتبہ علمیہ کی شکل میں لگائے ہوئے علمی دسترخوان پر لا کر ان کی علمی روحانی بھوک و پیاس بجھا کر زیادہ خوش ہو رہے ہیں۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کی علمی دریا دلی اور باذوق علمی آدمی تیار کرنے میں ان کے شوق وذوق کا اس وقت عروج دیکھنے کو ملا، جب آپ نے لاکھوں کی مالیت کی علمی کتابوں کا یہ قیمتی مکتبہ ان کے نام سے موسوم ''شیخ عبد اللہ کاپودروی اکیڈمی'' کو وقف کر دیا۔ اور تشنگان علم کے لیے ایک زمزم آبی نما سبیلِ سلسبیل چھوڑ گئے۔

"سقاه الله تعالىٰ من حوض كوثر بيد نبيه صلى الله عليه وسلم"

مخلص داعی الی اللہ:

حضرت والا مرحوم ایک مخلص داعی الی اللہ تھے۔ دعوت دین کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے تھے۔ دعوت وتبلیغ سے تعلق رکھنے والے حضرات تبلیغی اجتماعات میں آپ رحمۃ اللہ علیہ کو لے جاتے، آپؒ ان کو صحیح مشورے دیتے اور اس کار خیر میں عملاً بھی حصہ لیتے۔ ہم نے حضرت مولانا اسماعیل گودھروی دامت برکاتہم کی زبانی سنا کہ ان کا پہلا چلہ حضرت والاؒ کے ساتھ مالیگاؤں دھولیہ میں لگا۔ ظاہر ہے حضرت والا نے اپنی عادت کے مطابق ضرور ان کی مربیانہ اور داعیانہ تربیت کی ہوگی۔ مولانا اسماعیل صاحب دامت برکاتہم کو اس چلہ کی رو داد مزہ لے لے کے سناتے ہوئے بار بار سنا ہے، اگر دعوتی بیان میں کسی داعی سے چوک ہو جاتی تو نرمی اور حکمت سے ان کو سمجھاتے۔ ایک مرتبہ بیان کرنے والے نے بیان میں یہ کہہ دیا کہ تبلیغی تحریک سے پہلے ہندستان میں کوئی دعوتی کام نہیں ہوا تو حضرت مولاناؒ نے ان کو ہندستان کی اسلامی تاریخ کے حوالوں سے بتایا اور سمجھایا کہ کام ہوا ہے۔ شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ، سید احمد شہیدؒ اور شاہ ولی اللہؒ جیسے مشائخ کے دعوتی واصلاحی کارنامے بیان کر کے ان کو نرمی سے سمجھایا۔

۱۹۹۳ء میں کاپودرا میں یا ''والیہ'' تحصیل کے کسی گاؤں میں علاقہ کی دینی پسماندگی کو مدنظر رکھتے ہوئے گجرات کا تبلیغی اجتماع ہوا؛ ایسی حضرت والاؒ کی تمنا تھی اور اس سلسلہ میں مشورہ کرنے کے لیے کاپودرا میں علاقہ کے ذمہ داروں کا اجلاس رکھا تھا۔ حضرت والاؒ نے بڑے شدومد سے بیان کیا کہ اجتماع والیہ کے علاقہ میں ہو، لیکن اس مشاورتی جلسہ میں ترکیسر والے بازی لے گئے اور اجتماع ترکیسر میں طے کرایا، ہم نے بھی ترکیسر والوں کی بات کی تائید کی تھی۔ حضرت والا نے مسکراتے ہوئے مجھ سے فرمایا تو نے بھی ہماری تائید نہیں کی۔ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ حضرت والا دعوتی کام سے بھی دل چسپی لیتے تھے؛ اپنے اہتمام کے زمانہ میں دہلی نظام الدین سے مدرسہ کے سالانہ جلسہ سے پہلے جو اکابر تبلیغ طلبہ کی تشکیل کے لیے آتے، ان کا خوب اکرام فرماتے اور اپنے گھر لے جا کر ان کی خوب خاطر مدارات فرماتے، طلبہ کے جماعت میں نکلنے سے بہت خوش ہوتے۔

بہ حیثیت مفکر ملت:

آپ کا فکر بہت بلند تھا۔ اسلامی تاریخ کے نشیب وفراز اور اتار چڑھاؤ سے بڑی واقفیت رکھتے تھے۔ داعی الی اللہ اور اسلامی مفکر کے لیے اسلامی تاریخ سے واقف ہونا ضروری ہوتا ہے۔ گویا کہ حضرت مولانا سید علی میاںؒ کی مشہور زماں کتابیں ''عروج وزوال، تاریخ دعوت وعزیمت، اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' کے اکثر مضامین آپ کو یاد تھے۔ مشہور مقولہ '' الجنس یمیل الی الجنس '' کے مطابق آپؒ چوں کہ مفکرانہ اور مدبرانہ ذہن رکھتے اور تاریخی مذاق کے مالک تھے؛ اس لیے حضرت والاؒ نے حضرت مولانا علی میاںؒ کی تالیف کردہ کتابیں داخل نصاب کیں، ان کی کتابیں منگوا کر پڑھتے، طلبہ کو دیتے۔ آخر میں تو حضرت کی کتابوں کا پورا سیٹ منگوایا اور اس کو اپنے مکتبہ میں الگ خانہ میں سجا کر '' ابو الحسنیات '' کے نام سے موسوم کیا۔ مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاںؒ کی کتابوں کے مطالعہ، ان کی بابرکت صحبتوں اور ان سے دیرینہ خط وکتابت کے سلسلہ نے حضرت والاؒ کو بھی مفکر ملت بنا دیا۔

عالمی احوال سے واقفیت:

وہ عالم اسلام اور دنیا میں پھیلی ہوئی ملت اسلامیہ پر گہری نظر رکھتے اور عالمی احوال سے بھی واقف رہتے۔ فرق ضالہ، باطل تحریکات اور اسلام مخالف دشمنوں کی ریشہ دوانیوں سے نہ صرف مطلع رہتے، بل کہ ان کے توڑ اور اثر کو کم کرنے کے لیے طریقے اور نسخے بتاتے۔ فلاح دارین کے طلبہ ایسے باطل نظریات اور دشمنوں کی اسلام مخالف چلائی ہوئی اسکیموں اور ازموں سے واقف رہیں؛ اس کے لیے نصاب تعلیم میں ''الغزو الفکری'' اور ''مقارنہ الأدیان'' جیسے مضامین داخل کرائے۔ دار العلوم میں اسلام میں عورت کا مقام، قادیانیت اور شیعیت جیسے عناوین پر اس میدان میں ماہر اور سرگرم عمل شخصیات کو مدعو کرکے سیمینار کرائے۔

جب ۱۹۷۹ء میں ایران میں شاہی نظام ختم ہوا اور شیعیت نے زور پکڑا، تو طلبہ کو اس فن سے واقف کرنے کے لیے کتابیں منگوائیں۔ اس سلسلہ میں حضرت مولانا منظور نعمانیؒ کی تالیف کردہ کتاب "اسلام اور شیعیت" کو خوب عام کیا۔ طلبہ کو کتابی شکل میں جو سالانہ انعام دیا جاتا تھا اس انعام میں اس کتاب کو شامل کیا۔ اس زمانہ میں دارالعلوم میں "النادی العربی" کے پلیٹ فارم سے عربی رسالہ "صوت الحق" نامی نکلتا تھا۔ حضرتؒ نے اس کے لیے مجھ سے شیعیت اور سبائیت کے رد میں اداریہ لکھوایا۔

۱۹۹۱ء میں جب پہلی خلیجی جنگ ہوئی اور اس میں عربوں کی شکست ہوئی اور ان کی عسکری کمزوری اور بے بسی سامنے آئی، تو مجھ سے عربی زبان میں آیت قرآنیہ ﴿واعدو لهم ما استطعتم﴾ کی روشنی میں بعض عرب ملکوں کے متعلقہ اداروں کو عربی زبان میں خط لکھوایا۔ اور عربوں کی عسکری طاقت کو موثر، منظم اور مضبوط کرنے کا مشورہ دیا۔

مختلف زبانوں کے ادیب:

آپؒ ہماری متداول زبانوں عربی، اردو اور گجراتی پر اچھی پکڑ رکھتے تھے۔ آپؒ جہاں ان زبانوں میں شیریں بیان خطیب و واعظ تھے، وہیں ان زبانوں میں قلم کار بھی تھے۔ عربی، اردو اور گجراتی میں لکھی ہوئی آپ کی کتابوں میں اور صدائے دل کی چار جلدوں میں آپؒ کے بیان فرمودہ بیانات اس کے جیتے جاگتے شواہد موجود ہیں۔

بہ حیثیت عربی ادیب:

آپؒ پورے گجرات میں خاص طور پر اور ہندستان میں عموماً جو عربی زبان کا صاف ستھرا ذوق رکھنے والے معدودے چند ادبا پائے جاتے ہیں، ان میں سے ایک تھے؛ چوں کہ عربی زبان کتاب وسنت اور اسلامی تہذیب وثقافت کی زبان ہے، حضرتؒ کو اس سے حد درجہ محبت تھی، اس کی تعلیم وترویج اور طلبہ میں عربی لکھنے، بولنے اور مافی الضمیر کو عربی میں ادا کرنے کی صلاحیت پیدا ہو، اس پر خوب زور دیتے تھے۔ مدارس اسلامیہ میں طلبہ کے سامنے ہونے والا آپ کا کوئی بیان عربی زبان میں ہر قسمی استعداد پیدا کرنے پر زور دینے سے خالی نہیں ہوتا تھا۔ فلاح دارین کے طلبہ میں عربی کا بہترین ذوق پروان چڑھے اس کے لیے خصوصی اہتمام کیا۔ اسلامی عربی مصادر کی فراہمی کے لیے انہوں نے عرب ممالک کے دورے کیے اور وہاں کے تجارتی کتب خانوں سے چن چن کر بہت قیمتی اسلامی ادبی کتابوں کا ذخیرہ فلاح دارین کے کتب خانہ میں جمع کرا کے اس کو مدارس اسلامیہ میں پائے جانے والا مکتبوں میں معیاری مکتبہ بنایا۔

حضرتؒ اس کتب خانہ سے خود کتابیں نکال نکال کر طلبہ کو پڑھنے کے لیے دیتے، چھٹیوں میں محنتی طلبہ کو ان کے بعض مضامین کا اردو میں ترجمہ کرنے کا مکلف فرماتے۔ کتب خانہ میں عربی کے جو مجلات اور جریدے آتے وہ طلبہ کو پڑھنے کے لیے دیتے۔ ایک مرتبہ تو جتنے عربی مجلات اور جرائد عرب ممالک میں چھپتے تھے اور سعودی، مصری اور کویتی سفارت خانوں میں آتے تھے ان سفارت خانوں میں کام کرنے والے اپنے علمی دوستوں کے توسط سے ان کو منگوایا اور فلاح دارین میں ''معرض'' یعنی نمائش قائم کر کے نہ صرف فلاح دارین کے طلبہ کو ان سے مطلع کیا، بل کہ قرب وجوار کے مدارس کے باذوق طلبہ بھی کو دعوت دے کر ان کو بھی ان مجلات سے واقف کرایا۔

فلاح دارین میں النادی العربی کا قیام:

سرزمین گجرات پر پائے جانے والے مدارس میں فلاح دارین کو یہ شرفِ اولیت حاصل ہے کہ طلبہ میں عربی بولنے لکھنے کی صلاحیت پیدا کرنے کے لیے ''النادی العربی'' نامی عربی انجمن کا قیام ۱۹۶۷ء میں سب سے پہلے عمل میں آیا۔ جس کی تاسیس کا سہرا حضرت والاؒ کے سر ہے اور اس کے نشاطات اور سرگرمیوں اور پروگراموں کو چلانے کے لیے حضرت والاؒ نے ادیب زماں حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کے ایک مایہ ناز شاگرد حضرت مولانا نور محمد دیوریاوی قاسمی دامت برکاتہم کو مدعو کیا۔ عربی میں لکھنے بولنے کی مشق کے سلسلہ میں اس ناچیز کو بھی ان کا مشفقانہ تعاون حاصل رہا۔

استاذ محترم حضرت مولانا نور محمد صاحب اس وقت مکۃ المکرمہ میں مقیم ہیں اور اپنے کاروبار کے ساتھ عربی میں تصنیف کا کام بھی فرماتے ہیں۔ ''ادام اللہ فیوضہم''

عربی کا ذوق بنانے میں میرے ساتھ خصوصی عنایت کا معاملہ:

یہ ناچیز چوں کہ زمانہ طالب علمی میں حضرت والاؒ اور مشفق اساتذہ کرام کے توجہ دلانے سے عربی بولنے، لکھنے اور سیکھنے میں دل چسپی لیتا تھا۔ اور النادی العربی کے پروگراموں میں نمایاں طور پر حصہ لیتا تھا تو حضرت والاؒ نے مجھ کو اپنی خصوصی عنایتوں سے نوازا اور عربی زبان میں میرا کچھ ذوق بن جائے اس کے لیے قدم قدم پر رہنمائی کی۔ ہم جب عربی کے ابتدائی درجات میں تھے اور کوئی استاذ صاحب چھٹی پر ہوتے تو دفتر اہتمام میں ہم کو طلب فرماتے۔ سبق یا آموختہ سنتے اور صرفی نحوی سوالات کرتے۔ اگر ہم صحیح جوابات دیتے تو بہت خوش ہوتے ورنہ تحقیق کے لیے فرماتے۔ اللہ کے فضل سے میں اکثر صحیح جوابات دے پاتا یا تحقیق کر کے بتاتا، اس لیے حضرت والاؒ بھی خصوصی توجہ فرماتے رہتے۔

اچھی اچھی عربی کتابیں اور رسائل مطالعہ کے لیے عنایت فرماتے۔ عبداللہ بن مقفع کی " کـلـیـلـة دمنة " دکتور احمد امینؒ کی " زعمـاء الاصلاح، حياتي ، إلى ولدي " مکہ سے شائع ہونے والا عربی مجلّہ "رابطه العالم الاسلامی " مجلّہ " الحج " اور بغداد سے شائع ہونے والا " التربية الاسلامية " ندوہ سے شائع ہونے والا " البـعـث الاسلامـي " اور " الـرائـد "جمعیۃ العلماء سے شائع ہونے والا مجلّہ "الـكـفـاح" وغیرہ۔ رسائل اور دیگر علما و ادبائے معاصرین کی کتابیں پڑھنے کے لیے دیتے۔ میں کبھی کبھی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاںؒ کی " ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمين، الصراع بين الفكـرة الغربية والفكرة الاسلامية " وغیرہ کتابوں سے کچھ صفحات دفتر میں جا کر سناتا۔ النادی کے پروگراموں کے لیے جو تقریریں اور مکالمات لکھتا ان کی تصحیح کراتا تو آپ بہت مسرور ہوتے اور مناسب رہنمائی فرماتے۔ عرب شخصیات اور اداروں کو بھیجے جانے والے خطوط مجھ سے لکھواتے، النادی کے پروگراموں میں شرکت کے لیے مدعو علمی شخصیات کے لیے عربی میں سپاس نامے تیار کراتے۔ یہ سلسلہ ۱۹۹۳ء میں فلاح دارین سے حضرت والاؒ کے ضابطہ کی علیحدگی اور اس کے بعد بھی کئی سالوں تک جاری رہا۔ ہم جو کچھ ٹوٹی پھوٹی عربی میں لکھنے اور بولنے کے قابل ہوئے اس میں حضرت والاؒ کی توجہات کا بڑا دخل ہے۔

مجھ ناچیز میں عربی کا مزید ذوق پروان چڑھے اس کے لیے بندوبست کر کے دارالعلوم ندوۃ العلما میں عربی ادب کا کورس کرنے کے لیے بھیجا۔ وہاں کے ذمہ داران اور اساتذۂ کرام کو میری طرف خصوصی توجہ دینے کے سلسلہ میں خطوط لکھتے رہتے، جس سے مجھ کو وہاں کے مایۂ ناز اساتذۂ کرام کی خصوصی عنایتیں حاصل رہیں، ان اساتذۂ کرام نے ہی جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ جانے والے طلبہ میں میرا انتخاب کیا۔ فجزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء

چار سال جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں گزارنے کے بعد فلاح دارین میں میرا تقرر فرما کر مجھ کو ممنون کیا۔ حضرت والاؒ کو النادی کی سرگرمیوں کو فعال بنانے اور نصاب میں نئے مضامین داخل کرنے کے سلسلہ میں جو بھی مشورے دیئے حضرت والاؒ نے خوردوں کی ہمت افزائی کرنے کی اپنی عادت کے مطابق ان مشوروں کو قبول کیا۔

بہ حیثیت مصلح و مربی:

حضرت والاؒ ایک بڑے مصلح و مربی تھے۔ بزرگوں کی صحبتوں سے مستفیض ہوئے۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت شیخ زکریاؒ، حضرت مولانا سید علی میاں ندویؒ، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ، حضرت مولانا علامہ قاری صدیق باندویؒ وغیرہ اکابرین سے مراسلانہ مراسم رہے۔ ان کی صحبتیں اٹھائیں اور بہت سوں نے ان پر اعتماد کر کے ان کو خلعت خلافت سے نوازا۔ کچھ سال رمضان المبارک میں اپنے وطن کاپودرا میں خانقاہی نظام بھی چلایا۔ ان دنوں عشا و تراویح کے بعد معتکفین اور قرب و جوار سے آنے

والوں کو اپنے اصلاحی بیانات سے نوازتے، شادی بیاہ، اصلاح معاشرہ، مدارس ومکاتب کی سنگ بنیاد اور ان کے سالانہ جلسوں کی مناسبت سے عوام میں بیان فرماتے۔ اپنے بیانوں میں عقائد واخلاق کی درستگی وصفائی معاملات پر زور دینے کے ساتھ آنگنوں اور محلوں کی صفائی ستھرائی پر بھی زور دیتے۔ فضول خرچی، نام ونمود، تضییع اوقات وغیرہ جیسی سماجی برائیاں چھوڑنے کی تاکید فرماتے۔

سماجی خدمات:

آپ سماج سیوک بھی تھے۔ اسپتال، عصری اسلامی اسکول وغیرہ اور رفاہ عام کے کام کرنے والوں کی ہمت افزائی فرماتے۔ اپنے گاؤں کاپودرا میں ایک معیاری عصری اسلامی اسکول قائم کیا۔ ۲۰۰۱ء میں کچھ بھوج میں جب زلزلہ آیا تو متاثرین کی ساز وسامان بھیج کر کافی امداد فرمائی۔ قومی فساد، سیلاب یا زلزلہ جیسی ناگہانی آفتوں سے متاثر لوگوں کی امداد کے لیے علاقہ میں ایک رفاہی انجمن قائم کی، نوجوانوں کا ذہن دینی بنے، ان میں اسلامی اخلاق وتہذیب آئے اس کے لیے مختلف علاقوں میں دینی کتابوں کی لائبریریاں قائم کرنے کی فکر کی۔ آپؒ ہمیشہ ایسے کاموں کے افتتاحی اجلاسوں میں یہ حدیث سناتے " **الخلق عيال الله وأحب الناس الى الله انفعهم لعياله** "اور فرماتے " **خير الناس من ينفع الناس** "۔

۲۷ رسالہ دورِ اہتمام:

حضرت والا کا سب سے بڑا کارنامہ؛ جس نے آپ کو دنیا میں چمکایا اور مفکرِ ملت اور تعلیمی رفارمر بنایا، وہ فلاح دارین کا آپ کا دورِ اہتمام ہے۔ جس مدت میں آپ نے فلاح دارین کو شبانہ روز کی فکروں اور کاوشوں سے ترقی کے بام عروج پر پہنچایا، آپ نے اس میں تدریسی خدمات انجام دینے والے ہر فن کے ماہر اساتذہ جمع کیے، مختلف شعبے اور طلبہ کی انجمنیں قائم کیں، فلاح دارین میں شعبۂ قرأت وتجوید کا قیام اور قرأت سبعہ کے دروس کو شروع کرایا؛ یہ آپؒ کی زبردست سنت حسنہ ہے۔ سبعہ کا درس شروع ہو، اس کے لیے ماہر فن قاری کی خدمات حاصل کرنے کے لیے آپ نے لمبا سفر کیا، جس میں آپ کو استاذ القرأت حضرت قاری مقری انیس صاحبؒ جیسا ماہر فن اور استاذ کریم دریافت ہوا، اس طویل سفر کی روداد آپ اپنے البیلے انداز میں سناتے رہتے تھے۔ گجرات میں بل کہ پورے ہندوستان میں فن تجوید وقرأت کی جو نشاۃ ثانیہ ہوئی ہے، اس میں حضرت والاؒ کی توجہات اور کوششوں کا بہت بڑا حصہ شامل ہے۔ اس سے متعلق اساتذۂ کرام حضرت قاری مقری انیس صاحبؒ، حضرت قاری عباس دھرم پوریؒ، حضرت قاری صالح صاحب دامت برکاتہم اور حضرت قاری انیسؒ کے مایہ ناز شاگرد حضرت قاری مقری صدیق احمد صاحب سانسرودی دامت برکاتہم کی ہمت افزائی اور حوصلہ بڑھاتے رہے اور الحمد للہ آج سیکڑوں قرائے حفص وسبعہ وعشرہ ہندستان اور بیرون ملک میں اس فن کی نشر واشاعت میں لگے ہوئے ہیں۔ دعا ہے کہ یہ سب خدمات اللہ تعالیٰ حضرت کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔

عربی زبان کے بارے میں خدمات:

اسی طرح فلاح دارین میں عربی زبان سکھانے والے ماہر فن اساتذۂ کرام کی خدمات حاصل کیں اور النادی العربی جیسی انجمن قائم فرمائی، جس کی بہ دولت آپ کے ذوق عالی اور خاص نہج وطریقہ کار پر کام کرنے والے عربی زبان کے باذوق اور قابل اساتذۂ کرام تیار ہوگئے؛ جو گجرات کے مختلف مدارس میں عربی کی تعلیم دے رہے ہیں۔ بہت سے مدارس میں اردو انجمن کے ساتھ النادی العربی یعنی عربی انجمن کا قیام بھی عمل میں آیا ہے، جس کے تحت طلبہ میں عربیت کا ذوق پیدا کرنے اور بڑھانے کی محنتیں ہو رہی ہیں۔ اور دھیرے دھیرے عربی میں لکھنے اور کلام کرنے والے اساتذہ تیار ہو رہے ہیں۔

یہ ناچیز تقریباً ۲۰ رسالوں سے گجرات کے مختلف مدارس میں ان کے نادی عربی کے سالانہ جلسوں اور مسابقتی پروگراموں میں بہ حیثیت مہمان خصوصی یا حَکَم کے مدعو کیا جاتا ہے اور پروگرام کے اختتام پر موقع محل کے مناسب حال عربی میں مہمان خصوصی کی حیثیت سے کلمات پیش کرتا ہے۔ عربی زبان کی تعلیم اور اس میں ہر قسمی مہارات طلبہ میں پیدا ہو، اس سلسلہ میں حضرت والاؒ سے جو کچھ سیکھا اس کی روشنی میں اپنے معروضات اور تجربات پیش کرتا ہے، جس سے طلبہ کو فائدہ ہوتا ہے۔ **والحمد لله على ذالك !**

اور جیسا کہ بیان کیا کہ دھیرے دھیرے گجرات کے مدارس میں عربی زبان کو بہ حیثیت زندہ زبان پڑھانے کا رجحان پیدا ہو رہا ہے۔ طلبہ بھی عربی سے دل چسپی لینے لگے ہیں اور ہم سمجھتے ہیں کہ یہ جو دھیرے دھیرے عربی کا ماحول بن رہا ہے، اللہ تعالیٰ حضرت والاؒ کو ان کاوشوں اور فکروں کا بھرپور اجر دے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ!

دینی علمی اور اصلاحی شخصیات سے ربط:

حضرت والاؒ میں ایک بڑا عمدہ وصف یہ بھی تھا کہ موقع بہ موقع ہندستان کی دینی، علمی اور اصلاحی شخصیات کو مدعو فرماتے۔ خود بھی تعلیم وتربیت کے میدان میں ان سے مشورہ لیتے اور طلبہ کے لیے بھی ان سے استفادہ کا موقع فراہم کرتے۔ ان کے زمانۂ اہتمام میں فلاح دارین میں بہ حیثیت مہمان خصوصی یا بہ حیثیت محاضر؛ جن کا ورود مسعود ہوا، ان میں سے حضرت مولانا قاری طیب صاحبؒ، حضرت مولانا سید علی میاںؒ، حضرت مولانا شاہ مسیح اللہ خانؒ، علامہ قاری صدیق صاحب باندویؒ، حضرت مولانا سید رابع صاحب، حضرت مولانا قمر الزماں صاحب دامت برکاتہم اور عصری تعلیم سے تعلق رکھنے والوں میں حضرت مولانا سعید اکبر آبادی

سابق وائس چانسلر مسلم علی گڑھ یونی ورسٹی، سید حامد میاں دار العلوم ندوۃ العلما اور جامعہ دیوبند کے بہت سے قابل اساتذۂ کرام؛ جن میں حضرت مولانا وحید الزماں کیرانویؒ، حضرت مولانا نذر الحفیظ دامت برکاتہم وغیرہم، جن کی اصلاحی باتوں، تجارب اور مشوروں سے طلبہ کا علمی واخلاقی معیار بلند کرنے میں مدد ملی اور ان کے ہمت افزا تاثرات، جو نوٹ بک میں ریکارڈ ہیں ذمہ داران کو بڑا حوصلہ ملا۔

محسنین کا ممنون رہنا:

ایک نمایاں وصف جس کو محسوس کرنے والوں نے ان میں محسوس کیا، وہ محسنین کے احسانات کا ہمیشہ ممنون ومشکور رہنا ہے۔ راوت فیملی کے افراد کا بہ طور خاص الحاج یوسف راوتؒ، الحاج موسیٰ راوتؒ اور الحاج غلام راوت کا بڑا ہی اکرام کرتے۔ اس لیے نہیں کہ ان سے کوئی مادی منفعت ان کو حاصل ہوتی تھی، بل کہ اس لیے کہ یہ اصحاب خیر حضرات فلاح دارین کی جملہ ضروریات چاہے وہ تعمیری لائن کی ہو یا تعلیمی لائن کی، حضرتؒ کی مرضی کے مطابق اس کو خندہ پیشانی کے ساتھ پوری فرماتے اور مالیات کی فراہمی کے بارے میں آپؒ کو فارغ البال کر کے طلبہ کے تعلیمی اور تربیتی امور کے لیے یکسو کر دیا تھا؛ یوں آپؒ کے اکثر اوقات اور فکریں طلبہ کا معیار تعلیم بڑھانے اور ان کی دینی، اخلاقی تربیت کرنے پر مرکوز ہو گئیں۔

نیز راوت فیملی کی دوسری نوجوان نسل میں دار العلوم سے محبت باقی رہے، اس کی خدمت کر کے اس کے کاموں کو آگے بڑھانے کا جذبہ ان میں موجزن رہے اس کی بھی انہوں نے فکر کی، راوت فیملی کے نوجوانوں کو علم دین اور خدمت دین کی اہمیت سمجھائی، مدرسہ کی خدمات سے ان کو واقف کراتے۔ جب وہ ہندستان آتے تو انگریزی اور تجوید قرآن کی درس گاہوں میں لے جاتے اور طلبہ کے پرفومنس (کارکردگی) ان کے سامنے لاکر ان کو اعتماد دلاتے۔ یوں الحمد للہ! راوت فیملی کی دوسری نسل مدرسہ کے کاموں سے دل چسپی لینے والی تیار ہو گئی۔ ان میں سرفہرست حضرت مولانا خلیل بن الحاج موسیٰ راوت، الحاج فاروق بن الحاج یوسف راوت اور الحاج عبد الخالق بن الحاج غلام راوت ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کی عمروں میں عافیت کے ساتھ برکت عطا فرمائے۔ اور امید ہے کہ مولانا خلیل راوت صاحب جواب بہ قول حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی رئیس الجامعہ کی جگہ پر ہیں۔ وہ بھی حضرت والاؒ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے راوت فیملی کے نوجوانوں کی تیسری نسل تیار فرمائیں گے۔

چھوٹوں کی حوصلہ افزائی:

حضرت والاؒ کو جب اپنے تربیت اور تعلیم یافتاؤں کی علمی، دعوتی اور دینی کسی کاوش کے بارے میں معلوم ہوتا تو بہت خوش ہوتے، ان کی حوصلہ افزائی فرماتے، اس بارے میں مناسب مشوروں سے نوازتے، دوسروں کے سامنے اس کا ذکرِ خیر فرماتے۔ کامیابیوں پر مبارک باد دیتے، میرے بارے میں جب حضرتؒ کو معلوم ہوا کہ میں مدارس میں نادی کے جلسوں میں کچھ عربی بول لیتا ہوں تو بہت ہمت افزائی فرمائی۔ نادی کے جلسوں میں مجھ کو اپنے ساتھ رکھتے اور کبھی نادی کے جلسہ میں دعوت دینے والوں کو یہ کہہ کہ معذرت فرماتے کہ اب یہ کام آپ لوگ مولوی اقبال صاحب سے لیجیے، وہ عربی اچھا بول لیتے ہیں اور اچھا لکھ لیتے ہیں، اس لیے ان کو استعمال کیجیے۔ **فجزاهم الله تعالیٰ علی هذا التشجيع والحفيز**.

یہ ہمت افزائی صرف فلاحی حلقہ سے تعلق رکھنے والے اہل علم تک محدود نہیں تھی، بل کہ ہر ایک کے ساتھ ان کا یہ مشفقانہ اور مشجعانہ معاملہ تھا؛ جو بھی ان سے اپنی عملی کاوش پر تقریظ لکھوانے کے لیے گیا یا اس بارے میں رہبری کا خواست گار ہوا؛ حضرت والاؒ نے دل کھول کر تعریفی اور تائیدی کلمات لکھ کر یا رہبری فرما کر اس کو ممنون و مشکور کیا۔ کتابوں پر لکھے ہوئے تقریباً سو سے زائد مقدمات اس کا بین ثبوت ہیں۔

ہر مدرسہ کو اپنا مدرسہ سمجھا:

اگر چہ آپؒ نے اپنی عمر مستعار کا اکثر حصہ فلاح دارین کے اہتمام اور اس کی سرپرستی میں صرف کیا، لیکن آپ ہر دینی ادارہ کو بھی اپنا ہی ادارہ سمجھتے۔ کئی مدارس کے آپ سرپرست اور بعض کی مجالس شوریٰ کے رکن رکین تھے؛ کسی بھی ادارہ کے ذمہ داران کو کبھی بھی مناسب رائے دینے سے گریز نہیں کیا، بہت سے مدارس کی تعمیری ضروریات پوری کرنے کے لیے بھی اصحاب خیر کو متوجہ کیا۔ مدارس کے تعلیمی معیار کو بلند کرانے کے لیے اہل مدارس کو اپنے گاؤں کا پودرا میں جمع کر کے توجہ دلائی، جب بھی کسی مدرسہ کا سفیر آپؒ سے ملنے گیا خود بھی کچھ نہ کچھ عنایت فرما کر مالی تعاون کیا اور اس کی رہبری کی۔ ایک مرتبہ ''بھاڑ بھت'' میں حضرت ربیع بن صبیح تابعیؒ سے موسوم مدرسہ کے سنگ بنیاد کے لیے تشریف لے گئے، تو بیان کے بعد جب حاضرین سے مالی تعاون کی اپیل کی تو سب سے پہلے اپنا چندہ پیش کر کے ابتدا کی۔

آپؒ کی تالیف کردہ کتابیں:

حضرت والاؒ فلاح دارین کے ۲۷ سالہ دور اہتمام میں اگر چہ تصنیفی و تالیفی کام کی طرف زیادہ توجہ نہ دے سکے، لیکن ۱۹۹۳ء کے بعد جب آپ نے اپنے نجی اعذار کی وجہ سے فلاح دارین کی باضابطہ خدمت سے معذرت کر لی تو آپؒ اس

کام کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور کئی کتابیں عربی، اردو اور گجراتی زبان میں تالیف فرما کر شائع کیں، اس وقت ان کے تفصیلی جائزہ کا موقع نہیں۔ حضرت والاؒ کی حیات وخدمات اور اوصاف پر اکتوبر ۲۰۱۸ء میں دار العلوم فلاح دارین میں سیمینار ہونا طے پایا ہے، امید ہے کہ ضرور کوئی "حضرت مفکر ملت اپنی تالیفات وتصنیفات کے آئینہ میں" اس عنوان کو اپنے مقالہ کا عنوان بنائے گا؛ یہاں صرف چند کتابوں کے نام ذکر کیے جاتے ہیں:

(۱) اضواء علی تاریخ الحرکۃ العلمیۃ فی گجرات (۲) علامہ بدر الدین عینیؒ اور علم حدیث میں ان کا نقش دوام (۳) افکار پریشاں (۴) صدائے دل بیانات کا مجموعہ ۴ رجلدیں (۵) دیوان امام شافعیؒ

کانفرنسوں، علمی اور ادبی سیمیناروں میں شرکت:

حضرت والاؒ چوں کہ راسخ عالم دین، مفکر ومدبر، ایک علمی اسکالر، تعلیمی رفارمر اور عربی، اردو اور گجراتی کے بہترین ادیب تھے؛ اس لیے ملک اور بیرون ملک میں منعقد ہونے والے اکثر علمی، دینی فکری اور ادبی کانفرنسوں، سیمیناروں اور کنونشنوں میں مدعو کیے جاتے۔ آپ ان میں کبھی اپنا قیمتی مقالہ پیش فرما کر یا موضوع سے متعلق وقیع توجیہی کلمات فرما کر شرکت فرماتے۔ اخیر میں پیش کی جانے والی توصیات اور پاس کی جانے والی قراردادوں کو تیار کرنے میں حصہ لیتے۔ "صدائے دل نامی" آپ کے بیانوں پر مشتمل کتاب کے جز اول کے شروع میں حضرت والاؒ کے مختصر احوال زندگی کے ضمن میں ان کانفرنسوں اور سیمیناروں کا تفصیلی ذکر ہے۔

اختتامیہ:

یہ ہیں آپؒ کے وہ نمایاں اوصاف اور خصوصیات؛ جن کو میں نے تقریبا ۴۸ رسالوں کی حضرت والاؒ کی شفقتوں کے سایہ میں رہ کر محسوس کیا، جن کو میں نے عجلت میں اختصاراً "مشتے نمونہ از خروارے" کے طور پر سپرد قلم کیا ہے۔ باقی "سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے"۔ اور یہی کہہ سکتا ہوں

"کبھی فرصت سے سن لینا بڑی ہے داستاں میری"۔

اللہ تعالیٰ غریق رحمت کرے حضرت والا کو کہ آپؒ اپنے پیچھے اپنے بہت سے تابندہ نقوش اور کارہائے نمایاں ذکر خیر چھوڑ کر زندہ جاوید ہوگئے۔

اللھم اغفرہ وارحمہ واکرم نزلہ

ہرگز نہ میرد آں کہ دلش زندہ شد بہ عشق
ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

ایک عہد آفریں اور رجال ساز قلندر

بقلم: مولانا محمد فاروق صاحب بڑودوی مدنی

استاذ تفسیر و حدیث جامعہ اکل کوا

اللہ کی اس بسائی ہوئی دنیا میں حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک نہ جانے کتنے لوگ آئے اور چلے گئے اور اپنی اپنی بساط کے مطابق اپنے نقوش سے اپنا نام روشن کر گئے؛ لیکن یہ حقیقت سب کے ساتھ یکساں رہی کہ آئے تھے بھی جانے کے لیے۔ کوئی ایسا نہ تھا جو آیا ہو اور نہ گیا ہو، ہاں! انبیائے کرام علیہم السلام اور ان کے وارثین کی ایک جماعت واقعی ایسی رہی کہ آئی تو آنے ہی کے لیے، اس دنیا سے تو بے شک یہ لوگ بھی رخصت ہوئے لیکن اپنے کارناموں کی انجام دہی، اپنے فرائض سے سبک دوشی اور منصب کے حقوق کی ادائیگی کے باعث وہ زبان و قلم پر ایسے چھائے کہ ان کا نام و مقام زندوں سے زیادہ لیا جاتا ہے۔ یہ کیوں ہوا؟ اور ایسا کیا خاص معاملہ ہے؟

یہ اس لیے ہوا کہ ان حضرات قدسی صفات نے اپنے اندر وہ نور سمو لیا، جس کی کرنیں نہ بجھی ہیں نہ بجھ سکتی ہیں، ایک بار جلنے کے بعد یہ چراغ کبھی بجھنے والا نہیں، ہاں! بے شک ﴿یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم ویابی اللہ إلا ان یتم نورہ ولو کرہ المشرکون﴾ کی حقیقت پیش آ کر رہی۔ اور چراغ علم وہدایت کا جلنا تھا تو وہ جلتا رہا، صحابۂ کرامؓ کی جماعت سے لے کر ماضی قریب کے اکابرین کو دیکھ لیجیے، انہوں نے جس شمع ہدایت کو اپنے ہاتھوں سے جلایا، جب جلا دیا تو اب اسے کوئی بجھا نہ پایا اور بجھا بھی کیسے سکتا ہے؟

''وہ شمع کیا بجھے جس کی حفاظت خدا کرے''

ایسی شخصیات پردۂ عالم سے بے شک روپوش ہو گئیں، لیکن منظرِ ذہن پر ایسی چھائی ہیں کہ ان کا تذکرہ ہمہ وقت، ہر گام ذکرِ خیر کے ساتھ اوراق و بیانات کے ذریعے اور قصص و حکایات کے ذریعے ہوتا ہے۔ یہ بھی ان کے درجات کی بلندی اور ان کے منصب کے تقدس کی ضمانت ہے۔

آج ہمیں علم و عمل کی اس جامع، مردم ساز اور صلاحیت خیز نباضِ وقت ہستی کا ذکر کرنا ہے، جس نے اپنی عمر کی تقریباً چھ دہائیاں اس وادیٔ غیر ذی زرع کی سیاحی اور ان پیچیدہ راستوں میں صحرا نوردی کی؛ کہ جن سے پاؤں کے آبلے پھوٹ جاتے ہیں، زخم خوردہ منزل پر پہنچنے سے پیش تر دم توڑ دیتے ہیں اور عشق وجنوں ناتمام و نامراد ہی لوٹ آتے ہیں، اللہ غریق رحمت فرمائے حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودرویؒ کو؛ جن کی دور رس نگاہ اور ہر فن میں کامل دست گاہ نے طلبا کو کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا۔

یہ حضرت مولانا غلام محمد وستانوی رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کی ذات گرامی ہے۔ موصوف کی ذات میں بھی آپ حضرت رئیس گجرات مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مرحوم کے نالہائے نیم شبی کا اثر دیکھیں گے، جن کی شخصیت دیکھتے ہی دیکھتے چہاردانگ عالم میں چھاگئی۔ اور تجوید وصحت قرآن کی لائن سے بالخصوص اور علوم دینیہ وعصریہ کے سنگم کی لائن سے بالعموم، وہ کارہائے نمایاں انجام دینے میں مصروف ہیں کہ یہ خدمت ایک کرامت سے کم نہیں۔ حضرت مولانا قاسم انگار، حضرت مولانا حسن، حضرت مولانا خلیل راوت، حضرت مولانا یوسف ٹنکاروی، مولانا قاری صدیق صاحب سانسرودی، مولانا اقبال ٹنکاروی اور مولانا اقبال فلاحی مدنی وہ شخصیات ہیں، جو اپنی اپنی ذات سے ایک انجمن ہیں؛ جن کی شمع کے فیض سے ہدایت کے پروانے عالم کے چپے چپے میں اسلام کی روشنی پر پتنگوں کی طرح فدا ہیں۔ **یہ فیض ہے حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کا؛ جنھوں نے اپنے اہتمام کی ذمے داری کو کسی ایک رخ سے محدود نہ رکھا؛ بل کہ فلاح دارین ترکیسر کو دارالعلوم دیوبند کے علم واخلاص کی تابانی، مظاہر علوم سہارن پور کا تصوف وسادگی، مسلم یونی ورسٹی علی گڑھ کی تحقیق وتجسس اور دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کے رعب ادب و تہذیب کا مہکتا گہوارہ بنادیا اور طلبا کو ہمیشہ یہی کہتے رہے:**

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پُر سوز
یہی ہے رختِ سفر میرِ کارواں کے لیے

طلبا کو تنگ ذہنیت سے نکال کر نگاہ کی بلندی، سخت وکرخت لہجہ میں بولنے کے عیب سے پاک کرکے سخن کی دل نوازی اور سست وبے مقصد پڑے رہنے کی طبیعت کو جان کی پرسوزی کی دولت عطا کی۔ ہمیشہ اپنے طلبا اور اپنے وابستگان کو یہی کہتے رہے۔

ظلامِ بحر میں کھو کر سنبھل جا
ہزاروں پیچ کھا کھا کر بدل جا
نہیں ساحل تیری قسمت میں اے موج
ابھر کر جس طرف چاہے نکل جا

حضرت طلبہ کے سامنے بار بار یہ شعر گنگناتے ۔

جاگنا ہو جاگ لے افلاک کے سایہ تلے
تاحشر سوتا رہے گا خاک کے سایہ تلے

مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی الحسنی الندویؒ کی کتاب ''پاجا سراغ زندگی'' کا تذکرہ تو آپ بے شمار بے انتہا کرتے اور کرتے ہی رہتے تھے، طلبا کو کہتے کہ اس کا نام ہی دیکھو پورے شعر کا ایک جز ہے ۔

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

کبھی کبھی اس غزل کے اشعار برجستہ پڑھتے اور طلبا کو حوصلہ دیتے چلے جاتے تھے ۔

من کی دنیا من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا تن کی دنیا سود و سودا فکر و فن
من کی دولت ہاتھ آتی ہے تو پھر جاتی نہیں
تن کی دولت چھاؤں ہے آتا ہے دھن جاتا ہے دھن
من کی دنیا میں نہ پایا میں نے افرنگی کا راج
من کی دنیا میں نہ دیکھے میں نے شیخ و برہمن
پانی پانی کرگئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ کی ہمیشہ یہ خواہش رہی کہ طلبا اپنے ماضی قریب کے اکابر کا پیکر بن جائیں، جو نہایت جامع شخصیات ہوا کرتے تھے۔ وہ ایک طرف اپنے وقت کے مفسر و محدث اور مناظر ہوتے تھے تو دوسری طرف سیاستِ عالم کی بساط الٹ دینے کا حوصلہ رکھتے، ایک طرف جہاں اپنی ذاتی ضروریات کو خود اپنے ہاتھوں انجام دینے والے تھے تو دوسری طرف شاہانِ عالم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر گفتگو کرنے والے۔ ایک طرف اگر وہ مدرسہ کی چہار دیواری میں گھر کر تصوف کے دامنِ رشد وہدایت سے وابستہ ہوکر اپنے طلبا کو پیکرِ علم و رشد بناتے تو دوسری طرف افقِ سیاست سے چمکنے والے ماہ و انجم بناتے۔

حضرت مولانا موصوف اپنے طلبا کو بھی یہی نصیحت کرتے کہ

بر خود نظر گشا ز تہی دامنی مرنج
در سینۂ تو ماہ تمامے نہادہ اند

اپنے طلبا اور اپنی مجلس میں تمام ہی لوگوں سے فرماتے۔

درکفِ جام شریعت در کفِ سندانِ عشق
ہر ہوس ناکے نہ داند جام وسندان باختن

ہمارے اکابر ہر دو مخالف وادی سے پوری حفاظت وصیانت اور پورے تقوی وطہارت کی ستودہ صفات کے حامل بن کر گزر گئے، جنہیں بھی انہیں کے مکمل پرتو مکمل پیکر اور مکمل جانشیں بننا ہے۔

شیخ حسن البنا سے کسی نے پوچھا تھا کہ آپ نے تصنیف کیوں نہیں کی؟ تو فرمایا کہ "اصنف الرجال" حضرت کا حال کچھ ایسا ہی تھا، کہ تصنیف رجال میں عمر گزار دی۔

افراط وتفریط سے گریز:

شریعتِ اسلامیہ میں اعتدال اور میانہ روی ایسی صفت ہے، جو اہلِ سنت والجماعت کا خط امتیاز ہے۔ اسی صفت پر علمائے دیوبند کی پوری جماعت روزِ اول سے قائم ودائم ہے، یہی وہ صفت ہے جس کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے علمائے دیوبند کو پوری دنیا میں وہ مقام عطا کیا جو کسی جماعت کو بڑی مشکل سے ملتا ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر چلنے والے وہ ناظم ومہتمم اور وہ داعی الی اللہ مفکر تھے کہ آپ نے نہ تو اپنی دعوت وگفتگو میں کبھی حدِ اعتدال سے آگے بڑھنے کی بات کی اور نہ ہی دورِ اہتمام کی تقریبا تین دہائیوں پر محیط عرصے میں افراط وتفریط کا شکار ہوئے۔

آپ ہمیشہ اس بات کا اہتمام رکھتے کہ فلاحِ دارین کے جتنے فلاحی وتعلیمی شعبے ہیں سب کو ان کا واجبی حق ملنا چاہیے؛ ایسا نہ ہو کہ جو شعبہ زیادہ اہتمام وتوجہ کے لائق ہے اس پر کم توجہ دی جانے لگے اور جس پر کم توجہ کی ضرورت ہے اسے اتنا بڑھا دیا کہ وطیرۂ زندگی بننے لگے کہ ہر سنجیدہ طبیعت گراں بار ہونے لگے۔

آپ فلاحِ دارین کے تمام شعبہ ہائے تعلیم وتدریس پر یکساں نظر رکھتے، ان کی ترقی اور اشاعت واہتمام کے لیے پورا زور لگا دیتے، اپنی گفتگو سے کبھی ایسی غیر ذمے دارانہ تاثیر کی ترسیل نہ ہونے دیتے؛ جو زبان زدِ خاص وعام ہو جائے اور بعد میں اہلِ اہتمام واہلِ انتظام کو کفِ افسوس ملنا پڑے۔ اسی اہتمام کے پیشِ نظر فلاحِ دارین سے فارغ ہوئے طلبہ اور اس کے مختلف شعبوں سے کسبِ فیض کرنے والے علمائے امت، زندگی کے مختلف میدانوں میں اپنی اپنی بساط کے مطابق چراغِ رشد وہدایت جلا جلا کر امت کو اندھیروں سے نکال رہے ہیں اور ہدایت وعلم کی روشنی پھیلاتے ہوئے اپنی آخرت سنوارتے ہوئے زندگی بسر کر رہے ہیں۔

شفقت ومہربانی:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ " الرفق لا یکون في شيء إلا زانه ولا ینزع من شيء إلا شانه" شفقت ومہربانی جس چیز کا عنصر ہوتی ہے اس میں کمال وجمال اور بہتری پیدا کرتی ہے اور جس چیز سے مہربانی کا عنصر نکال کر بے جا سختی وتندی وسنگ دلی کو اس کا جز بنادیا جاتا ہے تو وہ چیز ناتمام اور بے نتیجہ ہوجاتی ہے۔

آپ کے دورِ اہتمام میں جن آنکھوں نے اس کا مشاہدہ کیا وہ ایسے بے شمار واقعات جانتے اور بیان کرتے ہیں، جن میں **حضرت مرحوم نے محض شفقت ورحم سے معاملہ فہمی اور حل کی راہ تلاش فرمائی۔ نہ ناراض ہوئے نہ ڈانٹا اور نہ ہی ایک طرفہ فیصلے کی کسی صاحب کو نوبت نہ آنے دی، سنجیدگی اور متانت کے ساتھ ہمدردانہ جذبہ واسلوب کے ساتھ بات آگے بڑھادی۔**

اصول کی پابندی:

ہمارے اکابر واسلاف کا یہ امتیازی وصف رہا ہے کہ ہمیشہ اصول وضوابط کی بھرپور پابندی کرتے، اصول وقواعد سے سرمو انحراف کو بھی گوارہ نہ فرماتے۔ کسی ادارہ یا تنظیم کی طرف سے عائد کردہ اصولوں میں وہی ثواب سمجھتے جو عہد کی پابندی میں اللہ کی طرف سے مقرر ہے؛ کیوں کہ اداروں کی طرف سے آنے والے اصول وضوابط (بشرطیکہ نصوصِ شرعیہ سے متعارض نہ ہوں) آدمی ان کو عمل میں لانے کا وعدہ کرتا ہے اور ایفائے عہد وہی وفاشعاری کہلاتی ہے جس کا شریعت نے پابند کیا ہے۔

حضرت مرحوم انتظامی گوناگوں مصروفیتوں کے باوجود اپنے تعلیمی وتدریسی منضبط اوقات کے اس سے کہیں زیادہ پابند تھے، جتنا کہ ایک آدمی یا متوسط درجہ کا استاذ۔ یہی عملی انضباطِ فلاح دارین کے اساتذہ وطلبا میں اتنا موثر ہوتا کہ کسی کو پابندِ اسباق وانضباطِ تعلیم وتدریس کے لیے علاحدہ تلقین وتنبیہ یا میٹنگ واجتماع کی چنداں ضرورت پیش نہ آتی۔

اس کا ایک شرعی فائدہ یہ ہوتا کہ آدمی اپنے قول وفعل میں جب پورا اترتا ہے تو اس کے نتائج دوررس، دیرپا اور دوامی ہوتے ہیں اور کسی کو ﴿اتامرون الناس بالبر و تنسون انفسکم﴾ اور ﴿لم تقولون ما لا تفعلون﴾ کہنے کا موقع نہیں ملتا (اگرچہ ان دونوں آیتوں کا تعلق دعویٰ سے ہے نہ کہ دعوت سے)۔

اس عملی پابندی اور قولی تطبیق سے ابنائے فلاحِ دارین نے کیا سیکھا؟ ہر جگہ ظاہر ہے، جو انضباط و انصرام اور عہد وپیمان کی پابندی فضلائے فلاح دارین میں آج بھی دیکھی جارہی ہے وہ انہی جیسے علمائے ربانیین کی مرہونِ منت ہے؛ جنہوں نے اپنی خواہشات وتمناؤں کو قربان کرکے ایک مجاہدانہ اور سرفروشانہ عمل کے ذریعہ ایک ایسی کھیپ تیار کردی جو جیتے جی دین وایمان پر مرمٹنے والی اور آخرت میں مرنے کے بعد اپنے رب کی رضا پانے والی، بل کہ کہنا چاہیے کہ ایک بھاری تعداد کو جنت ورضوان کی مستحق بنانے والی ہوگی۔

استغنا اور علمی رسوخ:

حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودرویؒ وہ ایسی شخصیت تھے، جنہوں نے اکابرین واسلاف کے ستودہ اوصاف میں بالخصوص استغنا اور علمی رسوخ کو اپنے اندر ایسے سمویا تھا جیسے جہاں دن پایا جائے گا وہاں سورج کا نکلنا لازمی قرار دیا جائے گا، جہاں سایہ ہوگا وہاں سایہ والا بھی لازماً ہوگا۔

حدیث شریف میں آتا ہے "ازهد في الدنيا يحبك الله و ازهد فيما عند الناس يحبك الناس" دنیا سے بے رغبت اور مستغنی ہوجاؤ اللہ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور دنیا کی چیزوں سے بے اعتنائی اور استغنا برتو دنیا کے لوگوں میں تمہاری بھرپور چاہت پیدا ہوجائے گی۔

طلبہ کو بھی کامیابی کے چار گر بتاتے تھے: (۱) اخلاق میں بلندی (۲) احساسِ ذمہ داری (۳) لباس میں سادگی (۴) علم میں پختگی۔

مولانا موصوف کی ذاتِ گرامی گویا اس حدیثِ مبارکہ کا عملی پیکر اور علمی مجسمہ تھی، دنیا سے ایسی بے پرواہی کہ اللہ کی پناہ! کبھی دنیاوی کوئی چیز آپ کو غفلت کا شکار نہیں بناسکتی تھی، حتی کہ نیند جو ایک جزء لاینفک کے طور پر صحت کے لیے تقریباً ضروری ہے، لیکن اللہ کے حکم کے سامنے وہ غیر اللہ اور دنیا ہے، رات بھر جلسے جلوس یا کسی دینی مشغولیت کی وجہ سے جاگنے کے بعد فجر کی نماز میں تہجد کے وقت ہی سے موجود رہتے۔ ایسا لگتا تھا کہ رات بھر سوئے ہیں اور نیند سے بیدار ہوکر تازہ دم فجر کی نماز میں ہشاش بشاش حاضر ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے آپ سے محبت کی ہے اور آسمان والوں میں ضرور اعلان کرایا ہوگا کہ آسمان والو! تم بھی محبت کرو اور پھر روئے زمین پر آپ کی محبت ومقبولیت کو پھیلا دیا گیا تھا۔ اسی طرح دوسروں کے پاس کیا ہے؟ کون سی چیز ہے اور کتنی قیمتی ہے؟ نظر اٹھا کر بھی دیکھنا گوارہ نہ فرماتے۔

اکابرین سے عشق ومحبت:

سچ ہے کہ ماضی قریب کے اکابرینِ امت نے جس طرح دین کو صحیح صحیح سمجھا اور عملی طور پر اس کی تبلیغ فرما کر دوسروں تک پہنچایا وہ انہیں کا حصہ تھا۔ ان اکابرینِ امت سے محبت کرنا اور عشق کی حد تک انہیں چاہنا، انہیں اٹھانا اور قدر ومنزلت کی نظر سے دیکھنا؛ دین سے محبت اور دین کی قدر ومنزلت کرنے کے درجے میں ہے۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مرحوم کو اپنے اکابرین سے کتنا عشق تھا یہ ہر وہ شخص سمجھ سکتا ہے جو آپ کی مجلس میں دو چار مرتبہ بیٹھ چکا ہو۔ کبھی حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ موضوعِ سخن ہیں، تو کبھی مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بانی دارالعلوم دیوبند، کبھی حضرت رشید احمد گنگوہیؒ کی نغمہ سنجی سے مجلس کو گرم کیے ہوئے ہوتے، تو کبھی حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کی زمزمہ سنجی، حضرت مولانا شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ، مولانا حسین احمد مدنیؒ اور کبھی حضرت شیخ الحدیثؒ کے تذکرے اور نہ جانے کتنے اکابرین امت کا اور کب کب اور کیسے کیسے اپنے ملفوظات و بیانات میں حضرت موصوف نام و تذکرہ لے آتے کہ آدمی بے ساختہ پکار اٹھتا ؎

محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی

ذرا آہستہ آہستہ ادھر رجحان پیدا کر

اور یہ بات بجا بھی ہے کہ جب کسی کو، دوسرے سے عشق کے درجے کا تعلق ہوتا ہے تو وہ اپنے اندر موجود یا غائب دونوں حالتوں میں اپنے معشوق کا اثر پاتا ہے۔ اس کی یاد سے اس کا دل لبریز ہوتا ہے، اس کا محبوب غائب بھی ہو تو اس کا دل اس کی محبت سے آباد اور بارونق ہوتا ہے۔ ابوالطیب متنبی نے ایسے ہی مواقع کے لیے شاید نہیں یقیناً یہ کہا ہے ؎

العشق كالمعشوق يعذب قربه

للمبتلي و ينال من حوبائه

حضرت رئیس صاحب دامت برکاتہم کا اکابرین واسلاف سے عشق ہی وہ جوہر ہے، جو آپ کے انتظام وانصرام فلاح دارین کے دور میں، اس وقت کے طلبہ واساتذہ میں بالخصوص منتقل ہوا اور فضلائے فلاح دارین نے جہاں اپنے ادارے سے کسب کردہ فیض سے آیندہ نسل کو فیض یاب کیا، وہیں وہ معنوی عشق اکابر بھی اپنے دل کی گرم چنگاری کے ساتھ آنے والی نئی پود کو بانٹتے رہے اور لوگوں میں اپنے اکابر و اسلاف سے عشق ومحبت پیدا کرتے رہے۔

اس کی بنیادی وجہ یہ ہوئی کہ اگر ہم اپنے سلسلے کو محفوظ رکھتے ہیں تو ہمارے دین وایمان اور عمل واحکام کا اعتبار مضبوط و مستحکم ہوتا ہے۔ اور اگر ہم اپنے سلسلے کو محفوظ نہیں رکھتے اور خود ہی اپنے بڑے ہونے کا دعویٰ پیش کرتے ہیں تو بڑائی کا کیسے اور کس کو اعتبار ہو سکتا ہے؟ کیوں کہ دینی بڑائی خود سے پیدا نہیں ہوتی، بل کہ دین جیسے منقول ہو کر آیا ہے اس کی بڑائی بھی منقول ہو کر ہی آئے گی۔

اس عشق ومحبت کی چنگاری صرف ہندوستان میں ہی اپنا اثر نہیں دکھاتی تھی، بل کہ جب آپ بیرونِ ہند کے سفر پر ہوتے تب بھی کناڈا، انگلینڈ، امریکہ، افریقہ اور دیگر ممالک کے مسلمانوں سے کسی مجلس میں جب بھی محوِ گفتگو ہوتے تو یہ عشق ومحبت کی چنگاری شعلۂ جوالہ کی شکل اختیار کر لیتی اور کوہِ آتش فشاں کی طرح اپنی حرارت سے سامعین کو گرمائے بغیر نہ رہتی۔ **آپ اپنے طلبہ کو اور اپنے دور کے اساتذہ کو ماضی قریب کے ان اکابرین کے واقعات ان کی جاں فشانی، وفا کیشی، خلوص، للہیت، تواضع، کسرِ نفسی اور استغنا کے واقعات سناتے رہتے۔** کیوں کہ

''ذکرِ حبیب کم نہیں وصلِ حبیب سے''

آپ جب علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا ذکر چھیڑ دیتے تو گھنٹوں اسی میں لگے رہتے۔ آپ کا اسلوبِ تدریس تفہیم حدیث پر مسلسل گفتگو، احناف وشوافع اور حنابلہ ومالکیہ کے مسالک ودلائل، پھر احناف کے مسلک پر حدیث اور دوسرے ائمہ کے دلائل کا جواب ساری چیزیں بڑے لطف ومزہ سے بیان فرماتے۔ آپ علامہ انور شاہؒ کی عربی دانی کا تذکرہ فرماتے تو بتاتے کہ حضرت کشمیریؒ کے عربی ادب کا کیا پوچھنا؟ حدیث میں اگر کہیں کسی لفظ کے استدلال کے لیے عربی شعر استشہاد میں آ گیا تو حضرت علامہ صرف ایک شعر پر اکتفا ہرگز نہ فرماتے، بل کہ پورے پورے قصیدے مسلسل بے تکان لطف لے کر سناتے چلے جاتے۔ سننے والا اکتا جائے تو وہ اس کی بات ہے لیکن حضرت علامہؒ خود کبھی نہ اکتاتے۔ حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ کا ذکر چھڑ جاتا تو پھر تو بس انہیں کا ذکر چلتا رہتا۔ حضرت تھانویؒ کی طالب علمی، محنت ولگن، گناہوں سے اجتناب، اصول پسندی، بزرگوں سے ربط، علم میں گہرائی، عمل میں لگن، تصنیف وتالیف میں پابندی اور ''خیر العمل مادیم علیه وإن قل'' پر عمل یہ ساری باتیں ایسی لذیذ اور پرزور طریقے سے بیان فرماتے کہ سننے والا کبھی اکتاہٹ محسوس نہ کرتا۔ **حضرت مرحوم کے اس عشقِ اکابر نے ہی آپ کو بھی دوام بخشا۔ آپ ابھی ہم سے رخصت ہو گئے مگر ذاتی تجربات بتلا رہے ہیں کہ آپ کی لگائی ہوئی کھیتی کبھی ان شاء اللہ ویران نہ ہوگی۔ یہ کشتِ علمی ہمہ وقت سیراب وشاداب رہے گی، اسی عشق ومحبت اور اکابر امت سے تعلق وربط کی وجہ سے طویل اور مختصر تعطیلات میں ہمیشہ یہ ہدایات دیتے رہتے کہ ان فارغ اوقات کو اہل اللہ کی صحبت میں گزارنا چاہیے کہ صحبت اپنا اثر رکھتی ہے۔**

جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد
وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

عمر کے کسی بھی مرحلے میں اہل اللہ کی صحبت سے مستغنی نہیں رہنا چاہیے۔ اہل اللہ کی خدمت میں حاضری دینا دین کا رنگ اپنے اندر پختہ طور پر چڑھانے کے مترادف ہے؛ یہی اللہ کا رنگ ہے اللہ کے رنگ سے اچھا رنگ کس کا ہو سکتا ہے؟ ﴿صبغة الله و من احسن من الله صبغة و نحن له عابدون﴾ اسی مضمون کا اشارہ حضرت شیخ سعدیؒ کی اس حکایت کی طرف بھی ہے

گلے خوشبوئے در حمام روزے   رسید از دستِ محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری   بگفتا من گلِ ناچیز بودم
جمالِ ہم نشیں در من اثر کرد   و گر نہ من ہماں خاکم کہ ہستم

''فرماتے ہیں کہ ایک روز میں غسل کرنے کے لیے حمام میں داخل ہوا، جہاں میرے دوست نے مجھے ایک خوش بودار مٹی دی جسے ملنے سے بدن میں خوش گوار اور روح پرور مہک اٹھنے لگی۔ میں اس پر بے حد متعجب و حیران ہو کر خود کلامی کے انداز میں اس سے پوچھ پڑا کہ تو مشک ہے یا عنبر؟ تیری روح پرور، خوش گوار اور دل آویز خوش بو نے مجھے بے خود اور مست کر کے رکھ دیا ہے؛ اسی کے معاً بعد اُس کا جواب میرے کانوں کے پردے سے ٹکرانے لگا کہ میں تو وہی ایک ناچیز اور بے حیثیت مٹی ہوں، مگر مجھے ایک عرصۂ دراز تک گلاب کے پھول کی صحبت میسر آئی ہے، میرے ہم نشیں کی ہم نشینی اور صحبت نے اس کے حسن و جمال کا اثر میرے اندر بھی بھر دیا ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں جو عام طور پر ہوا کرتی ہے۔''

حضرت مرحوم اس طرح کے واقعات سنایا کرتے تھے، جس سے گویا یہ مقصود ہوتا کہ شیخ کامل کی صحبت و ہم نشینی اسی طرح اخلاقی و روحانی برائیوں سے منزہ کر کے زندگی کو دل آویز، معطر اور روح پرور بنا دیتی ہے اور ایسے ایسے اوصافِ حمیدہ سے متصف کر دیتی ہے، جن کی تحصیل کے لیے محنت و مجاہدے کے راستے سے عرصہ ہائے دراز بھی ناکافی ہوتے ہیں۔

اکابر اساتذہ سے استفادہ:

صحبتِ صالح کا اثر انسان کی زندگی میں بالکل ایسا ہی ہوتا ہے جیسا مٹی کو گل ولالہ نے خوش بودار بنا دیا۔ حضرتؒ جہاں اپنے طلبہ اور مدرسین کو ہمہ وقت نیک صحبت اور صالحیت پر ابھارتے، وہیں طلبہ کی استعداد سازی کے لیے خونِ جگر دینے کے لیے بھی ہر دم تیار رہتے اور اس کی کوشش فرماتے۔

''فلاحِ دارین'' کے زمانۂ اہتمام میں صلاحیت سازی اور تقسیمِ اسباق کے حوالے سے حضرت کی فکر مندی اس سے نمایاں ہوتی ہے کہ **حضرت مولانا ابرار احمد صاحب دھولیوی کو متقدمین کے علوم میں پختگی، عمق اور گہرائی و گیرائی حاصل تھی، متقدمین کے علوم کو گھول کر پلا دینا گویا ان کے بائیں ہاتھ کا کھیل تھا، اس لیے حضرت کاپودرویؒ نے بخاری شریف جلد اول کا درس انہیں سے متعلق کر رکھا تھا، تا کہ جہاں اکابر اساتذہ کے چیدہ چیدہ علوم سے استفادہ کا بھرپور مو**

قمع قمع ہو سکے؛ وہیں طالبانِ علوم نبوت کی پختہ استعداد سازی کی راہ ہموار ہو سکے۔ دوسری طرف حضرت مولانا شیر علی صاحب قاسمیؒ کی ذات گرامی تھی، جن کو علوم اسلامیہ میں دست گاہ و کمال حاصل ہونے کے ساتھ فقہی بصیرت اور تصلب فی المسلک کی بھی ایک امتیازی شان حاصل تھی۔ اصولی و فروعی مسائل فقہیہ میں پانی کی روانی کی سی زبان چلتی تھی اور شرح مسلک حنفی میں چٹان کی سی مضبوطی اور لوہے کی سی پختگی حاصل تھی۔ حضرتؒ کا ہی یہ ظرف تھا کہ انہوں نے اس جوہر آب دار کو پہچانا تھا اور طلبہ کی صلاحیت سازی اور مستقبل کی تابناکی کے لیے ایسی شخصیت و صلاحیت کا انتخاب فرمایا تھا جو تصلب فی الدین اور پختگی مسلک کی نایاب خوبی طلبہ میں بہتے دھارے کی مانند منتقل کر دے؛ یہی سارے مقاصد کار فرما تھے، جن کی بنیاد پر حضرتؒ نے بخاری جلد ثانی حضرت مولانا شیر علی صاحبؒ سے متعلق فرمائی تھی۔ اسی طرح جلالین شریف کی تقسیم میں یہ بات ملحوظ تھی کہ نصفِ اول حضرت مولانا ابرار صاحبؒ سے متعلق تھی اور نصفِ ثانی علوم عقلیہ کی تحقیق میں ید طولیٰ رکھنے والے اور مستشرقین وجدید مصنفین کے فلسفہ کے تار و پود بکھیرنے والے استاذ گرامی قدر حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحبؒ سے متعلق تھی۔ حضرت موصوف مرحوم کا یہ خاصہ تھا کہ اساتذہ کی تقرری کے معاملے میں صلاحیت و صالحیت دونوں پہلوؤں کو ملحوظِ خاطر رکھتے، اس کے لیے ملک کے چپے چپے میں اسفار کرتے، کہیں بھی کوئی قیمتی ہیرا نظر آجاتا تو جوہری کی پرکھ رکھنے والا اسے فوراً اٹھا لیتا کہ ع

"قدرِ جوہر شاہ داند یا بداند جوہری"

یہ کہنا بجا ہوگا کہ معرفتِ رجال میں آپ لاثانی تھے۔

اس سے طلبہ میں بلند حوصلگی، وسعتِ ظرفی اور ایثار و قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا۔ مرعوبیت و احساس کمتری کے عیب سے دوری ہوتی۔ اسی طریقۂ کار کی وجہ سے اپنے ادارے کے کبار اساتذہ سے استحکامِ تعلیم و تنظیم میں مشورے لیتے، ان کی آرا کی قدر دانی فرماتے، اُس طریقۂ کار کو نافذ العمل فرماتے جو مشورہ میں طے پاتا اور اس کو برملا ظاہر فرماتے کہ یہ تو فلاح دارین کے اساتذہ کا کمال ہے کہ ہر وقت وہ دست گیری فرماتے رہتے ہیں۔ اساتذہ کو تبلیغ دین اور اصلاح سماج کے لیے مختلف دیہی علاقوں اور دور دراز قصبات میں سفر کراتے، عوام و خواص کو مربوط رکھنے کی مہم چلاتے، طلبہ و اساتذہ کے پاکیزہ ربط کا بھرپور خیال رکھتے، تجسس اور ٹوہ کو حرام سمجھنے میں کوئی تفریق روا نہ رکھتے کہ مدارس کی چہار دیواری میں تجسس و ٹوہ کو جواز کی سند فراہم ہو جائے؛ اس بات کی شد و مد سے تاکید فرمایا کرتے کہ حرام چیز نیکی کا ذریعہ بننے سے حلال نہیں ہو جاتی۔ کسی کی مدد کے لیے رقم کی فراہمی میں چوری کو ذریعہ بنانا حلال نہیں ہو سکتا، ایسا کھلا ذہن رکھتے اور رکھنے کی تلقین بھی کرتے کہ علم دین؛ دنیا کے جس کونے میں بھی ملے حاصل کرو۔ اس کے لیے فلاحِ دارین کی تخصیص ہرگز نہیں، شرط یہ ہے کہ اکابرِ دین سے عشق، خدا کا خوف اور اپنی اصل حقیقت کا ادراک رہنا چاہیے۔

تم شوق سے کالج میں پڑھو پارک میں کھیلو
جائز ہے غباروں میں اڑو چرخ پہ جھولو
پر ایک سخن بندۂ عاجز کا رہے یاد
اللہ کو اور اپنی حقیقت کو نہ بھولو

(اکبرالہ آبادی)

اسی لیے طلبہ کو دیگر مدارسِ اسلامیہ اور جامعاتِ دینیہ میں تحصیلِ علمِ دین اور مہارتِ تامہ پیدا کرنے کے لیے ابھارتے، اکساتے اور دامے درمے، قدمے سخنے جیسا بھی بن پڑتا تعاون فرما کر عالمی شخصیات اور اداروں سے واقف کارہتے۔ **اپنی امتیازی شان کو ظاہر کرنے کے بجائے تواضع اور کسرِ نفسی کو ترجیح دیتے**، اپنے شاگردوں مثلاً مولانا ابرار صاحب دھولیوی، مولانا یوسف صاحب ٹنکاروی وغیرہ دیگر اکابر اساتذۂ فن کی مجالس سے طلبہ کو جوڑنا اور مستفیض ہونے کی تلقین کرنا اسی تواضع اور

ع درسخن مخفی منم چوں بوئے گل دربرگِ گل

کی زندہ مثالیں ہیں۔ اور ظاہر سی بات ہے کہ **جس شخصیت کی ہمیشہ یہ تاکید وتلقین ہو کہ کسی بھی میدان میں مسلک دیوبند سے سرِمو انحراف نہ ہونے پائے وہ کس قدر محتاط اور باریک بیں ہوگی؟ جدید نافع کو لینے میں قدیم صالح سے دست بردار ہونا ہمارے حضرت کا ہرگز مسلک نہ تھا، کسی کو متنبہ کرنے میں عزتِ نفس کا خیال رکھنا اور اعزاز واکرام اور قدیم برتاؤ میں فرق نہ آنے دینا یہ آپ کی شناخت تھی**۔ طلبہ واساتذہ کے درمیان تعلیم وتعلم کا باہمی ربط رہتا ہے، جس میں کبھی تعلیمی پیش رفت میں نقص کی شکایت انتظام کے پردۂ سماعت سے ٹکراتی ہے، ایسے موقع پر صاف ستھرے اور اعتدال پسندانہ رویے سے حالات پر قابو پالینا ہمارے حضرت مرحوم کا حددرجہ کمال تھا۔ ایک موقعہ کا چلتے چلتے مختصر سا ذکر کردوں کہ ایک ہی استاذ سے شرح تہذیب اور اصول الشاشی کی کتابیں جماعت سوم کے طلبہ کے حوالے سے متعلق تھیں، جس میں طلبہ کی کمزوری اصول الشاشی نامی کتاب میں دیکھی گئی، انتظامیہ کو اطلاع ہونے پر حضرت نے کمالِ ادب سے استاذ کو طلب کیا تو استاذ بھی حضرت کے پروردہ تھے، اپنی صفائی میں زیادہ کچھ نہ بولتے ہوئے عرض کیا بندے نے دونوں کتابیں اپنی استطاعت بھر محنت ہی سے پڑھائی ہیں، کمزوری کہاں سے آئی اس کا صحیح جواب درجے کے طلبہ ہی سے معلوم کرلیں۔ اس طرح کے حالات میں حضرت فراخ دلی، سیرچشمی اور سادہ دلی کا ثبوت دیتے؛ چناں چہ ایسا ہی ہوا اور انتظامیہ سے اساتذہ کا یا طلبہ کا اساتذہ وانتظامیہ سے الجھنے کا معاملہ اسی بلند اخلاق کے سبب ایک خوش گوار ماحول میں تبدیل ہوکر نمونہ بن گیا۔

آپ کی زندگی کا مقصد وہ عمل جس سے دوسروں کو حوصلہ ملے، علم اور علما کا مقام بلند ہو اور دین کو سر خروئی و سرفرازی حاصل ہو۔

میری زندگی کا مقصد ترے دین کی سرفرازی
میں اسی لیے مسلماں، میں اسی لیے نمازی

مداومتِ عمل اور جہدِ مسلسل:

حدیث شریف میں آتا ہے "خیر العمل مادیم علیه وإن قل" ہمارے استاذ گرامی اور مربی اور فلاحی برادری کے عظیم محسن حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ کا سب سے بڑا اور عظیم الشان کارنامہ؛ جسے ایک کرامت ہی کہنا چاہیے وہ یہ ہے کہ جس کام کا آغاز کیا اسے پایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ جس میدان میں قدم رکھا پیچھے نہ ہٹے، جس رخ پر زندگی کی گاڑی چلانا شروع کی اس میں **تسلسل، دوام، پابندی "نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو" کا مصداق اور مداومت پر عمل والی حدیث کے پیکرِ مجسم تھے۔**

اپنے ۱۷ سالہ عرصے پر محیط دورِ اہتمام میں اسی گرمی، حرارت، حوصلہ مندی، بلند ہمتی، توکل و ایثار، جذبۂ ہمدردی، بلند اخلاق، تقویٰ و پاکیزگی، تواضع و للّٰہیت، کسرِ نفسی اور اپنے اسلاف سے عشق کے درجے کا لگاؤ جیسی اعلیٰ قدروں اور بلند صفات کے ساتھ پوری پابندی سے زندگی کے ایام گزارتے رہے کہ اللہ نے اسی کرامت کو اجاگر کرنے کے لیے حضرت مولانا سید ذوالفقار احمد صاحب قاسمیؒ جیسا باشعور اور بیدار مغز وزیر و عالم ربانی عطا فرما دیا آپ سے ایک دنیا فیض یاب ہوتی رہی اور کفر و شرک کی گھٹا ٹوپ تاریکی میں افقِ عالم پر چمکنے والے آفتاب و ماہتاب اپنے علم و عمل کی ضیا پاشی سے بکھرے ہوئے اندھیرے کی چادر کو تار تار بنا کر دونوں جہاں کی ناکامی سے نکال کر فلاحِ دارین عطا کر رہے ہیں اور آنے والی نئی نسل کو یہی پیغام دے رہے ہیں۔

جوانوں کو میری آہِ سحر دے
پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے
مرا نورِ بصیرت عام کردے

جی چاہتا ہے کہ حضرت کی نذر یہ آیت کریمہ کروں:

﴿اِنَّ اِبْرَاهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتاً لِلّٰهِ حَنِيْفًا وَّلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ، شَاكِرًا لِاَنْعُمِهِ اجْتَبَاهُ وَهَدَاهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ، وَاٰتَيْنَاهُ فِى الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّاِنَّهُ فِى الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِيْنَ﴾

"بے شک ابراہیم ایسے پیشوا تھے، جنہوں نے ہر طرف سے یکسو ہو کر اللہ کی فرمانبرداری اختیار کر لی تھی اور وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھے، جو اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتے ہیں۔ وہ اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اس نے انہیں چن لیا تھا اور ان کو سیدھے رستے تک پہنچا دیا تھا۔ اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بھلائی دی تھی اور آخرت میں تو یقیناً ان کا شمار صالحین میں ہے"۔

آنسو پونچھنے اور زندگی میں غموں کو ہلکا کرنے کے لیے حضرت مرحوم کی قائم کردہ راہ واشگاف موجود ہے۔ ہمیں چاہیے کہ حضرت کے قائم کردہ خطوط پر گامزن رہ کر اپنی منزل کی تلاش میں محو جستجو رہیں۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے پسندیدہ اشعار:

شعر

نشانِ منزلِ جاناں ملے نہ ملے
مزے کی چیز ہے یہ ذوقِ جستجو میرا

شعر

نوجوانو! صدائیں آرہی ہیں آبشاروں سے
چٹانیں چور ہوجائیں جو ہو عزمِ سفر پیدا

شعر

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

شعر

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

وہ کیا گئے کہ رونقِ محفل ہی اٹھ گئی

(وہ کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے)

مولانا افتخار احمد قاسمی بستوی

اللہ کا حکم ”کل نفس ذائقة الموت“ اٹل ہے اور ہر ایک کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔

موت سے کس کو رستگاری ہے
آج وہ ، کل ہماری باری ہے

لیکن سب کی موت یکساں نہیں۔ کچھ لوگ اس دنیا سے جب رخصت ہوتے ہیں تو کوئی ایک محفل اداس نہیں ہوتی، بل کہ پورے بساطِ عالم پر ہی اداسی چھا جاتی ہے۔ یہی حال ہوا جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کے سرپرستِ اعلیٰ حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ کا؛ کہ آپ اس دنیا سے کیا گئے کہ پورا گلستانِ وجود سونا اور ویران ہوگیا۔

”وہ کیا گئے کہ رونقِ محفل ہی اٹھ گئی“

تو آیئے جانے والے کی زندگی کے خدوخال اور حیاتِ مستعار کے کچھ واضح اور کچھ دھندلے نقوش کا مطالعہ کرتے ہیں، تاکہ ہم بھی اپنی زندگی کے بکھرے خطوط کو صراطِ مستقیم پر استوار کرسکیں۔

اللہ نے اپنی عبادت کے لیے انسان و جنات کی تخلیق فرمائی اور عبادت کی تعلیم کے لیے انبیائے کرام کا سلسلہ جاری فرمایا، سب سے آخر میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم جلوہ گر ہوئے، آپ نے عبادت کے تمام پہلوؤں کی تعلیم وتلقین اور عبادت حقیقی ومجازی کی تشریح کے لیے علمی وعملی سرمایۂ حیات قرآن وسنت کی شکل میں پوری انسانیت کی ابدی فلاح و بہبود کے لیے پیش کیا۔

عبادتِ خداوندی کی علمی وعملی تفسیر کو صحابۂ کرامؓ کی ایک لاکھ چوبیس ہزار کے قریب کی تعداد نے اپنے اندر جذب کرکے آگے تابعین کو پہنچایا۔ انھوں نے اپنے شاگردوں کو پہنچایا، پھر فقہائے امت، محدثینِ ملتؒ، مفسرینِ عظامؒ اور اولیائے کرامؒ اپنے اپنے وقت اور زمانوں میں اسی مقصدِ زیست کی آبیاری میں لگے رہے۔ ماضی قریب میں سرزمینِ ہند پر خانوادۂ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حضرت عبدالعزیز دہلویؒ، حضرت شاہ محمد اسحٰق دہلویؒ، حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ، حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ، حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ اور دیگر محدثین وفقہا کی شکل میں علمی وعملی عبادتِ خداوندی کی تجسیمی صورت پیش کی۔

وہ کیا گئے کہ رونقِ محفل ہی اٹھ گئی

آگے چل کر سرزمینِ دیوبند سے اِسی **مقصدِ حیات** کی تشریح وتعبیر کے لیے امام محمد قاسم نانوتویؒ، امام رشید احمد گنگوہیؒ، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ، حضرت مولانا یعقوب صاحب نانوتویؒ، حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ اور حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب دیوبندیؒ وغیرہم نے پرچمِ ہدایت وعبادت کو تاسیسِ دارالعلوم دیوبند کی شکل میں بلند کیا۔ دیکھتے دیکھتے ہندستان کے چپے چپے میں کفر وبدعت کی تاریکی کراہنے لگی اور توحید وسنت کی روشنی ظلمت واندھیریوں کے پرخچے اڑانے لگی۔

آج کے حالات میں اُسی مبارک گروہ کے ایک تابناک فرد، موجودہ زمانے کی زندہ وپائندہ ہستی حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ کی بھی تھی۔ جنھوں نے ۱۹۴۷ء اور ۱۹۵۹ء میں اُسی گروہِ دیوبند کا رخ کیا، جنھوں نے پورے دین کی اساس "توحید وعبادت" کی علمی وعملی تفسیر "متن وشرح" کی شکل میں امام محمد قاسم نانوتویؒ، امام رشید احمد گنگوہیؒ اور حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی تحریری کاوشوں کے پیکر میں پوری امت کے سامنے رکھ دی۔

حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ نے جب "دارالعلوم دیوبند" کا رخ کیا ہے، تو وہاں اُس روحانی قافلے کے مبارک اراکین میں علامہ فخر الدینؒ، مولانا فخر الحسنؒ، مولانا معراج الحق صاحبؒ، مولانا اختر حسینؒ، مولانا فضل الرحمٰنؒ اور مولانا نصیر احمد خاں صاحب بلند شہریؒ جیسی نابغۂ روزگار شخصیات جلوہ افروز تھیں۔ جن کے آفتابِ علم کی کرنیں روشن تھیں اور جہالت وبدعات کی تہ بہ تہ تاریکیاں ان کے خورشیدِ عالم تاب سے چھٹتی جارہی تھیں۔

حضرت رئیس محترم جناب مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ان مبارک ہستیوں سے ادبِ عربی، اصول فقہ اور حدیث وتفسیر کی مختلف النوع کتابیں پڑھ کر اپنی علمی تشنگی بجھائی۔ اثنائے طالب علمی میں آپ کو اس بات کی ہمیشہ فکر دامن گیر رہی کہ دینِ اسلام کی عملی وعلمی پاس داری، شریعت کے احکام کی فقہی معلومات کے ساتھ سکے کے دوسرے رخ تصوف وتزکیہ پر بھی منحصر ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اساسی ذمے داریوں میں تلاوت کلام الٰہی، تعلیم کتاب وحکمت کے ساتھ تزکیۂ نفوس بھی ہے، اس لیے باطنی امراض کی اصلاح کے لیے ایک شیخ کامل کی دہلیز پر جبیں سائی کی شدید ضرورت ہے۔ آخر اخلاقِ ذمیمہ، زبان کی برائیاں، غیبت، چغل خوری، دشنام طرازی، دروغ گفتاری، مدح سرائی، دل لگی وتمسخر کی مجالس، اسراف وتبذیر، بخل وضیقِ نفس، بغض وحسد، کینہ کپٹ، حرص وآز، حبِ جاہ، حبِ مال، عجب وکبر اور شہوت وغضب کا علاج کسی شیخ کامل کی صحبت کے انوار وبرکات سے نہ کیا گیا تو امت کی نیا پار لگانا تو کجا، اپنی ہی نیا پار لگانا مشکل ہوجائے گا۔

اس لیے حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ نے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ سے بیعت ہونا دین وایمان اور اصلاح وہدایت کی خاطر ایک امر ناگزیر سمجھا۔تاکہ سب سے پہلے خود کو انسان اخلاقِ حمیدہ سے متصف بنائے، اخلاص وللّٰہیت، توکل ورضا، خوف وخشیت، زہد وتقویٰ، صبر وشکر، صدق واستقامت، تواضع وخاکساری اور محبت ورجا جیسی صفاتِ حمیدہ سے آراستہ ہوکر جب لوگوں کے سامنے جائے گا؛ تو اسلام کی قولی تبلیغ سے زیادہ عملی تبلیغ وجود میں آئے گی۔اس لیے اخلاقِ حمیدہ پیدا کرنے اور اخلاقِ رذیلہ سے دور رہنے کے لیے پہلے اپنے اندر خود محبت وجذبہ پیدا کرنا پڑے گا کہ ۔

محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی
ذرا آہستہ آہستہ اِدھر رجحان پیدا کر

حضرت رئیسِ محترم نے حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے پردہ فرمانے کے بعد ہند وبیرونِ ہند کے متعدد مشایخ طریقت سے اجازتِ بیعت حاصل کی۔اس طرح حضرت موصوف در کفے جام شریعت اور در کفے سندانِ عشق کا پرچم بلند لے کر جب میدانِ عمل میں اترے ہیں تو امت کے جیالے پروانہ وار آپ کے علوم سے فائدہ اٹھانے کے لیے آپ کی چوکھٹ پر آموجود ہوئے۔کسی نے آپ سے ظاہری شریعت کا درس لیا تو کسی نے آپ سے باطن شریعت کا جام پیا کہ ۔

در کفے جام شریعت در کفے سندانِ عشق
ہر ہو سنا کے نداند جام و سنداں باختن

فراغت کے بعد سیدھے آپؒ جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات میں تدریس کی ذمے داری سنبھالنے کے لیے تشریف لائے، جہاں چھ سال تک متفرق طور پر طالبانِ علوم نبوت کی علمی وعملی پیاس بجھانے میں مصروف کار رہے اور دین وملت اور ملک وقوم کو جس طرح کے افراد کی ضرورت تھی ویسے ہی افراد کو بنانے، سنوارنے اور پرچم دین بلند کرنے میں اس جذبے سے ہمہ وقت لگے رہے کہ ۔

ایک پتھر کی بھی تقدیر سنور سکتی ہے
شرط یہ ہے کہ قرینے سے تراشا جائے

آپ نے اپنے ڈابھیل اور ترکیسر کے ۳۳ رسالہ دورِ تدریس میں ایسے افراد واشخاص تیار کیے، جو بجا طور پر ایک طرف دینِ متین کی کھیتی کی آب یاری کے لیے مکمل مہارت رکھنے والے تھے تو دوسری طرف ملک وقوم کے سنوارنے میں ان کو یدطولیٰ حاصل تھا، ان کو بجا طور یہ کہنے کا حق حاصل تھا کہ ۔

سو بار سنوارا ہے ہم نے اس ملک کے گیسوئے برہم کو
یہ اہلِ جنوں بتلائیں گے کیا ہم نے دیا ہے عالم کو

اپنے زمانۂ تدریس میں آپ نے جہاں فقہ کی کتابیں طلبہ کو پڑھائیں، وہیں آپ نے حدیث شریف کا بھی درس دیا۔ آپ کے درس کی امتیازی بات یہ ہوتی تھی کہ سبق کا ہر پہلو واضح، شستہ، سہل الحصول اور سہل الوصول ہوتا تھا، کوئی پہلو تشنہ چھوڑنے کی عادت نہ تھی جس میں تفصیل واسہاب سے گریز کرتے ہوئے اختصار و ایجاز کا دامن بھی تھامے رہنے کا سلیقہ خوب تھا۔ غرض آپ کا پورا درس ''سہل ممتنع'' کا جامع تھا، جیسے آپ کی شخصیت ''سہل ممتنع'' کی آئینہ دار تھی آپؒ اس شعر کا مکمل مصداق تھے ؎

نگاہ برق نہیں، چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہیں، مگر دیکھنے کی تاب نہیں

حدیث وفقہ کی تدریس کے ساتھ آپ کا عربی ذوق بھی بہت پاکیزہ، شستہ، شائستہ اور نکھرا ہوا تھا۔ عربی ادب کی کتابیں اس لیے آپ خاص طور پر تدریس کے لیے منتخب فرماتے تھے کہ طلبہ کے اندر عربی فہمی، عربی نطق، عربی ذوق اور عربی رفتار و گفتار، بل کہ عربی تہذیب وتمدن اور صاحب عربی کے اطوار واخلاق سے طلبہ کو مزین وآراستہ دیکھنا چاہتے تھے۔

کبھی کبھی دوسرے مدارس میں بھی آپ اساتذہ یا طلبہ سے گفتگو فرماتے۔ اور جب بھی آپ کو نصائح غالیہ گوش گزار کرنے کا موقع ملا تو آپ کی گفتگو کا ایک اہم پہلو عربی ادب بھی ہوتا تھا۔ آپ طلبہ کو صاحب شریعت حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وآداب اور سنن وعادات کو عربی زبان وادب کے وسیلے سے اپنانے کی خاص طور پر تلقین فرماتے، آپ کبھی دورانِ نصیحت پڑھتے ؎

ليس الجمال بأثواب تزيننا
إن الجمال جمال العلم و الأدب
ليس اليتيم الذي قد مات والده
بل اليتيم يتيم العلم و الأدب

جدید وقدیم ادبِ عربی پر بھی گفتگو فرماتے، جس میں آپ کا پورا زور اس بات پر ہوتا کہ اصل عربی ادب یہ ہے کہ اس سے قرآن فہمی اور حدیث فہمی آجائے۔ عربی زبان وادب پر بولنے اور لکھنے کی قدرت تو چند دنوں میں مشق وتمرین کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہے۔

کیا آپ شیخ الاسلام مولانا ظفر احمد تھانویؒ کو نہیں دیکھتے کہ " اعـلاء السـنـن " کے نام سے بیس جلدوں میں حنفی مسائلِ احادیث کے مستحکم دلائل کے ساتھ عربی زبان وادب کے پیکرِ جمیل میں ایسی معرکۃ الآرا کتاب تالیف فرمادی کہ عدمِ تقلید کے حامیانِ باطل کے شیش محل میں زلزلہ آ گیا۔ علامہ ناصر الدین البانی جیسے موقر عدمِ تقلید کے حامی حضرات کو بھی اس کا خدشہ لاحق رہا کہ یہ کتاب ایسی زبردست ہے کہ اگر آج ہی اس پر حاشیہ آرائی نہ کی گئی تو شاید نہیں، یقیناً بعد میں کوئی اس کتاب پر ایک حرف بھی نہیں بول سکتا۔

حضرت رئیس اس طرح کے واقعات اور نادر قصے اہلِ علم وتقویٰ کے بیان فرما کر طالبانِ علوم نبوت کے جذباتِ علمی ودینی میں ایک ہیجانی کیفیت پیدا کرتے اور ایمانی روح میں انقلاب برپا کردیتے۔ کبھی یہ شعر فارسی زبان میں لطف لے لے کر بار بار طلبہ کی مجلسوں میں دہراتے کہ ؎

بر خود نظر کشا، ز تہی دامنی مرنج

در سینۂ تو، ماہ تمامے نہادہ اند

کبھی طلبہ کو محنت ومشقت پر اور تحصیلِ علم کے میدان میں مجاہدات وریاضات پر ابھارنے اور اندرون میں عشق کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے مفکرِ اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کا ذکر کردہ یہ شعر پڑھ کر سناتے ؎

اے دل! تمام نفع ہے سودائے عشق میں

اک جاں کا زیاں ہے، سو ایسا زیاں نہیں

فراغت کے بعد طلبہ کی زندگی کا رخ کچھ مبہم، مضمحل، دھندلا اور موہوم سا رہتا ہے۔ اس کو واضح، روشن، واشگاف، مائل بہ ترقی اور کامیاب بنانے کے لیے حضرت رئیسؒ اس شعر کا بھی تکرار کے ساتھ، بار بار، متعدد بزمِ طلبہ وانجمنِ اساتذہ میں سہارا لیتے کہ ؎

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

تو میرا نہیں بنتا، نہ بن، اپنا تو بن

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، نندوربار کے بانی ومہتمم حضرت مولانا غلام محمد وستانوی دامت برکاتہم کے عاجزانہ اصرار پر جامعہ اکل کوا کے دوسرے سرپرست مولانا علی یوسف کاوڈیؒ کے انتقالِ پُر ملال کے بعد حضرت رئیس مولانا عبداللہ کاپودرویؒ جامعہ اشاعت العلوم کے تیسرے سرپرست منتخب کیے گئے اور ایک نہایت ہی کامیاب سرپرست کے طور پر ہر سال اور تقریباً ہر اہم مجلس اور عظیم الشان پروگرام میں اپنے قدوم میمنت لزوم سے جامعہ کے طلبہ واساتذہ کو سرفراز فرماتے رہے۔

مرض الوفات میں عیادت کرنے والے داستانِ ماضی یاد کرکے گویا یہ کہتے تھے کہ آج جو یہ بدن اپنی جگہ بے حس وحرکت نظر آرہا ہے وہ کبھی ''دار العلوم فلاح دارین'' ترکیسر کی پُر بہار چہار دیواری میں اچھلتا کودتا، محوِ خرام منزل نظر آتا، اپنے شاگردوں کی زندگیوں کو سنوارنے اور ان کو منزل آشنا بنانے میں نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو دکھائی دیتا۔ ۴۲/ سال پر محیط خدماتِ فلاح دارین میں ایسے ایسے نابغۂ روزگار افرادِ اسلام کو جنم دیا ہے، جو اکیلے ایک بزم اور تنہا ایک انجمن ہیں۔ سب سے پہلے تو رئیسِ جامعہ اکل کوا مولانا غلام محمد وستانوی مدظلہ کا نامِ نامی ہے جو حضرت رئیس ہی کے ساختہ وپرداختہ اور حضرت رئیس ہی سے علم نبوت کی تعلیم وتربیت کا دودھ نوشِ جان فرمائے ہوئے ہیں، جن کو عرب کیا؟ عجم کیا؟ سبھی یکساں جانتے ہیں۔ محترم مفتی احمد صاحب دیولہ، مولانا ابرار احمد دھولیوی مجازِ بیعت حضرت حکیم الاسلامؒ، مولانا اقبال احمد فلاحی ندوی، مدنی، مولانا یوسف ٹنکاروی شیخ الحدیث فلاح دارین، قاری محمد صدیق فلاحی، قاری ایوب اسحاق ساؤتھ افریقہ، مولانا حسن صاحب مرچی مہتمم مدرسۃ النور للمکفوفین افریقہ، جامعہ اکل کوا میں استاذِ حدیث مولانا عبدالرحیم فلاحی اور مولانا محمد فاروق فلاحی مدنی اور نہ جانے ایسی کتنی ہستیاں ہیں، جو ابتدا میں کلیاں تھیں لیکن حضرت رئیس کی التفات وعنایات سے پھول بن کر چٹکیں مہکیں اور مہکتی چلی گئیں، حضرت رئیس نے ان کو اپنے سینے کے لہو سے سینچا اور آج یہ کہتے ہوئے خوشی وتمنا اور فرحت واداسی کی ملی جلی کیفیت ہے کہ۔

کلیوں کو میں سینے کا لہو دے کے چلا ہوں
صدیوں مجھے گلشن کی فضا یاد کرے گی

واقعی فلاح دارین ترکیسر کی چہار دیواری میں جب یہ مہکتا پھول کھلتا اور خوش بو پھیلاتا ہوا گزرتا تو ایک طرف جسمِ انسانی کا پاکیزہ تقدس مآب پتلا نظر آتا اور دوسری طرف تعلیم وتربیت کا ایسا بحرِ ذخار، جس کی موجیں زبانِ حال سے یہ کہتی سنائی دیتیں کہ۔

میں اچھلتی ہوں کبھی جذبۂ مہِ کامل سے
جوش میں سر کو پٹکتی ہوں کبھی ساحل سے
ہوں وہ رہرو کہ محبت ہے مجھے منزل سے
کیوں تڑپتی ہوں، یہ مجھ سے پوچھے کوئی مرے دل سے
زحمتِ تنگیٔ دریا سے گریزاں ہوں
وسعتِ بحر کی فرقت میں پریشاں ہوں

حضرت رئیس کے مرض الوفات میں آنے جانے والوں کا تانتا بندھا رہتا تھا اور ہر کوئی زبانِ حال سے یہ کہتا ہوا معلوم ہوتا تھا کہ اب کیا یہ موج ہم سے جدا ہو جائے گی؟ اب کیا یہ دریا پایاب ہو جانے والا ہے؟ کیا ہم اس علم کے پہاڑ، اُس بحرِ ذخار اور بحرِ ناپیدا کنار کی عنایات سے محروم ہو جائیں گے؟ نہیں نہیں، ہرگز نہیں اس دریا نے تو اتنی نہریں علم کی عمل کی تحریر کی، تقریر کی اپنی تربیت کے فیضان سے بہادی ہیں، جو پورے آب وتاب سے، اپنے اپنے مرکز سے رواں دواں اور ہر دم جواں ہیں۔

اپنی تصنیفات کا ایک ذخیرہ آپ نے اپنے شاگردوں کیا! امت کے نونہالوں کے لیے ایسا چھوڑا ہے جو ہر وقت زندہ اور پائندہ رہنے والا ہے (۱) **اضواء علی تاریخ الحرکة العلمیة والمعاهد الإسلامیة فـي غـجـرات** آپ کی عربی تصنیف ہے (۲) علامہ بدرالدین عینیؒ اور علم حدیث میں ان کا نقشِ دوام (۳) ترجمہ دیوان امام شافعیؒ (۴) صدائے دل آپ کے خطبات کا مجموعہ ۳ رجلدوں میں طبع ہو چکا ہے (۵) افکار پریشاں (۶) نصیحۃ المسلمین ترجمہ حواشی رسالۃ المسترشدین للشیخ عبدالفتاح ابوغدہؒ وغیرہ کتابیں پردۂ عالم پر ثبات ودوام اور حضرت رئیس کے لیے کافی کچھ خدمات ہیں۔

جس ادارے کو آپ نے اپنے ۴۷ رسالہ دورِ ریاست وسرپرستی میں پروان چڑھایا۔ وہ وہی ادارہ ہے جس میں ۱۱۵۹ رفضلائے علم و ادب، ۷۷۹ رقرائے حفص، ۳۲۹ رقرائے سبعہ، ۲۶۲ رقرائے ثلاثہ، ۱۲۸ رقرائے عشرہ کبیر اور ۷۰۷ رحفاظ، ۶۳ رجال بازاساتذۂ علم ودانش کی نگرانی میں، ۱۳۸۳ھ مطابق ۱۹۶۴ء میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ کے تقویٰ وتقدس کی بنیاد کا سہارا لے کر آج بھی افتاں وخیزاں، غلطاں و پیچاں حالات میں، نہایت سبک رفتاری کے ساتھ جاودانی کی منزل کی طرف یہ گنگناتے ہوئے محوِ خرام ہیں کہ ۔

یارب اس ساغرِ لبریز کی مے کیا ہوگی جادۂ ملکِ بقا ہے، خطِ پیمانۂ دل
ابر رحمت تھا کہ تھی عشق کی بجلی یارب جل گئی مزرعِ ہستی تو اگا دانۂ دل
حسن کا گنجِ گراں مایہ تجھے مل جاتا تو نے فرہاد! کبھی کھودا نہ ویرانۂ دل
عرش کا ہے، کبھی کعبے کا ہے دھوکا اس پر کس کی منزل ہے الٰہی! مرا کاشانۂ دل

اسی ادارے میں حضرت مفتی شیر علی صاحب قاسمی افغانوی، شیخ ابراہیم اندوری قاسمی، مفتی یوسف صاحب ٹنکاروی، مولانا محمد اقبال فلاحی مدنی اور قاری محمد صدیق صاحب سانسرودی زندگی بھر کے لیے وقفِ حیاتِ جاودانی کے لیے ذخیرہ کرتے چلے گئے یا چلتے جارہے ہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جو حضرت رئیس مولانا عبداللہ کاپودرویؒ کے سینچے ہوئے ادارے کے جوہر آبدار ہیں، جن سے سونے چاندی کے قالب میں ''انسان'' ڈھلتے ہیں، ایسے ''انسان'' جن کے ہر عمل کی رسی اسلام کے ہاتھ میں ہے، جن کی انسانیت کا صحیح درس اسلام دیتا ہے۔

حضرت رئیسؒ اپنے ستائیس سالہ دورِ ریاست واہتمام اور زمانۂ تدریس وتلقین میں ایسے ہی انسان بنانے کے لیے کوشاں تھے، جن پر حکمِ الٰہی کی حکمرانی ہو، طاعتِ ربانی کی جلوہ سامانی ہو، سننِ سید المرسلین کی جلوہ فشانی ہو، تواضع اُس کا بستر ہو، خاکساری اُس کا وطیرۂ زندگی ہو اور اسلامی تہذیب؛ جو ہماری تہذیب ہے اس کو ہر آن اور ہر لمحے محبوب ہو۔ اسی طرح جیسے ہندوستان کے سابق صدر جمہوریہ فخر الدین علی احمد مرحوم نے اپنے دورِ صدارت میں دیوبند کی شاداب سرزمین میں حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے گھر میں ''ہماری تہذیب'' کا لفظ بول کر زندگی وپایندگی کا ثبوت فراہم کیا تھا۔

واقعہ یہ پیش آیا تھا کہ ایک مرتبہ سابق صدر جمہوریۂ ہند جناب فخر الدین علی احمد صاحب مرحوم دار العلوم دیوبند کی زیارت کو آنے لگے، تو انہوں نے اربابِ حل وعقد کو اطلاع دی کہ میں دار العلوم دیوبند کی زیارت کا شرف حاصل کرنے دیوبند آنا چاہتا ہوں لیکن میں کھانا مولانا سید اسعد مدنیؒ کے گھر کھاؤں گا۔ اس اطلاع سے اربابِ حل وعقد کھانے کے انتظام کے حوالے سے مطمئن ہو گئے؛ لیکن صدر جمہوریۂ ہند کے مخصوص آداب اور اسپیشل پروٹوکول ہوتے ہیں، لہٰذا اس کے مطابق جانچ کے لیے پولیس افسران کی ایک ٹیم مولانا مدنیؒ کے گھر پہنچی اور انہوں نے کہا کہ صدر جمہوریۂ ہند آپ کے گھر کھانا نوش فرمائیں گے تو آپ یہ بتائیں کہ کھانا آپ کہاں کھلائیں گے؟ مولانا مدنیؒ نے فرمایا: دیکھو! میں زمین پر بیٹھ کر کھاتا ہوں، ان کو بھی یہیں زمین پر بیٹھ کر کھلاؤں گا، میرے پاس یہی انتظام ہے۔

پولیس افسران نے کہا: صدر جمہوریۂ ہند کے پروٹوکول کے خلاف ہے یہ طریقہ۔ وہ تو کرسی پر حسنِ انتظام کے ساتھ کھانا تناول کریں گے، مولانا مدنیؒ نے فرمایا: میرے یہاں یہی انتظام ہے، ان کو آپ اطلاع کر دیں، وہ آنا چاہیں تو آئیں ورنہ اُن کی مرضی، انتظام تو یہی رہے گا۔

پولیس والے واپس دہلی پہنچے، صدر جمہوریۂ ہند فخر الدین علی احمد مرحوم کو اطلاع دی، انہوں نے کہا: وہ جیسے بھی کھلائیں، ہم کھالیں گے۔ پولیس افسران دوبارہ دیوبند مولانا مدنی مرحوم کے گھر آئے اور کہنے لگے ٹھیک ہے، لیکن آپ کیا کھلائیں گے؟ جو بھی کھلائیں، ہم ان کو چکھیں گے۔ مولانا مدنیؒ نے کہا: شوق سے چکھیں لیکن کھانا چکھنے کے لیے زیادہ تعداد میں مت آجایئے گا، یہ سن کر افسران مسکرانے لگے اور واپس چلے گئے۔

واقعہ کے ناقل حضرت مفتی سعید احمد صاحب پالن پوری مدظلہ العالی ''دار العلوم دیوبند'' کے موجودہ شیخ الحدیث اور صدر المدرسین ہیں۔ فرماتے ہیں کہ ان دنوں میں بھی دار العلوم کے اساتذہ میں شامل تھا، صدر جمہوریۂ ہند فخر الدین علی احمد مرحوم اپنے مؤقر وفد کے ہمراہ ''دار العلوم دیوبند'' پہنچے۔ دار العلوم کی انتظامیہ نے صدر جمہوریہ کو

استقبالیہ دیا، بزمِ استقبالیہ کے اختتام پر صدر جمہوریہ اپنے وفد کے ساتھ مولانا مدنیؒ کے گھر کھانا تناول کرنے کے لیے آگے بڑھے۔ استاذ گرامی قدر مفتی سعید صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ ہم اساتذہ بھی ساتھ ساتھ چل رہے تھے، مولانا مدنی مرحوم کا گھر آیا، دروازے سے صدر جمہوریہ ہند اپنے وفد کے ساتھ داخل ہوئے۔ سامنے دستر خوان زمین پر بچھا ہوا تھا، اس پر سادگی کے ساتھ کھانا چنا ہوا تھا، ایسی سادگی؛ جس پر ہزار رونقیں قربان، بیٹھنے کا حکم تھا۔

صدر جمہوریہ ہند فخر الدین علی احمد مرحوم بولے: تیواری جی! آیئے، بیٹھیے، آج ''ہماری تہذیب'' کے مطابق کھانا کھایئے۔۔۔۔۔۔ (مستفاد تحفۃ الالمعی)

یہ ''ہماری تہذیب'' کا لفظ بڑا قیمتی ہے جو صدر جمہوریہ ہند کی زبان سے نکلا اور مولانا مدنیؒ کے گھر کی عملی تفسیر تھا، جسے آج ہم نے بھلا دیا۔ کوئی میز کرسی پر کھانے کو فخر سمجھتا ہے تو کوئی بے دستر خوان کے ہی کھانا نوش کرنا شروع کر دیتا ہے۔

یہ ''ہماری تہذیب'' اسلامی عقائد و اعمال کا وہ مختصر مجموعہ ہے، جس کا مجسم پیکر حضرت رئیس مرحوم ہر فرد کو بنانا چاہتے تھے اور اسی کڑھن میں اِس دنیا سے یہ چاہتے ہوئے رخصت ہو گئے کہ مجھے اور میرے اصحاب کو یہ شعر نہ پڑھنا پڑے کہ

اٹھا میں، مدرسہ و خانقاہ سے غم ناک
نہ زندگی، نہ محبت، نہ معرفت، نہ نگاہ

بل کہ ''ہماری تہذیب'' میں رچے بسے لوگ مدرسے کی چہار دیواری سے جب باہر نکلیں، تو در و دیوار یک لخت بول پڑیں: ؎

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موجِ تند و جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

اور یہ بھی کہہ سکیں: ؎

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

اللہ تعالیٰ حضرت مولانا کے پیغام کو پوری امت میں عام فرمائے اور آپ کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین! ؎

آسماں ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہ بانی کرے

فکر و نظر اور علم و تحقیق کے پیکر عالم ربانی مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی

بسوئے فردوس بریں

سانحہ عظیم

مقصود احمد ضیائی

سورج ہوں زندگی کی رمق چھوڑ جاؤں گا
میں ڈوب بھی گیا تو شفق چھوڑ جاؤں گا

۱۳؍جولائی ۲۰۱۸ء بروز جمعۃ المبارک جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر کے استاذ مولانا الطاف حسین صاحب کی معرفت واٹس اپ پرسنل پیج پر یہ پیغام پڑھنے کوملا کہ وابستگان جامعہ ورئیس جامعہ رحمۃ اللہ علیہ کو یہ خبر سن کر مسرت ہوگی اور جذبۂ حق خدمتِ علمی وتربیتی حضرت فخر گجرات کا موقعہ فراہم ہوگا کہ جامعہ کا معروف ومقبول شمارہ شاہراہ علم اس ماہ حضرتؒ پر خصوصی شمارہ نکالنے جارہا ہے، جس میں آپ مضامین دیکر حضرت کی معروف شخصیت اور بے نظیر خدمات کوامت کے سامنے لاکران کے لئے مشعل راہ فراہم کرسکتے ہیں۔ مولانا الطاف حسین صاحب اس پیغام کے ذریعہ یہ اطلاع کرنا چاہتے تھے کہ ہم بھی اپنا مضمون ارسال کریں یہی وجہ ہے کہ موصوف نے یہ بھی لکھ دیا تھا کہ آپ کے قلم سے تو ماشاء اللہ اب ہر روز نئے مضمون کا آنا کچھ بعید نہیں خدائے تعالیٰ موصوف کے حسنِ ظن کو حقیقت بنادے سرزمین گجرات مدتہائے دراز سے علمی وروحانی شخصیات کا مرکز رہی ہے اس مردم خیز پرضیاء خطہ نے اپنی کوکھ سے بے شمار نابغہ روزگار شخصیات کو جنم دیا اور انہیں پالا اور پھر اپنے شکم میں سمویا بھی جن پر دنیا تا قیامت رشک کرتی رہے گی آمدم برسرِ مطلب۔

ملت اسلامیہ کے لیے جن علماء ومشائخ کی بابرکت ہستیاں سہارا بنی ہوئیں تھیں انہیں نفوس قدسیہ میں عالم ربانی مفکر ملت فخر گجرات حضرت اقدس مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی علیہ الرحمہ کی ذات گرامی قدر بھی تھی مورخہ: ۱۰؍جولائی ۲۰۱۸ء بروز منگل طویل علالت کے بعد خلوص ومحبت اور ایثار کا یہ کوہ گراں معرفت وعرفاں کی کائنات سجا کر چلا گیا۔ رحمتیں ہوں ہزاروں تربت پہ۔ اس قصر علم کے گرجانے کی وجہ سے عالم اسلام رنجیدہ واشکبار ہے بقول افتخار عارف۔

وہی چراغ بجھا جس کی لو قیامت تھی
اسی پہ ضرب پڑی جو شجر پرانا تھا

مولانا کے وصال کی خبر سنتے ہی ہمارے یہاں ریاست جموں وکشمیر کی عظیم الشان دانش گاہ مادر علمی جامعہ ضیاء العلوم میں بھی ہر طرف مایوسی چھاگئی۔ بانی جامعہ محسن قوم وملت حضرت اقدس مولانا غلام قادر صاحب مدظلہ اور صاحبزادہ محترم حضرت مولانا سعید احمد حبیب مدظلہ نائب مہتمم جامعہ ہذا وصدر تنظیم علما اہل سنت والجماعت پونچھ کی طرف سے الگ الگ تعزیتی پیغامات جاری ہوئے؛ بعد ازاں جامعہ میں دعاء وایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔

خدا رحمت کند اس عظیم حادثے کی وجہ سے عجم سے لے کر عرب تک علمی حلقوں میں رنج وغم کی لہر دوڑ گئی ہے، حرف ولفظ برتنے کا ہنر جب سے سیکھا ہے پڑھنے بولنے اور لکھنے کا شغل جاری ہے، تیکھے اور تلخ موضوعات بھی مشکل نہ لگے مگر کبھی ایسا لگنے لگتا ہے کہ کچھ آتا ہی نہیں ہے؛ ایسے ہی کچھ احوال اس وقت ہیں مولانا عبد اللہ کاپودروی معتبر اور بالغ نظر انسان تھے، آپ بلاشبہ اپنے اسلاف کی سچی تصویر تھے، علمی روایتوں اور تہذیبی شرافت کے امین تھے، آپ نے ملک کے مختلف نمائندہ تعلیمی اداروں فلاحی تنظیموں کے باہمی اختلافات کو دور کرنے میں نمایاں رول ادا کیا؛ اپنے گوناں گوں کمالات اور خوبیوں کے باعث وہ اکابر علما اور علمی شخصیات کی نگاہِ توجہ والتفات کا مرکز بن گئے تھے۔ آپ کی شخصیت مسلمانان ہند کے لئے نعمت خداوندی تھی آپ کی موت پر پورا ملک سوگوار ہے بلکہ آپ کی موت عالم اسلام کے لئے اعصاب شکن صدمہ ہے راقم الحروف کو ۱۹۹۸ء میں مولانائے مرحوم کو پہلی بار دیکھنے اور سننے کا موقع ملا تھا؛ اس وقت یہ عاجز دار العلوم مظہر سعادت گجرات میں زیر تعلیم تھا اور سالانہ پر ریحانۃ الہند حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری قدس سرہ دار العلوم دیوبند کے سابق مہتمم مولانا مرغوب الرحمٰن صاحب قدس سرہ کی آمد ہورہی تھی، کچھ وقت باقی تھا، اس موقع پر بانی جامعہ مظہر سعادت محدث گجرات حضرت مولانا مفتی عبد اللہ صاحب مظاہری مدظلہ نے نصائح عالیہ کے لیے مفکر اسلام مفتی عبد اللہ صاحب کاپودروی کو دعوت اسٹیج دی؛ حضرت نے بیحد اہم بیان فرمایا، خیر باتیں ان کی یاد رہیں گی مولانا کی گفتگو میں علمیت اور مسلمانوں کے تئیں فکر مندی کے جذبات پائے گئے؛ یہاں نقطے کی بات عرض کرتے چلیں کہ کل ہند مسلم پرسنل لا بورڈ کے سابق صدر فقیہ الاسلام حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام علیہ الرحمہ نے فرمایا تھا کہ گجرات میں دو شخصیات نے علم کو سمجھا ہے، حسن اتفاق دونوں کا نام عبد اللہ ہے دونوں سے مراد مفکر ملت عبد اللہ کاپودروی اور مفتی عبد اللہ رویدروی مظاہری تھے، جن میں سے ایک اس دنیا بے مایہ کو چھوڑ کر خدائے تعالیٰ کی جنت بامایہ کو کوچ کر گئے، مفکر ملت حضرت مولانا عبد اللہ کاپودروی کی نظر عالمی حالات پر بہت زیادہ رہتی تھی اور مسلمانوں کے تعلق سے ہمیشہ فکر مند رہتے تھے۔ نئے فضلا کی حوصلہ افزائی فرماتے اور علمی ودینی خدمات کی طرف راغب کرنے کا فراخدلانہ مظاہرہ فرماتے، اس دور قحط الرجال میں آپ کی شخصیت مسلمانوں

کی ایک اہم شخصیت تھی؛ بنابریں آپ کی موت ایک عظیم سانحہ سے کم نہیں۔ آپ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے رجال ساز صلاحیتوں کے مالک، معلم ومربی تھے، آپ کی عمر ۸۵ سال تھی ۱۹۵۵ء میں ام المدارس دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے شیخ الاسلام علامہ حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ کے شاگرد تھے، آپ نے علمی میدان میں بیشمار خدمات انجام دیں لگ بھگ ایک درجن کتابیں آپ کے قلم سیال سے منصہ شہود پر جلوہ گر ہو کر مقبول خاص وعام ہوئیں۔ آپ کی یہ گراں بہا تصنیفات اب ہمارے لیے نہ صرف سرمایہ افتخار رہوں گی بلکہ راہنمائی کا ذریعہ بھی بنیں گی۔ زندگی میں دنیا کے کئی ممالک کے دینی اور دعوتی اسفار کیے آپ ایک زمانے تک جمعیۃ علماء ہند کے گجرات میں ممبر بھی رہے، یہ کہنا بجا ہوگا کہ آج عالم اسلام کی ایک منفرد شخصیت علم وادب کے شیدائی اور جو ایک طویل عرصہ تک دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات کے سربراہ بھی رہے اور جن کی نگرانی میں اس ادارے نے دینی اور تعلیمی میدان میں ایک نمایاں مقام بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ آپ کا اختصاص یہ تھا کہ عربی ادب سے جب خطہ گجرات بالکل ناواقف تھا آپ کی عظیم فکروں کی بنا پر یہ خطہ ادبا کا گہوارہ بنا، تجوید کا جب کوئی رواج نہ تھا اور جب قرأت بالکل نایاب تھی، ملک وبیرون ملک کو تجوید وقرأت کا انمول تحفہ آپ کی جدوجہد کے صدقے میں ملا۔ بے شمار مدرسوں کو منتظمین، قرا اور باصلاحیت علما مولانا ئے مرحوم ہی کی توجہات سے ملے؛ گجرات کے اداروں میں سب سے پہلے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ یونیورسٹی سے الحاق کرانے والی آپ ہی کی ہستی تھی۔ علما میں بے مثال مہ، محسنین میں درنایاب، مفکرین میں انمول، تعلیم وتربیت کے میدان میں اولوالعزم، عزم جواں، باہوش، زیرک اور نباض زمانہ ومردم شناس اور انفرادیت رکھنے والے جیسے اوصاف کی حامل شخصیت اہل قلم نے آپ کے وصال کے بعد آپ کو قرار دیا ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ مدرسوں کو سب سے پہلے باغیچوں کی خوبصورتی دینے کا تصور بھی مولانا عبداللہ کاپودروی علیہ الرحمہ نے ہی دیا۔

حضرت والا کا سانحہ ارتحال زیر قلم ہے اور آنکھیں اشکبار ہیں دل غمزدہ وبیقرار ہے یہ اشعار ورد زباں ہیں کہ

بجھ گئے کتنے شبستان محبت کے چراغ
محفلیں کتنی ہوئی شہر خموشاں کے لئے
منجمد ہوتی چلی جاتی ہیں آوازیں تمام
اک سناٹا ہے سارے شہر میں پھیلا ہوا
درد کی محفل سے اٹھے گا کرامت جس گھڑی
ساتھ اپنے منفرد طرز بیاں لے جائے گا

بجا طور پر فخر سے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ مولانا عبد اللہ کاپودروی ملت اسلامیہ کی ایک منفرد شخصیت تھے، جن کا خمیر ملت کے درد سے گوندا گیا تھا؛ آپ اس دور میں نمونہ اسلاف اور اکابر دیوبند کی یادگار تھے، آپ کے وصال سے معروف علمی و دینی دعوتی تعلیمی اور روحانی دانش گاہ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا مہاراشٹر بھی اپنے ایک عظیم المرتبت سرپرست سے محروم ہوگئی ہے۔

آپ کے وصال کے تعلق سے ابنائے جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل گجرات کا ایک تعزیتی پیغام جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل کے ساتھ نسبت پر مبنی بذریعہ سوشل میڈیا یوں نظر نواز ہوا، جس سے آپ کی حیات تابدار کے چند روشن پہلو اور اجاگر ہوتے ہیں، ذیلی سطور میں ملاحظہ فرمائیں:

مولانا عبد اللہ کاپودروی علیہ الرحمہ برصغیر کی معروف دانش گاہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کے ایک عظیم سپوت تھے، جامعہ ڈابھیل ایک نامور فاضل عظیم سپوت گل سرسبد اور سابق استاذ وسابق رکن شوریٰ سے محروم ہوگیا ہے؛ بلاشبہ مولانا نے مرحوم جامعہ ڈابھیل کی تاریخ کا ایک شجر سایہ دار تھے، جس کی تخم ریزی آبیاری اور بارآوری جامعہ کے اکابر اساتذہ انتظامیہ اور اس کے قابل صدر شک ماحول نے کی تھی۔ آپ نے جامعہ سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ ہی سے اپنی تدریسی زندگی کی ابتدا کی نیز آپ ایک طویل مدت تک رکن شوریٰ کی حیثیت سے بھی جامعہ سے وابستہ رہے اور اہم بات یہ کہ آپ ہی کی توجہ و سرپرستی میں تاریخ جامعہ مرتب کی گئی آپ جامعہ کا وہ شجرۂ طیبہ تھے، جن کے واسطے سے کئی گلشنوں کی آبیاری ہوئی، آپ ہی کے واسطے سے جامعہ کا فیض قرب وجوار سے شروع ہو کر اکناف عالم میں پھیلا، ہم ابنائے جامعہ اس موقع پر حضرت کے واسطے سے آباد شدہ تمام گلستاں کی بلبلوں کو اور عالم اسلام کو تعزیت پیش کرتے ہیں۔

آئینہ کیوں نہ دوں کہ تماشا کہیں جسے
ایسا کہاں سے لاؤں کہ تجھ سا کہیں جسے

آخری بات: حضرت مولانا عبد اللہ کاپودروی علیہ الرحمہ کی گرانقدر تعلیمات کی اشاعت اور سنت وشریعت سے ہم آہنگ زندگی ہم چھوٹوں کی طرف سے حضرت والا کو خراج عقیدت ہے۔ دعا ہے کہ رب کریم وقدیر خواص وعوام متوسلین معتقدین اور جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے اور اس صبر پر اجر جزیل عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین

مقصود احمد ضیائی خادم التدریس جامعہ ضیاء العلوم پونچھ (جموں وکشمیر)

Email:-ahmedmaqsood645@gmail.com Mobile:-9596664228

حضرت کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ
صفات کے آئینے میں

مفتی عبدالقیوم مالیگانوی استاذ جامعہ اکل کوا

کسی کی نہیں چلتی:

اِس جہانِ رنگ و بو کے اندر انسانوں کی اس نگری میں لاتعداد اور بے شمار انسان؛ اپنی حیاتِ مستعار کے لیل و نہار اور ان کے معمولات و مشاغل میں مصروف رہ کر اپنے وقتِ موعود پر ﴿لہ الحکم والیہ ترجعون﴾ کے مطابق اپنی متعینہ انفاس پوری کر کے اُس شہرِ خموشاں کی طرف چل دیتے ہیں، جس سے کبھی واپسی نہیں ہوتی۔ جس کے نام سے ہی انسان کا پتہ پگھل جاتا ہے، جسے سن کر ہی شیر دل انسان، سخت گیر پہلوان اور تخت و تاج کے مالکان بھی کانپ جاتے ہیں۔

چل دیے خاموش بستی کی طرف:

لیکن ان جانے والوں میں کچھ لعل و گہر، بعض چمکتے دمکتے موتی اور چند مہکتے پھول ایسے بھی ہوتے ہیں جن کی چمک اور مہک صدیوں تک زمانہ اور اہلِ زمانہ فراموش نہیں کر پاتے۔ وہ تو چلے جاتے ہیں لیکن ان کے نقوشِ حیات اور خطوطِ راہ سے ہزاروں نہیں؛ بل کہ لاکھوں انسان اپنے اپنے کشکول میں اپنی استعداد اور قوت کسب کے مطابق علم و عمل کی مرادوں کو بھرتے ہیں۔ جن کے جانے پر ہزاروں نہیں بل کہ لاکھوں اشخاص زبانِ قال سے اور سیکڑوں مقامات، مناصب اور مختلف اماکن زبانِ حال سے اپنی یتیمی اور محرومی کا شکوہ کرتے ہیں۔

اُن ہی محترم اور مغتنم ہستیوں میں فخرِ گجرات، مفکرِ ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ بھی شامل تھے، جن کے دنیا سے رخصت ہو جانے سے نہ صرف طبقۂ علما و طلبا محزون و مغموم ہیں، بل کہ پوری ملتِ اسلامیہ سوگوار اور غمزدہ ہے۔

مقصدِ زندگی؛ دین کی سرفرازی:

جن کا مقصدِ حیات ہی خدا کے دین کی سرفرازی اور اس کی تعمیر و ترقی رہا۔ جنھوں نے حیاتِ فانی کے ہر لمحہ اور ہر سیکنڈ کو غنیمت جان کر اپنی مقدور بھر کوشش اور محنت سے محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے گلستان کو بنانے،

سجانے اور سنوارنے میں لگادیا اور اسی دھن میں مستغرق اپنی زندگی کو مکمل کیا۔قسامِ ازل نے پوری فیاضی کے ساتھ حضرت مرحوم کو مختلف النوع خوبیوں اور کمالات سے آراستہ کیا تھا،جن میں سے ہم صرف دوایسی خوبیوں کا ذکر کرنا چاہتے ہیں، جو بہت نمایاں بھی ہیں اور مؤثر بھی۔جس میں پہلی اہم ترین خوبی ان کی دین و اسلام کے لیے غیرت وحمیت تھی،جس نے کبھی بھی ایک مقام پر چین کا سانس نہ لینے دیا،بل کہ ملکوں کی خاک چھاننے اور دربدر پھرنے پر مجبور کردیا۔کسی نے سچ کہا ہے ۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
ادھر نکلے اُدھر ڈوبے ، اُدھر ڈوبے ادھر نکلے

اسی صفتِ خاصہ کا اثر تھا کہ جس طبقہ میں گئے شمعِ انجمن بن گئے اور اپنی بات، اپنا موقف اور اپنی فکروں کو انتہائی مضبوطی اور بے لاگ طریقہ سے بغیر کسی خوف وملامت کے پیش کرنے میں دریغ نہ کیا اور نہ ہی کسی مصلحت کو راہ دیا؛بل کہ وہاں کی کمزوریوں،خامیوں اور کوتاہیوں پر برابر قدغن لگائے اور اپنے مفید مشوروں اور بیش قیمت تجربات سے بھی نوازا، جو کسی داعیِ حق اور حقیقی وارثِ نبی کی زندگی کا لازمی حصہ ہے۔

میں نے بارہا سنا ہے:

میں نے مادرِ علمی جامعہ اکل کوا میں باربار حضرتِ مرحوم کی حاضری کے موقع پر بارہا آپ کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے حمیت وغیرتِ اسلام سے معمور تاریخی جملہ ”أینقص الدین وانا حی“ کو دہراتے ہوئے سنا اور اس جملہ کے وقت آواز میں وہ تیزی اور چہرہ پر ایسی تبدیلی پائی، جو حمیتِ دین کا ہی اثر ہوسکتا ہے اور ان میں یہ کیفیت کیوں نہ پیدا ہوتی؟ اللہ نے آپ کو مفکرِ اسلام،خانوادۂ نبوت کے غیور فرد حضرت مولانا ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت اور مجلسوں کی حاضری کا شرف عطا فرمایا تھا۔اسی صحبتِ بااثر نے غیرت وحمیت اور مفکرِ اسلام کی فکروں کو آپ میں منتقل کردیا تھا؛یہی وجہ تھی کہ مرحومؒ اپنی کسی تقریر یا کسی مجلس میں حضرت علی میاں ندویؒ کی کوئی بات یا ان کی زندگی کا تذکرہ کیے بغیر نہ رہتے۔

دوسرا اہم وصف اور عظیم خوبی جو اِس وقت عنقا ہوچکی ہے کہ آپ مردم شناس بھی تھے۔قوم کے لعل وگہر اور جوہرِ مخفی کو بہت جلد پہچان کر اور چھانٹ کر اس کو بنانے،سنوارنے نکھارنے کے اِس وصف میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔

یہ کام ہر کوئی نہیں کرسکتا:

افراد کو پہچاننا، اس کے جوہر پوشیدہ کو تاڑ لینا، پھر اسی کے مطابق تربیت کرکے اس کو کسی میدان کا شہ سوار بنانا اور اس کی صلاحیتوں کے مطابق اسے ذمہ داری دینا؛ یہ وصف ان کی زندگی کا وہ عظیم وصف ہے جس کا نمونہ جامعہ فلاح دارین ترکیسر کا تعلیمی وتربیتی استحکام اور اس میں پڑھانے والے باکمال حضرات مدرسین ہیں۔ آپ نے اپنی مضبوط ادارت اور حکمت بھری قیادت سے ۲۷؍ سال تک ترکیسر اور اس کے نظامِ تعلیم وتربیت کو ایسا مستحکم اور مثالی بنایا، جس کی شہادت ہر معلم ومتعلم اور ہر گلی وکوچہ دے رہا ہے۔

نااہلوں کو اہل سمجھنا بڑی حماقت ہے:

آپ جہاں مردم شناس تھے وہیں آپ کا ایک بڑا خاصہ یہ بھی تھا کہ آپ کا فیصلہ ہمیشہ ہر قسم کی تعصب سے پاک اور حق بجانب ہوتا، جو جس عہدے اور منصب کا اہل ہوتا اسے ہی وہ عہدہ دیا جاتا؛ آپ نے نااہلوں کو اہل سمجھنے کی بھول کبھی نہیں کی؛ بریں بنا آپ کا دورِ اہتمام فلاح دارین کی تاریخ کا ایک فلاحی باب ہے۔ آج اس خوبی اور وصف کی کمزوری، بل کہ نہ ہونے کی وجہ سے افراد کی خوابیدہ صلاحیتیں ابھرنے سے پہلے ہی دم توڑ دیتی ہیں۔ ”حق بہ حق دار رسید“ کا الٹا مذاق اڑایا جاتا ہے، اس لیے نہ ہی اصحابِ حق کو ان کی صلاحیتوں اور استعداد کے مطابق مقام مل پاتا ہے، بل کہ گھسیٹ کر مطعون کرنے کی مذموم کوشش کی جاتی ہے، جس کا سب سے بڑا نقصان یہ ہوتا ہے کہ نااہل افراد ایسے مناصب کے مالک اور ایسے امور کے ذمہ دار ہوجاتے ہیں کہ وہ مناصب خود اپنی یتیمی کا رونا روتے ہیں، اپنی بے بسی پر شکوہ کناں ہوتے ہیں اور زبانِ حال سے ایسے نااہلوں سے خلاصی چاہتے ہیں۔ اور فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم " اذا وسد الامر الی غیر اہلہ فانتظر الساعۃ " کے پیش نظر اس مقام اور کام کی بربادی لازم ہوجاتی ہے۔

آپ نے اپنے وصف خاص کی بھرپور قدر کی:

حضرت کاپورردویؒ کو مذکورہ خوبی اللہ نے خوب عطا فرمائی تھی اور آپ نے بھی اس خوبی اور خداداد وصف سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے افراد سازی کا بڑا کارنامہ انجام دیا۔ جس کے نتیجے میں مدارس کو اچھے مدرسین، کام یاب منتظمین اور ہر میدان کے رجالِ کار ملے۔ یہی وصفِ خاص اللہ رب العزت نے امام الانبیاء، معلمِ کائنات اور داعیٔ اعظم حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی بڑی سخاوت کے ساتھ عطا فرمایا تھا۔ جس

کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنگ پاروں کو تراش کر، ان کی خوابیدہ صلاحیتوں اور جوہرِ مخفی کو پہچان کر اپنے درد دل اور پوری توانائی کو صرف کر کے ایک ایسی جماعت تیار فرمائی جو اسلام کے اولین محافظین کہلائے۔ اور دنیا کے ہر خطے اور ہر میدان میں انہوں نے اپنے علمی، عملی اور روحانی کمالات و اوصاف سے انسانیت کے قلوب فتح کر لیے اور کامیابی کے جھنڈے نصب کر دیے۔

اسی لیے مؤرخینِ اسلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور سیرت پر کلام کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ افراد سازی اور صحابہ جیسی بے مثال جماعت کو بنانا؛ یہ آپ کی حیاتِ مبارکہ کا سب سے بڑا اور اہم کارنامہ ہے۔ جو کوئی نبی نہ کر سکا۔

ہر جانے والا قابل تذکرہ نہیں ہوتا:

قصہ مختصر یہ ہے کہ ایسے افراد؛ امت کو ہر قدم پر اور ہر وقت نہیں، بل کہ ایک لمبی مدت اور عرصۂ دراز کے بعد ملا کرتے ہیں۔

بڑی مدت میں ساقی بھیجتا ہے ایسا فرزانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستورِ مے خانہ

ان کے جانے سے امت کو بڑا نقصان ہوتا ہے؛ لیکن حیات و ممات کا یہ سلسلہ قادرِ مطلق کا جاری کردہ ہے؛ جس سے کسی کو مفر نہیں۔ البتہ ہر جانے والا لائقِ افسوس اور قابلِ تذکرہ نہیں ہوتا۔ لیکن حضرت مرحوم نہ صرف لائقِ تذکرہ بل کہ ان کی زندگی کے بہت سارے پہلو ہمارے لیے قابلِ عبرت ہونے کے ساتھ ساتھ قابلِ تقلید بھی ہیں۔ کسی نے سچ کہا ہے۔

موت اس کی ہے جس کا زمانہ کرے افسوس
یوں تو دنیا میں آئے ہیں سبھی؛ جانے کے لیے

رب کریم مرحوم کی مغفرت فرمائے اور اپنی رضائے کامل سے نوازے۔ ان کے تمام علمی، عملی اور ادبی کارناموں کو قبول فرما کر صدقۂ جاریہ بنائے اور ان کی رحلت سے ہونے والے خلا کو اپنی قدرت سے پر فرمائے۔ آمین!

وما ذٰلک علی اللّٰہ بعزیز۔

☆......☆......☆

آفتابِ علم غروب ہوگیا

از: اسماعیل بن یوسف کوثر کوساڑی فلاحی غفرلہٗ
خادمِ حدیث، افتاواَدب دارالعلوم مرکزِ اسلامی انکلیشور

۲۶/شوال ۱۴۳۹ھ کی شام آفتاب اپنے معمول کے مطابق دنیا کو تابانی دینے کے بعد غروب ہونے کے لیے پابہ رکاب تھا، چرندے اور پرندے دن بھر تھکنے کے بعد اپنے اپنے ٹھکانوں اور آشیانوں کی راہ لے رہے تھے، سفیرانِ لیل پہاڑ کی چوٹیوں، سمندر کے کناروں اور درختوں کی شاخوں پر غزل خوانی میں محو تھے، عالَم کا ذرہ ذرہ لیلائے شب کے استقبال میں مصروف نظر آ رہا تھا، آفتاب کی نقاہت رہ رہ کر ''ہر عروجے را زوال است'' کی لوریاں سنا رہی تھی۔ دوسری طرف آفتابِ علم وفضل اپنی حیاتِ مستعار کی آٹھ دہائیوں سے زیادہ عرصہ دنیائے علم وفضل کو روشنی دینے کے بعد اب کچھ زیادہ ہی اضمحلال محسوس کرنے لگا تھا، اس کے چہرے پر ابھری جھرّیاں پون صدی کی طویل تھکن اور صبر آزما حالات کا پتہ دے رہی تھیں۔

بالآخر آفتابِ علم آفتابِ عالَم سے سبقت لے گیا اور افقِ گجرات پر ہمیشہ کے لیے روپوش ہوگیا اور ایک بار پھر حیاتِ انسانی کی ناپائیداری کا سبق دیتا گیا۔

روشنی ہم کو جو دیتا تھا وہ زیرِ خاک ہے
ایک ستارہ اور ڈوبا آسماں غم ناک ہے
ہے لہو میں تر بہ تر شامِ غروبِ آفتاب
دِن کے ڈھلنے کا یہ منظر کتنا وحشت ناک ہے

انسان کی زندگی ایک شمع کے مانند ہے جو اپنی سکت کے مطابق حالات ومصائب کے تیز جھکڑوں کا مقابلہ کرتی ہوئی بالآخر گل ہوجاتی ہے، اُس کا عروج زوال کی دلیل اور ترقی تنزل کا نشان ہے، اگر زوال عروج کا تعاقب بند کردے اور آمد ورفت کا سلسلہ ختم ہوجائے تو دنیا میں سانس لینے کی جگہ باقی نہ رہے، مگر قدرت کا یہ قانون اٹل ہے کہ ہر ایک کو اپنے محور کا ایک مقررہ وقت تک طواف کرکے آگے بڑھ جانا ہے اور بعد والوں کے لیے جگہ خالی کردینا ہے۔ عربی کے بے مثال شاعر ابوالطیب متنبی نے اس حقیقت کی کتنی خوب صورت ترجمانی کی ہے۔

سبقنا إلی الدنیا فلو عاش أهلها
منعنا بها من جيئة و ذهوب

ہزاروں ستاروں کا خون ہوتا ہے تب ہی عروسِ صبح کی دید نصیب ہوتی ہے، اس معنیٰ کر زوال عروج کا اور غروب طلوع کا قاصد معلوم ہوتا ہے؛ مگر غروبِ آفتاب کی تاریکی بھی تو صبر آزما ہوتی ہے، جس کے بعد کروڑوں جتن کیے بغیر عروسِ صبح کا زرّیں چہرہ دیکھنا نصیب نہیں ہوتا۔

سالہا باید تا یک سنگِ سرخ ز آفتاب
لعل گردد در بدخشاں یا عقیق اندر یمن

کسی نے سچ کہا ہے ''ستارے تو روز ٹوٹ کے گرتے تھے، غضب ہو گیا آج تو آفتاب ہی گر گیا''۔

وہ ذاتِ گرامی جس نے اپنی عمر گلہائے علم کو لالہ زار بنانے میں صرف کر دی، جس کی علم دوستی، علما پروری، وسعتِ فکر و نظر، اخلاق کی شیرینی، رجال سازی اور خاک ساری کا پرچم عرب و عجم پر یکساں طور پر لہرا رہا تھا، جس کی دوررس نگاہ نے سیکڑوں خزف ریزوں کو شہ پاروں میں تبدیل کر دیا، جس کی ادنیٰ توجہ ترقی کی ضامن تھی، جس کے اخلاقِ فاضلہ میں خلقِ محمدی کی جھلک نظر آتی تھی، جس کی بیش بہا خدمات سے سرزمینِ گجرات کا چپہ چپہ تاباں و درخشاں بن گیا تھا، جوابرِ رحمت بن کر پون صدی تک ہفت اقلیم پر برستا رہا، جس نے اپنا دستور العمل ....

اُن کا جو کام ہے اہلِ سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

.... کو بنا لیا تھا، وہ آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا، اُس کے غروب ہوتے سے ایک عہد کا خاتمہ ہو گیا، ایک باب بند ہو گیا، ایک روایت نے دَم توڑ لیا، علمی مئے خانے بے رونق ہو گئے اور جام و پیمانہ وقفِ گریہ ہو گئے، تشجیع اور قدر افزائی گوشۂ خمول میں چلی گئی، مدارس بے نور ہو گئے، اربابِ قلم دَم بخود رہ گئے اور ثقافت نے جان دے دی۔

آپ کے سانحۂ اِرتحال نے علامہ ابن حجر عسقلانیؒ کی رحلت، علامہ عز الدین ابن عبد السلامؒ کی فرقت، علامہ ابن تیمیہؒ کے اِرتحال، علامہ ابن خلدونؒ کے انتقال، مولانا وحید الزماں کیرانویؒ کی وفات اور شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ اور مفکرِ اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندویؒ کے اس دنیا سے کوچ کرنے کی یاد تازہ کر دی۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اِک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

حضرت مفکرِ ملت نوّر اللہ مرقدہٗ دورِ آخر کی اُن عظیم شخصیات میں سے تھے جن کے انفاسِ قدسیہ کی برکت سے علمی وقار قائم تھا، آپ نے اپنے فکرِ شاہین، عقابی نظر، وسعتِ ذہنی اور اخلاقِ عالیہ سے لوگوں کے ذہن وقلب پر بہت گہرا اثر چھوڑا ہے، یہی وجہ ہے کہ آپ کے سانحۂ ارتحال پر پورا عالَم سوگوار ہے۔ شہرۂ آفاق مصنف ومحقق، آکسفورڈ یونی ورسٹی کے شعبۂ اسلامیات کے پروفیسر ڈاکٹر محمد اکرم ندوی صاحب نے بالکل درست فرمایا ہے کہ "إنــه قـد مـلـك قلوب الناس باخلاقه الفاضلة و استاسر نظراتهم بمحاسنه الجَمّة"۔

حسنِ تدبیر کا یہ حال تھا کہ انتہائی نامساعد حالات اور نامکمل اسباب کے باوجود مختصر ترین مدت میں "دارالعلوم فلاحِ دارین ترکیسر" کو رشکِ مدارس بنادیا، رجال سازی کے بے مثال وصف نے محدثین، مفسرین، فقہا اور قرا کی ایک ایسی جماعت پیدا کردی جو بیشتر مدارس کی مسانید تدریس کی زینت بنی ہوئی ہے۔ عربی زبان وادب سے انتہائی وارفتگی کا تعلق پایا تھا۔ دینی حمیت رگ وریشے میں اس طرح سرایت کرگئی تھی کہ "لومۃ لائم" کی پروا نہ رہی تھی، وسعتِ قلبی کا یہ حال تھا کہ ہر مکتبِ فکر کے لوگ کشاں کشاں دردولت پر چلے آتے تھے اور فرحت بداماں ہوکر واپس ہوتے تھے، آپ کے لیے سب اپنے تھے کوئی غیر نہ تھا، ہر ایک کی ترقی آپ کا سب سے بڑا مشن تھا، جس کے لیے آخری سانس تک مصروف رہے، ان سب اوصاف وکمالات کے باوجود خاکساری وسادگی کا بے مثال نمونہ تھے جس نے آپ کی ذات میں بے انتہا کشش پیدا کردی تھی، سلوک میں بھی اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے آپ کو مقامِ جلیل پر فائز فرمایا تھا، خلاصہ یہ ہے کہ آپ حقیقی معنوں میں ہند میں سرمایۂ ملت کے نگہبانوں اور دعوت وعزیمت کے قافلہ سالاروں میں سے تھے، مجموعی اعتبار سے گجرات کے ماضی قریب میں آپ کی نظیر ملنی بہت مشکل ہے، اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک بے مثال تحفہ آپ کی صورت میں عطا فرمایا تھا، افسوس ہے جس کی ہم قدر شناسی نہ کرسکے، آپ کا غم مدت تک تازہ رہے گا، آپ کا اِرتحال کوئی ایسا حادثہ نہیں ہے جس کی تلخی جلد بھولی جاسکے ؎

خانقاہیں دل شکستہ، مدرسے ہیں سر نگوں
علم پر آئی ہے وہ آفت کہ سینہ چاک ہے
بلبلِ باغِ رسالتؐ اب نہ چہکے گا کبھی
غنچے افسردہ ہیں، پیراہن گلوں کا چاک ہے

اِس حادثۂ ہوش رُبا پر اِس کے علاوہ کیا کہا جاسکتا ہے کہ إنّ لـلّـه مـا أخـذ، ولـه مـا أعطى، و كلّ عنده لأجل مسمّى، اللّٰهمّ اغفر لشيخنا و ارحمهٗ رحمة الأبرار، و سكّنه في جنّة الفردوس مع النبيين و الشهداء و الصالحين، يا عزيز يا غفّار! اللهم أكرم نزلهٗ، ووسّع مدخلهٗ و أدخلهٗ دارًا خيرًا من داره و أهلًا خيرًا من أهله، اللهم اغسلهٗ بماء الثلج و البرد، و نقّه من الخطايا كما نقّيت الثوب الأبيض من الدنس إنّ العينَ تدمع و القلبَ يحزن و إنّا بفراقك يا شيخنا لمحزونون!

مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں

تذکرہ حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی

تذکرہ نگار: مرغوب الرحمٰن سہارنپوری 9897109226

marghoob84@gmail.com

25/شوال کوشام 7 بجکر 33 منٹ پر ورس ساتھی، برادر عزیز مولانا محمد مرتضیٰ گودھروی نے بذریعہ واٹس ایپ جامعہ فلاح دارین کا لیٹر پیڈ ارسال فرمایا، جس پر مفکر ملت، مخدوم العلما بقیۃ السلف حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی نور اللہ مرقدہ و برد اللہ مضجعہ کے حادثۂ وفات کی اطلاع تھی۔

یہ تحریر پڑھ کر دل بیٹھ سا گیا، اور چند سالوں پہلے کی یادیں تازہ ہوگئیں، حضرت والا سے ہمارا پہلا تعارف آپ کی تحریروں کے ذریعہ ہوا تھا، یہ تحریریں مانک مئو سے شائع ہونے والے رسالہ "حرا کا پیغام" کے توسط سے حاصل ہوتی تھیں، بعد میں یہ تحریریں نظر ثانی اور مزید مفید اضافوں کے ساتھ "رشد و ہدایت کے منار" کے نام سے منصۂ شہود پر آ کر مقبول عام ہوئیں۔

اتفاق ہے کہ راقم سطور کو اس عبقری شخصیت کی زیارت کا شرف حاصل نہ ہوسکا، البتہ آپ کی تحریروں سے استفادہ کا موقع ملا ہے، فالحمد للہ علی ذلک۔

آپ کے کارنامے اور خدمات اتنی جلیل القدر ہیں، جن کی گونج ملک و بیرونِ ملک ہر جگہ سنائی دیتی ہیں، حضرت کاپودروی علیہ الرحمہ کو حق جل مجدہ نے عجیب وغریب خوبیاں اور بہت سی اہم صفات ودیعت فرمائی تھیں۔ علم و عمل، اخلاق و معاشرت، استقلال و توکل، اتباع حق و احقاق حق، عاجزی و انکساری، صبر و تحمل، وسعت مطالعہ، فہم و فراست، عقل و دانش، حسن تدبر و تفکر، نظم و نسق، حفاظت اوقات اور ضبط اوقات، مہمان نوازی و خورد نوازی، بالغ نظری اور کشادہ قلبی کا وافر حصہ مرحمت فرمایا تھا۔ مشہور مقولہ ہے لکل فن رجال لیکن اگر آپ کے بارے میں یہ کہا جائے رجل لکل فن تو بے جا نہ ہوگا، جتنی خوبیاں آپ میں تھیں، اتنی خوبیاں کسی ایک شخص میں کم دیکھنے اور سننے میں آتی ہیں، خصوصاً آج کے دور میں۔

مدت کے بعد ہوتے ہیں پیدا کہیں وہ لوگ
مٹتے نہیں ہیں دہر سے جن کے نشاں کبھی

ہم اپنے قارئین کی خدمت میں حضرت والا کی وہ صفات پیش کرتے ہیں، جو ہم نے سنی ہیں یا پڑھی ہیں، یا یہ کہیئے کہ کچھ بکھرے ہوئے خیالات ہیں جن کو یکجا کردیا گیا، ان صفات کو سپرد قرطاس کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان خوبیوں کو ہم بھی اپنی زندگیوں میں اتاریں، تاکہ دونوں جہاں میں کامیابی وکامرانی حاصل ہوسکے۔ اللہ تعالی شانہ اس حقیر کو بھی عمل کی توفیق مرحمت فرمائے۔

آپ کا ایک خاص وصف یہ تھا کہ وقت کے بڑے پابند اور قدر دان تھے، خود بھی وقت کی پوری پابندی فرماتے، ہر ہر منٹ کو قیمتی بناتے، وقت کو ضائع کرنے سے بالکلیہ اجتناب فرماتے، آپ کا ہر ہر کام نظم وضبط کے ساتھ وقت پر ہوتا تھا، غیر فطری طور پر یہ صفت آپ کے خدام وشاگردان میں بھی پیدا ہوئی، ساتھ ہی دوسروں کو بھی پابندی اوقات اور حفاظت اوقات کی تلقین فرماتے، اور وقت کو قیمتی بنانے کی نصیحت فرماتے۔

سنت ابراہیمی پر قابل دید جذبہ عمل

مہمان نوازی جیسی عمدہ صفت آپ میں خوب نمایاں تھی، آپ مہمان کے احترام واکرام میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے تھے، چاہے اس مہمان سے آپ کو رتی برابر دنیاوی فائدہ نہ بھی ہو، لیکن پوری فیاضی و سخاوت کا مظاہرہ فرماتے، نہ وقت دیکھتے، نہ خرچ دیکھتے، اور نہ اپنی تکلیف وکلفت کا احساس فرماتے، یہ اس دور کی بات ہے جب لوگوں کا مزاج خودغرضی کا بن گیا ہو، اگرچہ شاعر نے یہ گلہ کیا ہے کہ

اڑ گیا دنیا سے پیسا، گم سخاوت ہوگئی

لیکن حال یہ ہے کہ باوجود پیسہ ہونے کے سخاوت گم ہے، یا شاعر کی روح سے معذرت کے ساتھ ہم یوں عرض کرتے ہیں کہ رہ گیا دنیا میں پیسا، گم سخاوت ہوگئی، اس وقت صرف اللہ کی رضا جوئی کے لئے خرچ کرنا بڑے ایثار اور دریادلی کی بات ہے، گویا زبان حال سے یہ آیت تلاوت فرماتے رہتے، **انما نطعمکم لوجه الله، لا نرید منکم جزاء ولا شکورا** [سورہ دھر: ۹] اس مہمان نوازی کے پیچھے ایک اہم کردار آپ کی اہلیہ محترمہ رحمۃ اللہ علیہا کا ہے، ہر وقت مہمان عظام کی خدمت کے لئے سربستہ اور چاق وچوبند رہتیں۔ اللہ تعالی مرحومہ کو اپنی شان کے مطابق بہترین بدلہ عطا فرمائے۔

فیاضی وسخاوت کا دوسرا پہلو یہ بھی تھا کہ کوئی نئی بات، کتاب، رسالہ یا مضمون آپ کو معلوم ہوتا تو اس کو اپنی بساط اور وسعت کے مطابق قدر دانوں اور اہل علم کو پہنچانے کی پوری سعی کرتے، اس کی ایک مثال پیش خدمت ہے۔

اپنے شاگرد حضرت مولانا اقبال ٹنکاروی صاحب مدظلہ (شیخ الحدیث، دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ) کو تحریر فرمایا کہ ابھی علامہ شوکانی رحمۃ اللہ علیہ کی "الفوائد المجموعة في الاحاديث الموضوعة " کا مطالعہ کر رہا تھا،.....

رزین کے بارے میں کچھ نئی باتیں سامنے آئیں، وہ مشکوۃ شریف کے اساتذہ کے کام کی ہیں، ترکیسر، ہانسوٹ، کنتھاریہ، جمبوسر کے اساتذہ کو مطلع فرمائیں اور اگر ان کے پاس مزید معلومات ہوں تو بندہ کو مطلع فرما کر احسان فرمائیں، میرے جیسے طالب علم کے لئے آپ کا تعاون مفید ثابت ہوگا، ان شاء اللہ [تذکرۃ الرئیس، ص 124]

اپنے ذاتی کتب خانہ کے دروازے بھی اہل ذوق کے لئے ہمیشہ کھلے رکھتے اور بالکل بھی بخل سے کام نہ لیتے، آج کے ماحول میں یہ چیز بھی عنقا ثابت ہو چکی ہے، خصوصاً ہمارے دیار میں ان اللہ .... کریم یحب الکرم جود یحب الجود [ترمذی:2799]

سخاوت اس کی ہے تخمینہ سے فزوں ایسی
کہ جنس وزن سے خالی ہے، دامن کمیاں دیکھ کر
شاہ کرم گستر کی بے حد بخششیں
کھل گیا حاتم کے احسان و سخاوت کا بھرم

دسترخوان کی کشادگی مل سکتی ہے لیکن اپنی کتابوں سے دوسروں کو استفادہ کا موقع فراہم کرنا، اللہ معاف کرے بڑے بڑے اس موقع پر کنی کاٹ جاتے ہیں۔

جمع کتب اور مطالعہ کتب کا عجیب شوق

کتابوں کو جمع کرنے اور مطالعہ کے بڑے شوقین تھے، اگر یہ کہا جائے کہ مطالعہ کے بڑے رسیا تھے تو مبالغہ نہ ہوگا،

سرور علم ہے کیف شراب سے بہتر
کوئی رفیق نہیں ہے کتاب سے بہتر

(پیرزادہ عاشق کیرانوی)

کونسی کتاب کس مصنف کی ہے؟ کس کی تحقیق ہے؟ کونسے ادارہ سے شائع ہورہی ہے؟ ان چیزوں کی بڑی جستجو اور تلاش رہتی، کتابوں کے حصول کے سلسلہ میں وقت، محنت، مال اور کسی بھی طرح کی قربانی سے دریغ نہ کرتے، آپ ہرفن کے مطالعہ کے شیدائی تھے، آپ کو عربی اور اردو زبان وادب سے بھی بے پایاں شغف تھا۔ خود بھی مطالعہ فرماتے طلبہ اور دیگر متعلقین میں بھی مطالعہ کا شوق پیدا کرنے کی پوری کوشش کرتے، اس سلسلہ میں اسلاف کے شوقِ مطالعہ کے واقعات اور ان کی محنت ومجاہدات کی باتیں سنا کر ان کے ذوق کو جلا بخشتے۔

آپ کو اللہ تعالی نے اساتذۂ کرام بھی ایسے ہی عطا فرمائے تھے جنہوں نے آپ کے اندر مطالعہ کی روح پھونک دی، خود فرماتے ہیں کہ اسی (مولانا عبدالحئی ڈابھیلی کے) کمرہ میں مولانا شبلی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی "الفاروق" رکھی تھی، میں نے اس کا مطالعہ کرنا شروع کردیا، اور اس کتاب کے پڑھنے میں اتنا لطف آیا کہ چند روز تک اسی میں منہمک رہا، اور غالبا مجھے کتب بینی کا شوق اسی کتاب کے مطالعہ سے پیدا ہوا"۔ [صدائے دل، ج 1 ص 41]

مولانا ڈابھیلی علیہ الرحمہ کو جب آپ کے مطالعہ کے بارے میں معلوم ہوا تو مطالعہ کرتے رہنے کی تاکید فرمائی، اور جب "الفاروق" کا مطالعہ پورا ہو چکا تو "سیرت عمر بن عبدالعزیز" پڑھنے کی تاکید فرمائی۔ آپ نے اپنے اور فلاح دارین کے کتب خانہ میں ہرفن کی معیاری کتب جمع فرمائیں، اور اس کے لئے دور دراز کے مشقت بھرے اسفار سے بھی گریز نہ فرمایا، خود تحریر فرماتے ہیں کہ:

1968ء میں دارالعلوم فلاح دارین کے کتب خانہ کے لئے فراہمی کتب کے سلسلہ میں بندے نے عراق، اردن اور سعودیہ کا سفر کیا، اور مدینہ منورہ کے "المكتبة العلمية" سے کافی کتابیں خریدیں"۔ [رشد وہدایت کے منار، ص 84]

حضرت مولانا قاری محمد صدیق صاحب فلاحی فرماتے ہیں کہ "حضرت رئیس محترم، فلاح دارین کے کتب خانے میں ہرفن کی کتابیں جمع فرماتے اور متعلقہ فنون کے اساتذہ کو ان کتابوں سے باخبر بھی کرتے"۔

[گلدستۂ محبت، ص 408]

اس سے آپ کے اعلی علمی ذوق اور وقیع علمی شوق کا پتہ چلتا ہے، بعض حضرات کی رائے تو یہ ہے کہ گجرات میں کسی کا ذاتی کتب خانہ کمـاً و کیفـاً اتنا معیاری نہیں ہوگا، جتنا کہ آپ کا، کیونکہ اس میں کئی نادر علمی وادبی شہ پارے موجود ہیں۔

آپ نے اپنا یہ ذاتی کتب خانہ جامعہ قاسمیہ، کھروڈ کو وقف کردیا ہے۔

جہاں جاتے وہاں کی لائبریریوں کا ضرور دیدار فرماتے، یہ آپ کا محبوب مشغلہ تھا، اس سلسلہ میں آپ نے ایک رسالہ "ماضی وحال کے اہم کتب خانے" بھی تحریر فرمایا، [مشمولہ، افکار پریشاں جلد اول]، جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے، بعض مرتبہ وہاں کتابیں دیکھ کر، کڑھن ہوتی کہ ہم خود اپنے اسلاف کی کتب سے بے بہرہ اور محروم ہیں، تو زبان حال سے علامہ اقبال (۱۳۵۷ھ۔ ۱۹۳۸ء) کا یہ شعر پڑھتے:

مگر وہ علم کے موتی، کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

بہت سی مرتبہ وہ شعبوں کے ماہرین سے ایسی کتابوں کے نام کا ذکر کرتے، جنھیں انہوں نے کبھی سنا تک نہ ہو، اس سے آپ کی بلند علمی، عالی فکر اور ادبی مذاق کا پتہ چلتا ہے۔

افراد سازی اور رجال سازی

افراد کو بنانے اور ان میں نکھار پیدا فرمانے کا بڑا خیال فرماتے تھے، جس میں جو صلاحیت اور ذوق دیکھتے اس میں نکھار پیدا فرماتے، تربیت فرماتے اور مہمیز لگاتے رہتے، اور ان کے اندر خود اعتمادی کی روح پھونکتے، چاہے وہ آپ سے آگے ہی کیوں نہ بڑھ جائے، حضرت والا کو اس بات کی فکر نہیں ہوتی تھی، وہ بھی آج کے دور میں، یہ بڑے دل گردہ کی بات ہے، اور یہ اعلی درجہ کی عاجزی وفروتنی، اور ذرہ نوازی ہے۔ خصوصاً اپنے طلبہ پر بڑی محنت فرماتے اور اس کوشش میں لگے رہتے کہ یہ رجال کار بن جائیں۔ اسی طرح نظام تعلیم اور طریقہ تدریس پر بھی خوب توجہ فرماتے، اور دوسرے حضرات کو بھی قیمتی مشوروں سے نوازتے رہتے، اسی سلسلہ میں آپ نے 28 / ذیقعدہ 1429ھ مطابق 27 / نومبر 2008ء بروز جمعرات ایک مجلس بھی قائم فرمائی، جس کا عنوان تھا، "تعلیمی، تربیتی اور فکری بیداری، فقط اساتذہ کرام ہی پیدا کر سکتے ہیں"۔ جس میں متعدد مدارس کے ارباب علم اور فضلا کو دعوت شرکت دی گئی تھی، اس میں آپ نے ایک نہایت قیمتی خطاب فرمایا، اپنے اس فکر انگیز خطاب میں آپ نے نہایت قیمتی مواد فراہم کرایا۔ [ملاحظہ ہو، صدائے دل ج 4، ص 96-29

اس خطاب کو پڑھنے کے بعد اس حقیر کا یہ تاثر پیدا ہوا تھا کہ حضرت مولانا شش جہتی فنکار ہیں، آپ سے مشورہ حاصل کرنے والوں میں صرف مدارس کے طلبہ اور اساتذۂ کرام ہی نہیں ہوتے تھے، بلکہ اسکول اور کالج کے اسٹوڈنٹس اور ٹیچرس بھی آپ کے مفید مشوروں کے ذریعہ اپنے تعلیمی نظام میں اصلاح کرتے تھے۔ حق تعالی شانہ نے مزاج شناس، صاحب نظر بنایا تھا اور آپ سنگریزوں میں گوہر کو پہچاننے کا ہنر جانتے تھے۔ **ذلک فضل الله یوتیه من یشا والله واسع علیم**۔ [سورہ مائدہ: ۵۴]

اصاغر پروری اور ذرہ نوازی کا حسین امتزاج

اپنے سے کم درجہ کے صاحب فضیلت کی فضیلت کا برملا اعتراف کرنے میں کبھی جھجک محسوس نہ فرماتے، اگر کوئی چھوٹا کوئی اچھا کام کرتا تو اس کی بھی حوصلہ افزائی فرماتے اور تشجیعی کلمات وانعامات سے نوازتے، ساتھ ہی مفید مشوروں کے ذریعہ بھی رہنمائی فرماتے، اور اس کو یہ احساس نہ ہونے دیتے کہ کام چھوٹا ہے۔

ایک مرتبہ مولانا عبدالرحیم صاحب لمباڈا (استاد حدیث، دارالعلوم بری) کو مسجد میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا تو جوتے پہن کر باہر ملاقات کے لئے کھڑے ہوگئے، بیٹے نے کہا چلیں، فرمایا! مولانا عبد الرحیم صاحب سے ملاقات کرکے چلتے ہیں، کسی نے یہ کہدیا کہ یہ آپ سے کتنے چھوٹے ہیں، تو اس پر آپ نے فرمایا کہ بھائی یہ استاد حدیث ہیں، اس لئے ہمیں ان کی قدر کرنی چاہیے۔

جو اعلی ظرف ہوتے ہیں، ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہو کر بھرا کرتی ہے پیمانہ

(حیدر علی آتش)

تعصب وتحزب سے پرہیز

حضرت والا میں تعصب وتحزب اور بیجا حمایت نامی کوئی چیز نہیں تھی، چاہے وہ کسی بھی علاقہ، ادارہ، اور کسی بھی مسلک ومشرب سے تعلق رکھتا ہو، اگر وہ شخص لائق تعریف ہوتا تو برملا اس کی تعریف وتوصیف فرماتے اور حوصلہ افزائی فرماتے۔ گویا حدیث شریف لیس فی قلبک غش لاحد [ترمذی:۲۶۷۸] کی منھ بولتی تصویر تھے۔

اہل اللہ سے تعلق

آپ میں ایک عمدہ جوہر یہ بھی تھا کہ آپ اکابرین امت اور اللہ والوں سے دلی تعلق رکھتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین وتعلیم فرماتے، ایک مرتبہ فرمایا کہ "دین سے جڑنے کے لئے اسلاف واکابر سے جڑنا ضروری ہے، اسلاف سے کٹ گئے تو دین سے کٹ جائیں گے"۔ ان سے استفادہ کی بھرپور کوشش کرتے تھے اور دوسروں کو بھی یہ موقع فراہم کراتے، تاکہ استفادہ آسان اور عام ہو، اور موقع بموقع بزرگوں

کو فلاح دارین اور کاپودرہ مدعو فرماتے ۔طلبہ عزیز کو بھی اسلاف کی سیرت کے واقعات وحالات سناتے اور ان کو اپنی زندگیوں میں اتارنے کی بھی نصیحت فرماتے ۔اپنے کینیڈا کے ایک بیان میں فرمایا کہ "ہمیں اسلاف کے ان کارناموں پر نظر کرنے کی ضرورت ہے کہ انہوں نے کس طرح مشکل حالات میں کام کیا، ہماری یہ حالت ہوگئی ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے نام اور ان کے کارناموں سے بھی واقف نہیں ہیں، ایک طالب علم سے پوچھا کہ حضرت مولانا محمود الحسن شیخ الہندؒ (1339ھ 1920ء) کون تھے؟ تو کہا کہ حضرت مدنی کے والد صاحب تھے، ہمیں اتنا افسوس ہوا کہ یہ اوپر کے درجے کا طالب علم ہے اور اسے شیخ الہند کے بارے میں معلوم نہیں ہے کہ وہ کون تھے؟...... اس شخص کے بارے میں ہمارا حلقہ ناواقف ہے تو یہ بڑی کمزوری کی بات، میں ہمارے ان فضلا سے خاص طور سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ وہ اکابر کے حالات سے پوری طرح واقف رہیں"۔[تذکرۃ الرئیس، ص 147]

نعم البدل ہے داغ کا حالی، کلام داغ
ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

(مولانا الطاف حسین حالی)

دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر اور آپ کی خدمات

آپ نے اپنی علمی، تعلیمی، تربیتی اور انتظامی لیاقت کے سبب دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر کو بام عروج تک پہنچادیا اور اس کو ترقی دلانے میں پوری تگ ودو فرمائی، باصلاحیت اور تجربہ کار اساتذہ کو جامعہ میں چن چن کر جمع فرمایا اور اس کے لئے مشقت بھرے متعدد سفر فرمائے، حق تعالی شانہ نے آپ کی محنتوں کو ثمر آور فرمایا اور جامعہ کو شہرتوں کی بلندیوں پر پہنچادیا اور اس ادارہ سے ایسے رجال پیدا ہوئے جو چہار دانگ عالم میں قال اللہ وقال الرسول کی صدائیں بلند فرمارہے ہیں۔ فجزاہم اللہ تعالی

چمن میں بہار اب جو آئی ہوئی ہے
یہ سب پود ان کی لگائی ہوئی ہے
بڑی مدت میں ساقی دیکھتا ہے ایسا دیوانہ
بدل دیتا ہے جو بگڑا ہوا دستور میخانہ

احساس ذمہ داری

آپ جس عہدہ پر رہتے اس ذمہ داری کو کما حقہ ادا کرتے، ورنہ اس سے دستبردار ہوجاتے، اس عہدہ کواپنے سے چمٹائے نہ رکھتے، خود حضرت کی زبانی ملاحظہ فرمائیں:

''میرا مزاج عہدہ کو پکڑے رکھنا نہیں ہے، 26/سال کے بعد دارالاقامہ کی اوپر کی منزلوں میں جاتے وقت جب میں نے محسوس کیا میری سانس پھولتی ہے تو میں نے یہ فیصلہ کرلیا کہ اب یہ میرا کام نہیں۔

آپ کی علمی، دینی، ملی، فکری، دعوتی، تعلیمی، تعمیری، تربیتی، انتظامی، وسیع تجربات ومحنت کی بنا بہت سی تنظیموں اوراداروں نے آپ کواپنا مشیر وممبراور سرپرست بنارکھا تھا، ان اداروں کا تذکرہ آگے آئیگا۔ انشا اللہ

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز
یہی ہے رخت سفر میر کارواں کے لئے

(علامہ اقبال)

حضرت والا کی علمی رفعت وقعت اہل علم کے مابین مسلم تھی، جس کے لئے چند شہادتیں پیش کی جاتی ہیں:

[1] حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام علیہ الرحمہ (1423ھ 2002ء) نے ایک مرتبہ فرمایا تھا کہ گجرات میں دو شخصیات نے علم کو سمجھا ہے، حسن اتفاق سے دونوں کا نام عبداللہ ہے، ان سے مراد مفکر ملت عبداللہ کاپودروی اور مفتی عبداللہ رویدروی مظاہری ہیں [روزنامہ کشمیر عظمی، سرینگر]

[2] حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری دامت برکاتہم العالیہ آپ کے متعلق لکھتے ہیں کہ آپ مدبر، مفکر، عالی ظرف اور سیر چشم سراپا جہد وعمل اور دوسروں کی ترقی کے خواہشمند رہتے ہیں۔ [تذکرۃ الرئیس، ص 133]

حضرت مولانا مفتی عبدالقیوم راجکوٹی دامت فیوضہم تحریر فرماتے ہیں کہ مخدوم گرامی حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مدظلہم (اب، رحمۃ اللہ علیہ) کا شمار جامعہ (اسلامیہ تعلیم الدین، ڈابھیل) کے ان خوش قسمت فرزندوں میں ہے، جن پر جامعہ کو ناز وفخر حاصل ہے۔ [اجلاس صد سالہ، ص 49]

علمی شغف

آپ علم وادب کے دلدادہ، اوران سے گہرا شغف رکھتے تھے، جس کا اندازہ مختلف مواقع پر لکھی گئی آپ کی تحریروں اور مضامین سے لگایا جاسکتا ہے، آپ کی مختلف کتابیں اور نثری مجموعے، علم وادب اور فکر ونظر کے میدان میں آپ کے کمال اور بے پناہ عبقریت کے گواہ ہیں۔ آپ عربی، اردو اور گجراتی، تینوں زبانوں میں لکھتے تھے، آپ کی عربی کتابوں میں "اضواء علی تاریخ الحرکۃ العلمیۃ و المدارس الاسلامیۃ العربیۃ فی غجرات الھند (ریاستِ گجرات کے دینی وعربی مدارس اور یہاں کی علمی تحریک کا جائزہ) اہم ہے۔

آپ کی علمی لیاقت وصلاحیت کا ایک اور شاہکار دیوان الامام الشافعی جیسی معرکۃ الآرا کتاب، جو ہندوستان کے متعدد مدارس میں شامل نصاب ہے، کا اردو ترجمہ اور اس کی تشریح ہے۔ اس کتاب کا اردو ترجمہ اس سے قبل نہیں ہوا تھا، جس کی وجہ سے اردو داں طبقہ امام شافعی علیہ الرحمہ کے اشعار کو سمجھنے سے قاصر تھا، مولانا نے اس کمی کو دور کر کے اردو داں طبقہ پر احسان عظیم فرمایا ہے، اس کتاب کے شروع میں مولانا علیہ الرحمہ نے حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات زندگی کو بھی شامل فرمایا ہے۔

مولانا نے کئی کتابیں بھی تصنیف فرمائیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

اضواء علی تاریخ الحرکۃ العلمیۃ و المدارس الاسلامیۃ العربیۃ فی غجرات الھند [عربی]۔

علامہ بدرالدین عینی اور علم حدیث میں ان کا نقش دوام

(عربی مقالہ **بدر الدین العینی و اثرہ فی علم الحدیث** لشیخ صالح یوسف معتوق [اردو ترجمہ]۔

دیوان امام شافعی علیہ الرحمہ [ترجمہ وتشریح]۔

نصیحۃ المسلمین (رسالۃ المسترشدین) لشیخ ابوعبداللہ حارث بن اسد محاسبی [کا اردو ترجمہ وتشریح]۔

مکارم الشیم (**عنوان الحکم**) ابوالفتح علی بن محمد بن حسین البستی [کا اردو ترجمہ وتشریح]۔

آداب المعلم والمتعلم فی حلقات تحفیظ القرآن [عربی سے اردو]۔

حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی اور ان کے نامور خلفا [گجراتی]۔

علامہ قطب الدین نہروالی اور ان کی علمی خدمات۔

علامہ یوسف بنوری اور خدمات حدیث۔

رشد وہدایت کے منار۔

چالیس احادیث [عربی، گجراتی، انگریزی]۔

گلشن کاپودرہ [گجراتی]۔

صدائے دل [4 جلدیں]۔

صدائے دل [جلد نمبر ۵ زیر ترتیب]۔

افکار پریشاں [2 جلدیں]۔

قصیدہ موت کی یاد میں [33 عربی اشعار کی شرح مع حل لغات]۔

مقدمات کا پوورودی۔

رہتا قلم سے نام قیامت تلک ہے ذوق
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

تقریر وخطابت کا مسحور کن فن

حضرت علیہ الرحمہ کو تقریر وخطابت کا بھی عمدہ فن آتا تھا، جب بولتے تو گویا موتی رولتے، آپ کے بیانات اصلاحی ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے علمی اور معلوماتی بھی ہوتے تھے، بیان میں طعن وتشنیع اور تعریض سے پرہیز واجتناب فرماتے، محبت اور پیار سے سمجھاتے، آپ کے خطبات کے تعلق سے حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ "دنیا کے مختلف ممالک میں اپنے مواعظ اور علمی واصلاحی مجالس سے طلبہ وعلمائے کرام اور علمی ودینی حلقوں کو اپنے درد بھرے دل اور میٹھی زبان سے فیضیاب کر رہے ہیں"۔ [صدائے دل]

حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالنپوری دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں کہ آپ کے بیان میں بظاہر نہ جوش وخروش ہوتا ہے، نہ پرتکلف لسانی، نہ لہجہ وترنم، نہ خطیبانہ ادائیں مگر اس کے باوجود خطابات اس قدر موثر کن اور مسحور کن ہوتے ہیں کہ ان سے عوام وخواص یکساں طور پر مستفید ہوتے ہیں۔ [صدائے دل]

صاف ستھرے لیکن منکسر المزاج

ہمیشہ صاف ستھرے رہتے تھے طبیعت میں نفاست ونظافت کوٹ کوٹ کر بھری تھی، آپ کو دیکھ کر حدیث شریف، ان اللہ.... نظیف یحب النظافة، [ترمذی:۲۷۹۹] ذہن میں نہ صرف گونجنے لگتی تھی بلکہ اس کی عملی تفسیر بھی سمجھ میں آتی تھی، لیکن ساتھ ہی بڑے سادہ مزاج اور منکسر المزاج تھے، آپ کے یہاں ہٹو بچو والی نزاکتیں نہیں تھیں، بناوٹ اور تصنع سے ہمیشہ دور رہتے تھے، نام ونمود سے پرہیز فرماتے، اور اس طرح حدیث شریف البذاذة من الایمان [ابوداود:۴۱۶۱] کی عملی تشریح بھی دیکھنے کو ملتی تھی، اور زبان سے وما انا من المتکلفین [سورہ ص:۸۶] کا زمزمہ زبان حال سے جاری ہوتا۔

تصوف وسلوک

آپ کا اصلاحی تعلق شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (1377ھ 1957ء) سے رہا، چنانچہ آپ حضرت مدنی سے جناب موسیٰ خان صاحب، والیٔ کے دولت کدہ پر بیعت ہوئے (غالباً یہ 1952ء کی بات ہے) اور آپ کے وصال کے بعد آپ کے فرزند ارجمند حضرت مولانا سید اسعد مدنی رحمۃ اللہ علیہ (1427ھ 2006ء) کی طرف رجوع فرمایا۔ مختلف اوقات میں مختلف بزرگوں کی خدمات عالیہ میں حاضر ہوکر فیض یاب ہوتے رہے، خصوصاً حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائپوری (1382ھ 1962ء) حضرت مولانا شاہ وصی اللہ خان صاحب الہ آبادی (1387ھ 1967ء)، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی (1402ھ 1982ء)، حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب (1403ھ 1983ء)، حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادی (1413ھ 1992ء)، حضرت مولانا عبدالحلیم صاحب جونپوری (1420ھ 1999ء)، حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی صاحب (1420ھ 1999ء)، حضرت مفتی محمود الحسن صاحب گنگوہی (1417ھ 1996ء)، حضرت قاری صدیق صاحب باندوی (1418ھ 1997ء)، حضرت مولانا ابرار الحق صاحب حقی، ہردوئی (1426ھ 2005ء)، حضرت مولانا حاجی فاروق صاحب سکھروی، نور اللہ مراقدہم کی خدمات بابرکات میں بار بار جاکر اپنے قلب کو مزید مصفٰی ومجلی فرماتے رہے۔

آپ کو ان اکابرین امت نے اجازت وخلافت کی خلعت سے نوازا تھا، لیکن کبھی اس کو نام ونمود اور شہرت کا ذریعہ نہیں بنایا اور نہ کبھی اس کا ذکر فرماتے تھے۔ ان بزرگان دین کے اسم گرامی آگے آتے ہیں۔

اس قحط الرجال کے دور میں کسی فرد واحد میں اتنی خوبیوں کا ہونا کسی عجوبہ سے کم نہیں، معلوم نہیں کسی اللہ والے کی دعا کا نتیجہ ہے، یا پھر حق تعالیٰ شانہ کو آپ کی کونسی ادا پسند آئی جس کے نتیجہ میں آپ کو جامع الکمالات اور جامع الصفات بنادیا تھا، خود حضرت تحریر فرماتے ہیں کہ والد ماجد کے تعلقات برما میں علما کے ساتھ اور ہندوستان میں بھی علما کے ساتھ بڑے اچھے تھے تو آپ کے والد صاحب علما سے آپ کے لئے دعائیں کرواتے تھے؛ یہاں تک کہ ایک خط (مورخہ 6/شوال 1356ھ) میں حضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (1863ھ 1943ء) سے بھی دعا کی درخواست والد ماجد صاحب نے کی تھی، تو حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب میں ارشاد فرمایا "دعا کرتا ہوں"۔

سوانحی نقوش:

نام نامی: مولانا عبداللہ بن اسماعیل (1978) بن حسین قاسم پٹیل (1909)

پیدائش: 11 / رمضان المبارک 1352ھ بمطابق 28 / دسمبر 1933 کو ہوئی۔

جائے ولادت: آپ کی ولادت برما کے ہیہو (HEHO) نامی شہر میں ہوئی۔

برما سے ہندوستان آمد: حضرت کی عمر دو سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد 1935 میں برما سے ہندوستان تشریف لائے، اور کاپودرا میں قیام فرمایا، ویسے آپ کے والد محترم کا جدی علاقہ جیتالی نامی گاؤں تھا اور عرصہ سے آپ کا خاندان یہاں کا پٹیل (مکھیہ) تھا۔

تحصیل علم: آپ کی تعلیم 1937 میں کاپودرا کے مدرسہ تعلیم الاسلام، المعروف مدرسہ اسلامیہ، میں شروع ہوئی، حافظ ابراہیم بن اسمٰعیل ملا صاحب سب سے پہلے استاد ٹھہرے، قاعدے سے قرآن کریم اور اردو قاعدے سے تعلیم الاسلام، بہشتی ثمر (دونوں حصے) آں محترم سے پڑھنے کا شرف حاصل کیا۔ ساتھ ہی گاؤں کے اسکول میں پانچ کلاس تک کی عصری تعلیم مکمل کی۔

شوال 1363ھ ستمبر 1944 میں گجرات کی مایہ ناز درسگاہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں داخلہ لیا اور فارسی کی ابتدائی تعلیم مولانا احمد بن داود کفلیتوی رحمۃ اللہ علیہ (1408ھ 1988ء) اور مولانا عبدالحی بن مفتی اسمٰعیل بسم اللہ صاحب ڈابھیلی رحمۃ اللہ علیہ (1396ھ 1976ء) سے حاصل کی، اس کے بعد عربی تعلیم کی ابتدا مولانا عبدالحی بسم اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔

درجہ عربی دوم کی کتب (نور الایضاح، قدوری، ہدایۃ النحو، علم الصیغہ، بحر الآداب (مصری)، تیسیر المنطق وغیرہ) مولانا محمد بن ابراہیم ڈابھیلی المعروف صوفی صاحب رحمۃ اللہ علیہ (1382ھ 1962ء غالباً) سے پڑھیں۔

تجوید و قرات کی تعلیم: تجوید اور قرات کی تعلیم، آپ نے حضرت قاری بندہ الٰہی صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ، اور حضرت قاری محمد حسن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ (1395ھ 1975ء) سے حاصل کی۔

شوال 1367ھ اگست 1948 میں، عربی دوم سے آگے کی مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے، دار العلوم دیوبند کا سفر کیا اور شرح جامی کے سال میں داخلہ ہوا، آپ نے شرح جامی مولانا سید فخر الحسن صاحب امروہوی رحمۃ اللہ علیہ (1400ھ 1980ء) سے، کنز الدقائق مولانا نصیر احمد خان صاحب گلاؤٹھوی رحمۃ اللہ علیہ (1431ھ 2010ء) سے نفحۃ العرب مولانا سید حسن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ

علیہ (1381ھ 1961ء غالبا) سے پڑھی، ساتھ ہی نصاب سے الگ اپنی لگن سے اصول الشاشی مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (1428ھ 2007ء) سے پڑھی۔

1368ھ 1949 میں شرح وقایہ مولانا نصیر احمد خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مقامات حریری مولانا سید معراج الحق صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (1412ھ 1991ء) سے پڑھیں، درمیان سال میں طبیعت کی ناسازی کی بنا پر گھر تشریف لے گئے، اس کے بعد دوبارہ ڈابھیل میں داخلہ کا مشورہ ہوا، اور یہاں عربی پنجم میں آپ کا داخلہ ہوا، یہاں اس سال ہدایہ اولین، اور متنبی حضرت مولانا محمد پانڈور صاحب سملکی رحمۃ اللہ علیہ (1417ھ 1996ء) سے مختصر المعانی اور حسامی حضرت مولانا عبد الروف صاحب پشاوری رحمۃ اللہ علیہ (1423ھ 2002ء) سے پڑھیں۔

مشکوٰۃ شریف اور شرح عقائد مولانا عبد الروف صاحب پشاوری رحمۃ اللہ علیہ، جلالین شریف مولانا عبد الجبار صاحب اعظمی رحمۃ اللہ علیہ (1409ھ 1989ء)، اور ہدایہ آخرین حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس پڑھی۔

1372ھ 1953 میں دورہ حدیث شریف سے فراغت حاصل کی۔

بخاری شریف جلد اول حضرت مولانا عبد الجبار صاحب اعظمی سے، بخاری شریف جلد ثانی، مسلم شریف اور طحاوی شریف، حضرت مولانا عبد الروف صاحب پشاوری سے، اور ابوداود شریف حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب دیوبندی سے پڑھی۔ فرحمہم اللہ رحمۃ واسعۃ

چونکہ مولانا کو عربی سوم اور چہارم کی کتب کی تکمیل نہ ہونے کا قلق تھا، تو اس کی مکافات کی شکل یہ نکالی کہ اس وقت مولانا اسماعیل صاحب رحمۃ اللہ علیہ (1404ھ 1984ء غالبا) کے دو صاحب زادے (مولانا عبد الرحمٰن، حافظ حبیب الرحمٰن) دار العلوم دیوبند میں زیر تعلیم تھے، ان کے ساتھ رہ کر اساتذہ دار العلوم سے دو سال (1960 - 1959) مختلف کتب پڑھیں۔

بخاری شریف مولانا سید فخر الدین احمد صاحب مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ (1392ھ 1972ء) سے، بیضاوی شریف مولانا سید فخر الحسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، متنبی مولانا معراج الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے، ہدایہ اولین اور حسامی مولانا سید اختر حسین صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ (1397ھ 1977ء) سے، رسم المفتی مولانا مفتی مہدی حسن صاحب شاہجہانپوری (1396ھ 1976ء) سے پڑھی۔

انہی سالوں میں دارالعلوم دیوبند میں جامعہ ازہر مصر کے مبعوث شیخ محمود عبدالوہاب محمود طنطاوی صاحب مصری علیہ الرحمہ (1398ھ غالباً 1978ء) سے عربی زبان اور بعض کتب نحو پڑھیں۔

قیام دارالعلوم دیوبند کے دوران آپ نے دیوبند، سہارنپور، رائے پور، گنگوہ، جلال آباد، مرادآباد اور لکھنو کے دیگر اساطین علم اور بزرگان دین سے خوب خوب استفادہ کیا، اس علمی اور اصلاحی استفادہ کا مزاج آپ کا آخری دم تک بنا رہا، اس معاملہ میں حضرت والا چوکتے نہ تھے، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ آپ کو سولہ مشائخ حدیث سے اجازت حدیث حاصل تھی، جنکے اسمائے گرامی پیش خدمت ہیں۔

[1] حضرت مولانا عبدالجبار اعظمی۔

[2] حضرت مولانا عبدالروف پشاوری۔

[3] حضرت مولانا سید فخر الدین احمد مرادآبادی۔

[4] حضرت مولانا محمد ابرہیم بلیاوی (1387ھ 1967ء)۔

[5] حضرت مولانا مفتی مہدی حسن شاہجہانپوری۔

[6] حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی۔

[7] حضرت مولانا قاری محمد طیب۔

[8] حضرت مفتی محمود حسن گنگوہی۔

[9] حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی۔

[10] حضرت مولانا تقی الدین ندوی مظاہری۔

[11] حضرت مولانا محمد یونس جونپوری۔

[12] شیخ عبدالفتاح ابوغدہ شامی (1417ھ 1997ء)۔

[13] شیخ عبداللہ بن احمد الناخبی۔

[14] شیخ احمد قلاش۔

[15] شیخ مالک بن العربی بن احمد الشریف السنوسی۔

[16] شیخہ فاطمہ بنت احمد الشریف السنوسی۔

خدمات جلیلہ:

ستمبر 1953 میں مجلس خدام الدین سملک، میں مکاتیب کے ممتحن کی حیثیت سے دینی خدمات شروع فرمائیں۔

دسمبر 1953 میں حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے ساتھ ایک ماہ کا سفر کرنے کی غرض سے استعفی دیدیا۔

1956 میں ڈابھیل سے مستعفی ہوکر اپنے وطن کاپودرا تشریف لے آئے، اور گجراتی رسالہ "تبلیغ "میں خدمات انجام دیں۔

1957 اور 1958 دوسال کاپودرا میں رہ کر زراعت کا پیشہ اختیار کیا۔

1959 میں دوبارہ مجلس خدام الدین میں بطور ناظم تعلیمات تقرر ہوا۔

درس وتدریس

1954 کے درمیانی سال میں جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں خدمات کا موقع ملا اور تدریس کے لئے تقرر ہوا، اور 1956 میں استعفی دے دیا۔

مارچ 1962 شوال 1381 ھ میں دوبارہ جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل میں مولانا محمد سعید بزرگ سملکی رحمۃ اللہ علیہ (1411 ھ 1990 ء) کے خواہش پر تقرر ہوا، اور تین سال جامعہ میں قیام رہا، اس دوران آپ نے یہاں پر مختلف فنون کی کتابوں کا درس دیا۔

شوال 1385 ھ مطابق جنوری 1966 میں آپ نے حضرت مولانا غلام محمد نورگت صاحب ترکیسری رحمۃ اللہ علیہ (1413 ھ 1993 ء) کی دعوت پر دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر میں تدریسی سفر شروع کیا اور 10 / ذوالقعدہ 1385 ھ مطابق 2 / مارچ 1966 میں عارضی طور پر اہتمام کی ذمہ داری سپرد کی گئی؛ پندرہ دن بعد یعنی 25 / ذوالقعدہ 1385 ھ مطابق 17 / مارچ 1966 کو عہدۂ اہتمام میں استقلال ہوگیا۔ صفر 1405 ھ مطابق اکتوبر 1984 تک یہ اہتمام وتدریس کا دور چلتا رہا، اس طرح آپ نے فلاح دارین ترکیسر میں عمر عزیز کے ستائیس سال گزارے۔ ربیع الاول 1405 ھ مطابق نومبر 1984 کو آپ کو جامعہ کا سرپرست بنایا گیا، 10 / شعبان 1413 ھ مطابق 3 / فروری 1993 کو بعض وجوہ کی بنا پر استعفی پیش کردیا، جس کو بادل ناخواستہ 2 / جمادی الثانی 1414 ھ مطابق 17 / نومبر 1993 کو قبول کرنا پڑا، لیکن اس کے بعد بھی اعزازی طور پر سرپرستی فرماتے رہے، اور وہ بھی رسمی نہیں بلکہ سات سمندر پار رہ کر بھی جامعہ کی آبیاری فرماتے رہے۔

اصلاحی تعلق:

اپنے دورہ حدیث شریف کے سال میں استاذ محترم حضرت مولانا عبد الروف صاحب پشاوری علیہ الرحمہ سے درخواست کی کہ شیخ الاسلام حضرت مدنی رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت کرادیں، تو حضرت مدنی علیہ الرحمہ گجرات کے سفر پر تھے، واپی میں موسیٰ خان صاحب کے مکان پر آپ کو بیعت فرما کر اپنے سلسلہ میں داخل فرمایا، پھر 1953 میں کھروڈ میں مجلس خدام الدین کا جلسہ ہوا، جس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے شرکت فرمائی، کھروڈ جلسہ کے بعد حضرت مدنی علیہ الرحمہ کو ایک ماہ کے سفر کے لئے جانا تھا، تو آپ نے مجلس خدام الدین سے استعفیٰ دیدیا، اور صحبت شیخ کا موقع غنیمت جانتے ہوئے حضرت کے ساتھ ایک ماہ کے سفر پر نکل پڑے، ابھی آپ تزکیہ واحسان کی منزلیں طے فرما رہے تھے کہ حضرت مدنی علیہ الرحمہ کا انتقال ہوگیا۔ حضرت کے انتقال کے بعد آپ نے حضرت مدنی علیہ الرحمہ کے صاحبزادہ محترم حضرت مولانا سید اسعد مدنی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے رجوع فرمایا اور مسلسل بزرگان دین کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوکر استفادہ کرتے رہے، اور اپنا تزکیہ کراتے رہے، خصوصا جن اکابرین کی خدمت جلیلہ میں بار بار حاضر ہوکر استفادہ کرتے رہے، ان کے اسم گرامی اوپر آچکے ہیں۔

حضرت کاپودروی علیہ الرحمہ کو مندرجہ ذیل مشائخین عظام نے اجازت وخلافت سے نوازا۔

[1]......شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد یونس صاحب جونپوری علیہ الرحمہ (1438ھ 2017ء) (مجاز بیعت حضرت مولانا شاہ اسعد اللہ صاحب رامپوری (1399ھ 1979ء)، حضرت مولانا محمد زکریا صاحب، نور اللہ مرقدہما)

[2] حضرت مولانا محمد ہاشم پٹیل جوگواڑی دامت برکاتہم، (مجاز بیعت حضرت مولانا محمد زکریا صاحب، نور اللہ مرقدہ)

[3]......حضرت ڈاکٹر اسماعیل میمن دامت برکاتہم، (مجاز بیعت حضرت مولانا محمد زکریا صاحب، نور اللہ مرقدہ)

[4]......حضرت مولانا حاجی فاروق سکھروی علیہ الرحمہ، (مجاز بیعت حضرت مولانا مسیح اللہ خان صاحب، نور اللہ مرقدہ)

[5] حضرت آصف حسین فاروقی دامت برکاتہم، (مجاز بیعت حضرت خواجہ عبد المالک صدیقی نقشبندی، نور اللہ مرقدہ)

[6]......حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری دامت برکاتہم، (مجاز بیعت حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی، نور اللہ مرقدہ)

[7]......حضرت مولانا منیر احمد صاحب دامت برکاتہم، (مجاز بیعت حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جونپوری، نور اللہ مرقدہ)

[8].....مولانا نعیم اللہ صاحب فاروقی دامت برکاتہم ، (مجاز بیعت حضرت مولانا غلام حبیب صاحب نقشبندی،نوراللہ مرقدہ(1410ھ 1989ء)

[9].....حضرت مولانا ولی آدم صاحب ستپونوی، دامت برکاتہم ،(مجاز بیعت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب،نوراللہ مرقدہ)

حضرت کاپودروی علیہ الرحمہ کے خلفائے عظام

(1)حضرت مولانا اسماعیل پٹیل صاحب دامت برکاتہم ،صاحبزادہ محترم حضرت کاپودروی۔

(2)حضرت مولانا سلیم صاحب دھورات دامت برکاتہم ، بانی وشیخ الحدیث اسلامک دعوہ اکیڈمی لیسٹر۔

(3) حضرت مولانا محمد حنیف صاحب لوہاروی دامت برکاتہم ،شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ عربیہ،کھروڈ۔

(4) حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب دامت برکاتہم ،بانی ومہتمم جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم،اکل کوا۔

(5) حضرت مولانا مفتی محمد یوسف ٹنکاروی صاحب دامت برکاتہم ،شیخ الحدیث دارالعلوم فلاح دارین،ترکیسر۔

1994 میں مولانا ٹورنٹو،کینیڈا منتقل ہوگئے ، یہاں انہوں نے جمیعۃ العلماء کینیڈا، کے قیام میں اہم کردار ادا کیا۔اور یہاں دارالعلوم ایجیکس میں لیکچرز اور ٹورنٹو کی مختلف مساجد میں خطابات کے ذریعہ لوگوں کے تزکیہ و اصلاح کے فرائض انجام دیئے۔

بیوی کا سانحہ انتقال

2006 میں آپ کی شریک حیات، جو ہر گام پر آپ کی معاون کار بنی رہی، داغ مفارقت دے گئی۔

اولاد

حضرت مولانا کو اللہ تعالی نے سات بیٹے اور پانچ بیٹیوں سے نوازا تھا، بیٹوں کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

(1) مولانا محمد مفتاحی صاحب،مقیم حال زامبیا۔

(2) جناب محمد یونس صاحب۔

(3) جناب محمد یوسف صاحب۔

(4) جناب سلیم صاحب۔

(5) جناب مولانا محمد اسماعیل صاحب۔

(6) جناب حافظ قاری محمد ابراہیم صاحب، مقیم حال لندن۔

(7) جناب قاری محمد قاسم صاحب، مقیم حال کنیڈا۔

انتقال پرملال

25/ شوال 1439ھ مطابق 10/ جولائی 2018 بروز منگل دوپہر تقریباً 4/ بجے کاپودرہ میں آپ نے جان جان آفریں کے سپرد کی۔

نماز جنازہ اور تدفین

کاپودرہ میں رات کو ساڑھے دس بجے مفتی اعظم گجرات حضرت مولانا مفتی احمد خانپوری صاحب دامت برکاتہم العالیہ نے ادا کرائی اور کاپودرہ ہی کے قبرستان میں ٹیلہ پر تدفین عمل میں آئی۔

اسفار

آپ کو مقامی طور پر اور بین الاقوامی طور پر مختلف کانفرنسوں اور سیمناروں میں بڑے پیمانے پر شرکت کی دعوت دی جاتی تھی۔ آپ نے سعودی عرب، مصر، عراق، عمان، شام، اردن، مراکش، ترکی، اسپین، فرانس، برطانیہ، امریکہ، پرتگال، جنوبی افریقہ، زمبابوے، زامبیا، ملاوی، ماریشس، ری یونین، پاناما، بارباڈوس، پاکستان جیسے ملکوں کے اسفار فرمائے۔

عہدے ومناصب

تعلیم اور تعلیمی اداروں کے انتظام وانصرام میں وسیع تجربات کے پیش نظر آپ کو مختلف مدارس، اداروں اور تنظیموں نے اپنے اداروں کا سرپرست اور رکن مشاورت بنایا۔ دار العلوم وقف دیوبند، جامعہ عربیہ اسلامیہ ہتھورا، باندہ، جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل، جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا، جامعہ حقانیہ کٹھور، جامعہ قاسمیہ کھروڈ، جامعہ سعادت دارین سٹیون، سمیت گجرات کے بہت سے مدارس میں عاملہ اور مشاورتی رکن کی حیثیت سے اپنی خدمات دیں۔ جمعیۃ علمائے ہند، مسلم پرسنل لابورڈ مجلس خدام الدین سملک، آل انڈیا فقہ اکیڈمی، الندوۃ العالمیہ للادب الاسلامی، کاپودرا ویلفیئر ٹرسٹ نامی تنظیموں کے رکن بھی رہے۔

حضرت مفکرِ ملتؒ کی کوچۂ تصوف میں آبلہ پائی

از اسماعیل بن یوسف کوثر کوساڑی فلاحی غفرلہٗ

خادمِ حدیث، افتاوادب دارالعلوم مرکزِ اسلامی انکلیشور

حضرت مفکرِ ملتؒ جہاں علم وفضل کے میدان میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے وہیں تصوف وسلوک میں بھی مقامِ بلند پر فائز تھے، چوں کہ آپ کے والد ماجد حکیم الامت حضرت اقدس مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کے دست گرفتہ اور حضرت مولانا عیسیٰ صاحب الہ آبادیؒ کے تربیت یافتہ تھے، نیز حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ ودیگر اکابرِ علمائے گجرات سے محبانہ ومخلصانہ تعلق تھے، اس لیے صغرِ سنی ہی سے اکابر کی محبت آپ کی گھٹی میں پڑی ہوئی تھی، بزرگوں کے ملفوظات سننا بچپن کا محبوب مشغلہ تھا، چناں چہ آپ اپنی خودنوشت سرگذشتِ حیات میں تحریر فرماتے ہیں:

> ’’کاپودرا میں حضرت اقدس تھانویؒ سے بیعت کرنے والوں کی اچھی تعداد تھی، وہ سب حضرات میرے پھوپھا محمد پانڈور-جو مولوی صاحب کے نام سے مشہور تھے-کے مکان پر ظہر سے عصر تک حضرت تھانویؒ کے مواعظ کا مذاکرہ کرتے تھے، پھوپھا جان پڑھتے تھے اور دوسرے حضرات سنتے، کبھی کبھی خاص انداز میں مثنوی بھی پڑھتے تھے۔ میں کبھی کبھی والد صاحب کے ساتھ اُس مبارک مجلس میں شریک ہوتا، کم سنی کے سبب مواعظ تو سمجھ میں نہیں آتے تھے، مگر اُسی وقت سے مدرسے میں داخل ہوکر علم سیکھنے کا جذبہ پیدا ہوتا گیا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس رجحان میں اُن مبارک مجلسوں کا اثر تھا۔‘‘

ستمبر ۱۹۵۴ء میں ’’جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل‘‘ سے سندِ فراغت حاصل کرنے کے بعد ’’مجلسِ خدام الدین سملک‘‘ میں مکاتب کے ممتحن (وزیٹر) کے حیثیت سے ملازمت شروع فرمائی، اِس دوران دسمبر میں کروڈ (ضلع سورت) میں مجلس کا جلسہ ہوا، جس میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی آمدِ میمون ہوئی، حضرت کی بے مثال و پرکشش شخصیت نے آتشِ عشق کو مزید فروزاں کردیا اور دریائے محبت وعقیدت میں طوفان برپا کردیا، چناں چہ آپ نے مجلس سے مستعفی ہوکر حضرت شیخ الاسلامؒ کی رفاقت وصحبت میں مکمل ایک ماہ گزارنے کی سعادت حاصل کی۔

مقامِ حیرت ہے کہ علومِ دینیہ سے رسمی فراغت کے بعد نئی نویلی ملازمت تھی، دوسری طرف معاشی حالات بھی قابلِ اطمینان نہ تھے، ایسے موقع پر مستقبل کے افکار و اندیشے رہ رہ کر آپ کا تعاقب کرتے ہوں گے؛ مگر آپ نے ان کی بالکل پروانہ کی اور کوچہ محبت میں چھلانگ لگا ہی دی۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

سچی بات یہ ہے کہ عشق کی متاعِ لازوال کے بغیر یہ سودا صرف خام خیالی ہی ہے۔ جناب مولانا عامر عثمانی مرحوم فرماتے ہیں۔

یہ قدم قدم بلائیں، یہ سوادِ کوئے جاناں وہ یہیں سے لوٹ جائے، جسے زندگی ہو پیاری

بہر حال یہ فکر و اندیشے کسی طرح آپ کی راہ میں حائل نہ ہو سکے، جس سے آپ کی طلبِ صادق اور جوشِ جنوں کا اندازہ ہوتا ہے۔ اِسی سفر کے دوران جب کہ حضرت شیخ الاسلامؒ اپنے منتسبِ خاص جناب موسیٰ خان صاحب مرحوم مقیم والی کے مکان پر فروکش تھے، آپ کے استاذِ گرامی قدر حضرت مولانا عبد الرؤف صاحب پشاوریؒ –سابق شیخ الحدیث ”جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل“ جن کے حضرت مدنیؒ کے ساتھ بہت گہرے تعلقات تھے اور حضرت مدنیؒ ہی کے حکم پر جامعہ ڈابھیل میں آپ کی تشریف آوری ہوئی تھی– کی سفارش پر حضرت مدنیؒ نے اپنے حلقۂ ارادت میں داخل فرمایا، اِس سفر میں حضرت مدنیؒ کی تشریف آوری کا پورا آپ کے دولت کدہ پر بھی ہوئی۔ اس سفر کے واقعات اور حضرت مدنیؒ کے ملفوظات آپ رحمہ اللہ بڑے لطف لے کر سناتے تھے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کے سانحۂ ارتحال کے بعد جگر گوشۂ شیخ الاسلام فدائے ملت حضرت اقدس مولانا سید اسعد مدنی صاحبؒ سے رجوع فرمایا تھا۔ ان کے علاوہ دیگر اکابر کی صحبت میں بھی بغرضِ اصلاح حاضری دیتے رہے، جن اکابر علماء سے آپ نے کسبِ فیض فرمایا ہے اُن کی ایک طویل فہرست ہے، جن میں حضرت مصلح الامتؒ، حضرت مسیح الامتؒ، حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوریؒ، شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلویؒ، حضرت حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحبؒ، حضرت مولانا عبد الحلیم صاحب جون پوریؒ، حضرت مفکر اسلام مولانا علی میاں صاحبؒ، حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ، محی السنہ حضرت ہردوئیؒ، جنید وقت حضرت قاری صدیق احمد صاحب باندویؒ اور حاجی فاروق صاحب سکھرویؒ وغیرہ چند ممتاز نام ہیں، جن کی صحبت میں بار بار تشریف لے جاتے اور آتشِ قلب کی تسکین کا سامان فراہم کرتے، جس کی تفصیل آپ کی مقبولِ عام کتاب ”رشد و ہدایت کے منار“ میں دیکھی جا سکتی ہے۔

مذکورہ اکابر میں سے حضرت شیخ الاسلام مدنیؒ اور حضرت مفکر اسلامؒ کی ہشت پہلو شخصیات نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا تھا؛ چناں چہ آپ کی زندگی میں حضرت مدنیؒ کی سادگی، خاک ساری، جفاکشی اور دینی حمیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی تو حضرت مفکرِ اسلامؒ کی آفاقیت، وسعتِ ظرفی، رکھ رکھاؤ، ادب کی چاشنی اور غیرت وحمیت نے آپ کی شخصیت کو کندن بنا دیا تھا، یہی وجہ ہے کہ ہندو پاک کے درجِ ذیل نو مشائخِ طریقت نے آپ کو اجازت وخلافت سے نوازا جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

(۱) شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد یونس صاحب جون پوریؒ

(خلیفہ و جانشین شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحبؒ ومُجازِ خاص حضرت اقدس مولانا اسعد اللہ صاحب رام پوریؒ)

آپ اپنے ایک سفرِ گجرات کے موقع پر کاپودرا تشریف لائے تھے، اُس وقت حضرت کے صاحبزادے حضرت مولانا اسماعیل صاحب کو اجازت وخلافت یہ فرما کر عطا کی تھی کہ اپنے والد کی خدمت شیخ سمجھ کر کرو، والد سمجھ کر نہیں۔ حضرت شیخؒ کی واپسی کے تقریباً ایک ہفتہ بعد حضرت مفکرِ ملتؒ نے حضرت کی خیریت معلوم کرنے کے لیے فون کیا تو حضرت شیخؒ نے بذریعہ فون حضرتؒ کو بھی اجازت مرحمت فرمائی، نیز درود شریف کے اہتمام اور تلاوتِ کلام پاک کی خاص تاکید فرمائی۔

حضرت شیخؒ حضرت مفکرِ ملتؒ کا غایت درجہ اکرام فرماتے تھے، "فیوضِ سبحانی" پر حضرت مفکرِ ملتؒ کے مقدمہ کو دیکھ کر حضرت شیخ یونس صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ اس آدمی کو مجھ سے محبت معلوم ہوتی ہے، حضرت شیخؒ کا مزاج تو شاہانہ تھا، اور رعب وہیبت کا یہ عالَم تھا کہ حضرت کے سامنے کسی کو دَم مارنے کی ہمت نہ تھی؛ مگر حضرت مفکرِ ملتؒ سے محبت کا یہ حال تھا کہ حضرتؒ جب ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے، اُس وقت اگر حضرت شیخؒ ٹیک لگا کر تشریف فرما ہوتے یا استراحت فرما رہے ہوتے؛ تو جیسے ہی حضرت کی آمد کا علم ہوتا فوراً سیدھے بیٹھ جاتے اور حضرت مفکرِ ملتؒ کو ملاقات سے نوازتے؛ حالاں کہ حضرت مفکرِ ملتؒ اُسی حالت میں ملاقات کرنا چاہتے مگر حضرتؒ اُس کے لیے تیار نہ ہوتے؛ بل کہ ایک بار تو یہ بھی ارشاد فرمایا کہ میرے سفرِ گجرات کے موقع پر اگر آپ کاپودرا میں رونق افروز ہوں تو میری ملاقات کی زحمت نہ فرمائیں، میں خود آپ کی ملاقات کے لیے حاضر ہو جاؤں گا۔ رحمهما الله رحمةً واسعة.

(۲) حضرت اقدس مولانا ہاشم صاحب جوگواڑی دامت برکاتہم
(مجازِ بیعت شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحبؒ)

اجازتِ بیعت کے سلسلے میں حضرت مفکرِ ملتؒ فرماتے ہیں:

"میں بولٹن گیا ہوا تھا تو اُن کا مولوی اسماعیل پر ایک دن فون آیا کہ تم اپنے والد صاحب کو لے کر میرے پاس آجاؤ، میں نے سوچا شاید کچھ کام ہوگا؛ مگر جب اُن کے گھر گئے تو اُنہوں نے میرے سر پر رومال باندھا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے دل میں یہ بات القا فرمائی کہ میں آپ کو اجازتِ بیعت دوں۔"

حضرت مولانا ہاشم صاحب دامت برکاتہم نے حضرت مفکرِ ملتؒ کو "دار العلوم زکریا جوگواڑ" میں حدیث شریف کی تدریس کے لیے بھی اصرار فرمایا تھا؛ مگر حضرت مفکرِ ملتؒ کو اُس کا موقع نہ مل سکا؛ نیز حضرت مولانا مدظلہ کے حکم پر حضرت مفکرِ ملتؒ نے ایک رمضان میں "دار العلوم زکریا" کی مسجد میں اعتکاف بھی فرمایا تھا۔

مکتوبِ اجازت از حضرت اقدس مولانا ہاشم صاحب جوگواڑی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم ومکرم الحاج حضرت مولانا عبداللہ صاحب زادمجدکم

بعد سلام مسنون! میں آج بتاریخ .... آپ کو چاروں سلسلوں میں بیعت اور خلافت کی اجازت دیتا ہوں۔ کوئی اللہ کا بندہ آپ سے بیعت ہونا چاہے اس کو آپ بیعت فرمالیں اور چشتیہ سلسلہ میں معمولات بتائیں۔ اللہ جل شانہٗ ظاہری، باطنی ہر نوع کی ترقیات عطا فرمائے اور یہ اجازت اور خلافت حضرت مرشدی واستاذی شیخ الحدیث قطب الاقطاب مولانا محمد زکریا نور اللہ مرقدہ کی طرف سے ہے۔ معمولاتِ اربعہ یعنی پاسِ انفاس، ذکر قلبی، مراقبہ معیت اور مراقبہ دعائیہ پندرہ پندرہ منٹ تخلیہ میں کرتے رہا کریں۔ اس کا طریقہ ملفوظات میں لکھا ہے، اس سے روحانی، باطنی ترقیات کی امید ہے۔ اللہ جل شانہ استقامت و ترقیات عطا فرمائے۔

ناکارہ ہاشم عفا اللہ عنہ

(۳) حضرت اقدس ڈاکٹر اسماعیل میمن صاحب دامت برکاتہم
(مُجازِ بیعت شیخ الحدیث حضرت اقدس مولانا محمد زکریا صاحبؒ)

آپ حضرت شیخ زکریاؒ کے خلیفہ ہیں، ایک مدت تک بفیلو (امریکہ) میں مقیم رہے، اب کینیڈا ہجرت فرما گئے ہیں اور "چیتھم" میں ایک دار العلوم قائم فرمایا ہے، حضرت مفکرِ ملتؒ حضرت ڈاکٹر صاحب سے اجازت کے سلسلے میں یوں فرماتے ہیں:

"ڈاکٹر صاحب کا معمول تھا کہ ہر ماہ میں ایک رات "کینیڈا" تشریف لاتے، مغرب کے بعد ذکر ہوتا، پھر ختمِ خواجگان ہوتا، اُس کے بعد کتاب کی تعلیم ہوتی، اِس مجلس میں میں بھی شرکت کرتا تھا، ایک دن حضرت مدظلہ نے بلاکر فرمایا کہ میرے دل میں یہ بات آرہی ہے کہ میں آپ کو اجازت دوں، پھر ایسا ہوا کہ امریکہ میں بارڈر پر کچھ حالات خراب ہوئے تو بڑی سخت چیکنگ شروع ہوگئی، جس کی وجہ سے ڈاکٹر صاحب کو آمد ورفت میں بڑی پریشانی ہوئی تو حضرت نے آنا موقوف فرمادیا اور فرمایا کہ بھئی! یہ لوگ جو مجھ سے تعلق رکھتے ہیں ان کو ذرا سنبھالا کرو؛ چناں چہ وہاں "ٹورنٹو" میں "مسجدِ زکریا" ہے جو حضرت ہی کی کوشش سے تیار ہوئی ہے، اُس کے قریب حیدرآباد کے لوگ رہتے ہیں، جو تعلیم یافتہ حضرات ہیں اور حضرت سے متعلقین ہیں، اُسی مسجد میں حضرت کی خانقاہ چلتی تھی؛ چناں چہ ہم بھی وہاں کبھی کبھی چلے جایا کرتے ہیں۔ ایک رمضان میں ہم نے وہاں اعتکاف بھی کیا تھا اور کتاب سنایا کرتے تھے، جیسے حضرت شیخؒ کے وہاں دس بجے کتاب سنانے کا معمول تھا؛ چناں چہ حضرت ڈاکٹر صاحب کے وہاں بھی ڈیڑھ دو گھنٹے کتاب کی تعلیم ہوتی تھی، میں نے دیکھا کہ حضرت شیخؒ کے وہاں کتاب پڑھنے کا معمول تھا، اُس میں اکثر لوگ کتاب کو بالکل سمجھتے نہیں تھے، بس تبرکاً بیٹھے رہتے تھے، چناں چہ میں نے سوچا کہ ایک ایک پیراگراف پڑھ کر اُس کو آسان لفظوں میں سمجھا دیا کروں؛ چناں چہ میں ایسا ہی کیا کرتا تھا۔"

(۴) شفیق الامت حضرت اقدس حاجی فاروق صاحب سکھرویؒ

(مجازِ بیعت مسیح الامت حضرت اقدس مولانا مسیح اللہ خان صاحب جلال آبادیؒ)

آپ کا اصل وطن ’’علی گڑھ‘‘ ہے، پاکستان کے سکھر شہر میں مقیم تھے، حضرت مسیح الامتؒ کی طویل صحبت پائی تھی، آپ کے سلسلے میں حضرت مفکرِ ملتؒ یوں ارشاد فرماتے ہیں:

’’حاجی فاروق صاحبؒ حضرت مسیح الامتؒ کے بڑے خلیفہ تھے، اُن کی بڑی تعریف سنی تھی کہ اُن کا بہت اونچا درجہ ہے، میں نے کہہ رکھا تھا کہ جب اُن کا انگلینڈ کا سفر ہو تو مجھے فون کرنا، میں بھی اُن کی ملاقات کے لیے آؤں گا؛ چناں چہ مولوی اسماعیل صاحب اور مولانا سلیم صاحب دھورات نے فون کیا کہ حاجی صاحب کا پروگرام بن چکا ہے، تو میں انگلینڈ پہنچا اور حضرت سے اجازت چاہی کہ حضرت میرا اس وقت سفر کا کوئی دوسرا مقصد نہیں ہے، میں صرف آپ کے ساتھ پندرہ دن رہنا چاہتا ہوں، اِس پر حاجی صاحب نے فرمایا کہ بہت شوق سے رہیں؛ چناں چہ میں پندرہ دن تک پورے سفر میں حضرت کے ساتھ رہا، پھر حضرت تو چلے گئے، میں بھی ٹورنٹو واپس ہوگیا، حضرت نے مکہ مکرمہ سے عزیزم مولوی اسماعیل سلمہ- جو اُس سال حج کے لیے تشریف لے گئے تھے- کے ساتھ مکتوب ارسال فرمایا کہ میں نے مولانا مسیح اللہ خان صاحبؒ کو خواب میں دیکھا کہ آپ فرمارہے ہیں کہ مولانا کو اجازت دے دو، اُس کے بعد میں نے سوچا تھا کہ پاکستان جاکر حضرت کے ساتھ وقت گزاروں گا؛ لیکن پاکستان کے حالات خراب ہوگئے جس کی وجہ سے نہ جاسکا اور حضرت کو قلب کا عارضہ لاحق ہوا اور کراچی جاتے ہوئے رات میں انتقال فرماگئے۔ حاجی فاروق صاحبؒ بڑے عجیب آدمی تھے، حضرت مسیح الامتؒ کے ملفوظات سے اُن کی کوئی تقریر خالی نہ ہوتی تھی۔‘‘

مکتوبِ اجازت از شفیق الامت حضرت اقدس حاجی فاروق صاحب سکھرویؒ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی دامت برکاتہم واطال اللہ عمرھم

(سابق رئیس فلاحِ دارین ترکیسر)

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ!

آج بے ساختہ بین النوم والیقظہ ایک خاص حالت میں امام الاولیا، قطب العالم، مسیح الامت حضرت مولانا شاہ محمد مسیح اللہ صاحب قدس سرہٗ کی زیارت وملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آں مکرم کا ذکر چھڑ گیا، حضرت والا نے آں مکرم پر بہت اعتماد کا اظہار فرمایا، مزید ارشاد فرمایا: بندہ کے دل میں مولانا عبداللہ صاحب کی بہت محبت ہے، ان کو بندہ کی جانب سے بیعت وتلقین کی اجازت دی جائے؛ لہٰذا بتوفیقہٖ تعالیٰ بتوسل حضرت مرشدی رحمۃ اللہ علیہ بندہ آں معظم کو بیعت وتلقین، اصلاح وتبلیغ کی اجازت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بہت برکات سے نوازیں، خلقِ کثیر کو نفع وفیضِ کثیر ہو۔ آمین!

اللہ تعالیٰ نسبت وحیات میں خاص افزونی وترقی عطا فرمائیں۔ آمین!

والسلام

احقر محمد فاروق عفی عنہٗ، خانقاہِ مسیحیہ، سکھر

۱۴۱۹/۱۱/۲۳ھ

(۵) حضرت اقدس آصف حسین فاروقی صاحب دامت برکاتہم

(مجازِ بیعت حضرت اقدس خواجہ عبدالمالک صدیقی نقشبندیؒ)

حضرت اقدس آصف حسین فاروقی صاحب مدظلہ خواجہ عبدالمالک صدیقی نقشبندیؒ کے خلیفۂ مجاز اور حبیب الامت حضرت اقدس مولانا غلام حبیب صاحب نقشبندیؒ کے پیر بھائی ہیں، بولٹن (یوکے) میں مقیم ہیں، مانچسٹر میں آپ کا خانقاہی فیض جاری وساری ہے، حضرت مفکر ملتؒ کے جگر گوشہ حضرت مولانا اسماعیل صاحب پٹیل مدظلہ کے دولت کدہ پر تشریف لائے، اور حضرت مفکر ملتؒ سے معانقہ فرما کر سلسلۂ نقشبندیہ میں اجازتِ بیعت سے نوازا۔

(۶) مفتی اعظم گجرات حضرت اقدس مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم
(مجازِ بیعت فقیہ الامت حضرت اقدس مفتی محمود حسن صاحب گنگوہیؒ)

اجازت کا پس منظر حضرت مفکرِ ملتؒ یوں بیان فرماتے ہیں:

''حضرت مفتی صاحب کی خدمت میں رمضان المبارک میں حاضر ہوا تھا تو حضرت نے اپنے معتکف میں بلا کر فرمایا کہ میں ایک ہفتہ کے لیے جا رہا ہوں، یہاں عشا کے بعد بیان ہوتا ہے تو آپ روزانہ تھوڑی دیر بات کر لیا کریں اور معتکفین کی نگرانی فرمائیں، میں نے کہا: میں آپ کی جگہ پر کیسے بیٹھوں؟ میں تو خود نابلد قسم کا آدمی ہوں۔ اس پر حضرت نے فرمایا کہ میں آپ کو اجازت دیتا ہوں۔''

حضرت مفتی صاحب دامت برکاتہم کی طرف سے تحریری طور پر اجازت نامہ موصول نہیں ہوا تھا؛ البتہ حضرت مفکرِ ملت نور اللہ مرقدہٗ کے ذخیرۂ مکتوبات میں حضرت اقدس مفتی احمد صاحب دامت برکاتہم کا ایک بیش قیمت مکتوب موجود ہے، جو اپنے مشمولات کے اعتبار سے عظیم افادیت کا حامل ہے، جسے حضرت مفکرِ ملتؒ نے قابلِ طباعت مکاتیب میں شامل فرمایا تھا، اُس کا ایک اقتباس ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ ناقص خیال میں یہ مکتوب خود حضرت اقدس مفتی صاحب اطال اللہ بقاءھم کی قلبی کیفیات کا آئینۂ جمیل بھی ہے:

''آپ کے بیعت ہونے سے لے کر اب تک کی مختصر کیفیت معلوم ہوئی، اللہ تعالیٰ کے کئی بندوں نے آپ پر اپنے اعتماد کا جو اظہار فرمایا ہے وہ مبارک ہے اور قابلِ رشک بھی، آپ کے دل میں امت کے لیے جو درد اور دل سوزی و ہمدردی ہے وہی اس کی بنیاد ہے۔ حضراتِ انبیائے کرام اور مقبولانِ بارگاہِ خداوندی کا ہر زمانہ میں یہ طرۂ امتیاز رہا ہے، اب جب کہ یہ امانت مختلف حضرات کی وساطت سے آپ تک پہنچی ہے تو اُس کا جو حق آپ پر عائد ہوتا ہے وہ بھی ادا کرنا ہے اور اُس کی ادائیگی کے لیے بھی قدرت اپنا کام کرے گی۔ 'و وجدک ضالًا فھدیٰ' کی تفسیر و تشریح اور ارشادِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم 'و ان اُوتیتھا عن غیر مسئلۃ اُعنت علیھا' (بخاری شریف) کو پیشِ نظر رکھئے۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہٗ نے 'آپ بیتی' میں اجازتِ بیعت پر جو کچھ لکھا ہے اُس کو بھی پیشِ نظر رکھئے اور اجازتِ بیعت ملنے پر اِن حضرات (حضرت شیخ الاسلامؒ، حضرت شیخ الحدیثؒ) پر جو کیفیات

طاری ہوئی تھیں اُنھیں بھی تازہ کرلیں، طریقۂ بیعت تو ملفوظاتِ حضرت شیخؒ ' صحبتے با اولیا' کے آخر میں موجود ہے، اُس کے الفاظ میں حالات وظروف کے مطابق اضافہ وترمیم بھی کر سکتے ہیں۔ ایک بات ملحوظ رہے (جس پر میرا اپنا عمل ہے اور اس لیے لکھ رہا ہوں کہ آپ کے لیے بھی مفید ثابت ہو) کبھی اپنے دل میں یہ داعیہ اور خیال پیدا نہ ہو کہ لوگ مجھ سے بیعت ہوں؛ بل کہ اپنے متعلق دل سے یہ سمجھیں کہ 'صلاح کار کجا و من خراب کجا' نیز 'احمد تو عاشقی بہ مشیخت ترا چہ کار الخ' اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ آجائے تو پوری ہمدردی اور خیر خواہی سے اُس کے لیے موجودہ اکابر میں سے جس کے ساتھ تعلق مفید معلوم ہو اُس کا مشورہ دیں، اس کے باوجود کوئی اپنے اصرار پر قائم رہے تو اُس کو کہہ دیں کہ استخارۂ مسنونہ کرلو، اُس کے بعد بھی تمہارے دل میں میلان باقی رہے تو بتلاؤ، جب وہ اس مرحلہ کو بھی پورا کرلے تو یہ سمجھ کر کہ ممکن ہے اُس کے خلوص و طلب کی برکت سے میرا بھی بیڑا پار ہو جائے بیعت فرمالیں، اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کریں کہ اے اللہ! میری نا اہلیت کے باوجود آپ نے اُس کو یہاں پہنچا دیا ہے تو آپ ہی اُس کا کام بنا دیجیے۔ جب بھی کوئی اس نسبت سے آئے تو ہمیشہ اُس کی خیر خواہی اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُس کا تعلق قائم ہو جائے ایسی سعی دل سے ہو، ذاتی مفاد ہرگز ہرگز پیشِ نظر نہ رہے۔ جب کوئی اصلاحی معاملہ لے کر حاضر ہو یا خط کے ذریعہ دریافت کرے تو اولین وہلہ میں اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو کر دل سے یہ دعا کریں کہ اے اللہ! یہ آدمی جو معاملہ لے کر آیا ہے اُس میں اس کے لیے جو مناسب و بہتر ہو وہ میرے دل میں ڈال۔

آپ نے چوں کہ یہ معاملہ بڑے اہتمام وتوجہ کے ساتھ اپنے مکتوب میں پیش فرمایا؛ بل کہ جہاں تک میں سمجھا ہوں، اِس گرامی نامہ کی شانِ صدور ہی یہ ہے، اس لیے مندرجۂ بالا چند سطور جو وقت پر دل ودماغ میں آئیں، لکھ دی ہیں؛ ورنہ ایسی بات بولنے سے عوام کے سامنے حیا مانع ہوتی ہے؛ چہ جائے کہ علما (اور وہ بھی آپ) کے سامنے (اور وہ بھی تحریراً) مجھے اپنے متعلق سلوک وتصوف کی لائن سے کبھی غلط فہمی یا خوش فہمی بحمد اللہ تعالیٰ نہیں ہوئی کہ اِس راہ کے رموز واسرار سے ہمیں بھی واقفیت ہے؛ بل کہ ہمیشہ یہ سوچتا رہتا ہوں کہ نہ معلوم مجھے کہاں ڈالا گیا، اور کیا اکابر کو بھی دھوکہ ہوتا ہے جو مجھ نابکار و نااہل کو یہ ذمے داری حوالہ فرمادی۔

خلق اللّٰہ للحروب رجالاً ورجالاً لقصعة وثرید

اور کبھی یہ خیال آتا ہے کہ مالک السموات والارض کے فیصلوں میں دخل دینے والا تو کون؟ وہ چاہے تو اصحابِ کہف کے کتے کو جنتی بنائے اور بے جان تنے (اسطوانہ حنانہ) میں جان ڈال دے 'یفعل ما یشاء، لا یسئل عما یفعل و ھم یسئلون'۔

دادِ او را قابلیت شرط نیست بل کہ شرطِ قابلیت دادِ اوست

بس چپ چاپ اپنا کام کرتا رہ اور اس کی ہدایت وتوفیق مانگتا رہ 'اعملوا فکل میسر لما خلق لہ' (حدیث)

شاید میرا قلم بہک رہا ہے، اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرمائے، آپ بھی درگزر سے کام لیں۔

میرا خیال یہ ہے کہ آپ وہاں مجلسِ ذکر قائم فرمائیں، آپ کے قرب وجوار میں جو لوگ مقیم ہیں اُن کے ساتھ تو یومیہ ہو تو مناسب ہے اور جو دور کے علاقے میں آباد ہیں اُن کے لیے ہفتہ میں ایک بار، ساتھ ہی درسِ حدیث کی ایک مجلس قائم فرمالیں، اُس کے لیے میرے خیال وتجربہ کے مطابق ریاض الصالحین موزوں ہے، یہ مجلس مسجد ہی میں ہو اور ہفتہ میں ایک بار ہو اور ایک وقت (چوبیس گھنٹے میں) مقرر فرمایئے، جس میں وہاں مقیم حضرات کے معاشرتی، ذہنی، جنسی اور دیگر مسائل (مشکلات) میں اُن کو مناسب دینی رہنمائی اور مشورہ دیں، بہر حال باقاعدہ اعلان یا اندرونی اطلاعات سے لوگوں کو باخبر کر دیا جائے، اِس میں حیا مانع ہو تو یہ کام (اطلاع واعلان) آپ کے قریبی احباب کریں (اصل تو اس میں نیت ہے، اس کا اہتمام فرمالیں، باقی خطرات ووساوس قابلِ توجہ نہیں)''۔

(۷) داعی سنت حضرت اقدس مولانا منیر احمد صاحب بمبوی دامت برکاتہم

(مجازِ بیعت مرشدامت حضرت اقدس مولانا عبدالحلیم صاحب جون پوریؒ)

۲۰۱۱ء میں حضرت والا دامت برکاتہم کوساڑی میں ہونے والے سہ روزہ اصلاحی اجتماع کے موقع پر تشریف لائے تھے، اِسی دوران کا پورا تشریف آوری ہوئی تخلیہ فرما کر حضرت والا نے حضرت مفکرِ ملتؒ کو چاروں سلسلے میں بیعت کی اجازت مرحمت فرمائی، بعد میں ۲۰۱۲ء میں درجِ ذیل مکتوب ارسال فرمایا:

مکتوبِ اجازت از حضرت اقدس مولانا منیر احمد صاحب بمبوی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم مکرم جناب مولانا عبداللہ صاحب مدظلہ کاپودروی

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہٗ

توکلا علی اللہ! آپ کو چاروں سلسلے میں بیعت وارشاد کی اجازت دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، اپنے تعلق میں اضافہ اور دینی اصلاح کا ذریعہ بنائے۔

ہدایات:- یہ چند باتیں تحریر ہیں ان پر عمل کی کوشش کریں

۱	اجازت اعزاز نہیں بلکہ ذمہ داری ہے	۲	پوری زندگی میں شریعت اور سنت کا اہتمام اور اجتنابِ معصیت کی فکر کریں۔
۳	اپنی تکمیلِ اصلاح کے لیے فکرمند رہیں۔	۴	خود بینی اور بدبینی سے بچتے رہیں۔
۵	حقوق اللہ کے ساتھ حقوق العباد کی بھی فکر کریں۔	۶	امتِ مسلمہ کے ساتھ اپنے اہل وعیال کی بھی دینی تربیت کرتے رہیں۔
۷	میرے لیے بھی دعا کرتے رہیں۔	۸	اخلاص اور حسنِ اخلاق کا اہتمام کریں، اخلاص حق خالق اور اخلاق حق مخلوق ہے۔
۹	دو دو دستوں کو اس کی اطلاع کردیں۔	۱۰	اپنا مکمل پتہ اور فون نمبر تحریر کریں۔
۱۱	شب وروز کے نظام الاوقات تحریر کریں۔		
	نوٹ: یہ تحریر قدیم وجدید سب مجازین حضرات کو روانہ ہے۔		

فقط والسلام

منیر احمد

۶/شوال المکرم ۱۴۳۳ھ - ۲۵/ اگست ۲۰۱۲ء

جامع مسجد کالینا، بمبئی، نمبر -۹۸

(۸) حضرت اقدس مولانا نعیم اللہ صاحب فاروقی نقشبندی دامت برکاتہم

آپ حضرت اقدس مولانا غلام حبیب صاحب نقشبندیؒ کے خلیفہ ہیں، باٹلی (انگلینڈ) میں مکاتب کے مدرسین کا اجلاس تھا، جس میں حضرت مفکر ملت کا خطاب ہوا تھا، اسی موقع پر دورانِ اجلاس حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب صوفی لاجپوری اور جناب زاہد پٹیل نقشبندی صاحبان نے حضرت مولانا نعیم اللہ صاحب نقشبندی مدظلہ کی وکالت میں اجازت نامہ پیش فرما کر دستار بندی فرمائی تھی۔

مکتوبِ اجازت از حضرت اقدس مولانا نعیم اللہ صاحب فاروقی نقشبندی دامت برکاتہم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علیٰ خاتم المرسلین.

احقر العباد محمد نعیم اللّٰہ فاروقی بن محمد صدّیق الحنفي مذھباً و النقشبندي المجدّدي مشرباً عرض کرتا ہوں (ہے) کہ شیخ الحدیث مولانا محمد عبداللہ بن محمد اسماعیل کاپودروی مدظلہ سے تعلقِ دیرینہ رکھتا ہے۔ اس دوران اُن کی علمی خدمات اور للّٰہیت قریب سے دیکھنے میں آئیں۔ والحمد للّٰہ علیٰ ذالک.

آج بتاریخ ۲۳/ ربیع الاول ۱۴۲۷ھ بمطابق ۲۲/ اپریل ۲۰۰۶ء قلب میں داعیہ پیدا ہوا کہ حضرت موصوف اپنے مزاج کی انکساری اور فروتنی کے باعث سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ میں بہتر کام کر سکتے ہیں۔

اس لیے راقم حضرت موصوف کی خدمت میں یہ التماس کرتا ہے کہ طالبین سے بیعت لیں اور للہ فی اللہ اُن کی اصلاح کی طرف توجہ فرمائیں۔ مخلوقِ خدا روحانی اعتبار سے پیاسی ہے اور روحانیت سے ناواقف لوگ روحانی طالبین کا استحصال کر رہے ہیں، ایسے میں اگر حضرت مولانا محمد عبداللہ کاپودروی مدظلہ جیسی شخصیات محض درس اور وعظ پر اکتفا کر کے بیٹھ رہے تو خطرہ ہے آخرت میں مواخذے کا۔

حضرت مولانا محمد عبداللہ کاپودروی مدظلہ کے ہم سفر حضرات حاضرین کو مناسب ترغیب دیں اور ترغیبی کلمات میں روح اور روحانیت کے تقاضوں اور شیخ کی ضرورت اور اہمیت سے لوگوں کو آگاہ کریں۔

میں **محمد نعیم اللّٰہ فاروقی بن محمد صدّیق الحنفي مذهباً و النقشبندي المجدّدي خليفة مُجاز حضرت مولانا پیر غلام حبیب نقشبندی رحمة الله علیه** بذریعہ عریضہ ھذا **الشیخ الحدیث حضرت مولانا محمد عبد الله بن محمد اسماعیل کاپودروی مد ظله** کو سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ مجددیہ حبیبیہ کی اجازت و خلافت دیتا ہوں۔

میں امید کرتا ہوں کہ حضرت مولانا محمد عبداللہ کاپودروی مدظلہ اپنی ذاتی طبع پر سلسلۂ عالیہ کی ضرورت کو فوقیت دیں گے، انشاء اللہ۔

میں امید کرتا ہوں کہ حضرت مولانا محمد عبداللہ کاپودروی مدظلہ طالبین کو خوابوں اور خیالوں کی دنیا سے نکال کر حقائق کی راہ پر گامزن کریں گے۔

میں بوجہ اپنی غیر حاضری کے جناب حضرت مولانا عبدالروف صوفی مدظلہ اور جناب زاہد پٹیل نقشبندی کو یہ اجازت نامہ پیش کرنے اور دستار بندی کی سنت پوری کرنے کے لیے اپنا وکیل مقرر کرتا ہوں اور حضرت مولانا عبداللہ صاحب مدظلہ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔

واللّٰہ الموفّق و المُعین، و به نستعین.

فقط والسلام محمد نعیم اللہ فاروقی نقشبندی **عفا اللّٰہ عنه و عن والدیه**

22-04-2006

(۹) حضرت اقدس مولانا ولی آدم صاحب لیسٹر (یوکے)
(مجازِ بیعت مفکرِ اسلام حضرت مولانا علی میاں صاحب ندویؒ)

آپ کا اصل وطن ستپون گجرات ہے، حضرت مفکرِ اسلام مولانا علی میاں صاحب ندویؒ کے مجاز ہیں، آں محترم نے حضرت کے دولت کدہ پر تشریف لا کر یہ کہتے ہوئے اجازت مرحمت فرمائی کہ حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی طرف سے جو امانت مجھے پہنچی ہے، دل میں یہ داعیہ پیدا ہو رہا ہے کہ میں اُسے آپ کے حوالے کر دوں۔ اور یہ بات معلوم ہے کہ حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کو حضرت مولانا شاہ عبدالقادر صاحب رائے پوریؒ کی طرف سے سلسلۂ قادریہ اور چشتیہ میں خصوصی اجازت حاصل تھی، اِس معنیٰ کر حضرت مفکرِ ملتؒ کو حضرت مولانا مدظلہ کے واسطے سے دونوں سلسلوں میں باضابطہ طور پر اجازت حاصل ہوئی۔

مذکورہ فہرست پر نظر دوڑانے سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کو سلاسلِ ثلاثہ عالیہ: چشتیہ، نقشبندیہ اور قادریہ میں باقاعدہ اجازت حاصل ہوئی ہے؛ نیز چوں کہ ہمارے مشائخ کا معمول یہ ہے کہ اپنے مجازین کو چاروں سلسلوں میں اجازت دیتے ہیں، اِس حیثیت سے سلسلۂ سہروردیہ میں بھی آپ مجاز تھے؛ البتہ حضرتؒ پر چشتیہ رنگ ہی غالب تھا، اُسی کے نہج پر اپنے متعلقین کی تربیت فرماتے تھے، جیسا کہ خود حضرت مفکرِ ملتؒ نے احقر کے استفسار پر ارشاد فرمایا تھا۔ بہر حال مذکورہ بالا تفصیل سے مشائخِ طریقت کے اعتماد اور آپ کی مقبولیت ومحبوبیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

اور یہ اجازتیں محض خانہ پری کی نہیں ہیں؛ بل کہ اِن کے پیچھے آپ کی عظیم قربانیاں اور مجاہدات کارفرما رہے ہیں۔ آپ نے ستائیس سال تک انتہائی نامساعد حالات میں ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' کا بے مثال اہتمام فرمایا جو آپ کا سب سے بڑا مجاہدہ ہے۔ پھر سحر خیزی آپ کا دائمی معمول تھا، ''دارالعلوم فلاحِ دارین'' کے اساتذہ وطلبا اِس پر شاہد ہیں کہ ستائیس سالہ دورِ ریاست واہتمام میں شاید ہی کبھی آپ کی صفِ اولیٰ فوت ہوئی ہو۔ فجر کی اذان سے پہلے تشریف لا کر تہجد وتلاوت میں مشغول ہو جاتے اور یہ معمول زندگی کے آخری ایام تک برقرار رہا، صرف آخر کے دو چار روز جب آپ کی حالت انتہائی ناساز تھی اور ہر وقت غنودگی کی کیفیت طاری رہتی تھی، چند نمازیں قضا ہو گئیں، دوازدہ تسبیح کا انتہائی اہتمام تھا جس سے قُبیلِ فجر ہی فارغ ہو جاتے۔ اِس وصفِ استقامت پر ہزاروں کرامتیں قربان! اکابرین کا ارشاد ہے:

"الاستقامۃ فوق ألوف الکرامات".

یہ آپ کے غایت درجہ اعتدالِ فکر ونظر اور تواضع کی علامت ہے کہ آپ نے ہر سلسلے کے اکابر کی خدمت میں جا کر کسبِ فیض کیا اور اِس سلسلے میں کسی قسم کے تعصب وتحزب کو گوارا نہ کیا۔ نیز اکابر کی ایک جماعت سے اجازت وخلافت کے باوجود خود اپنا حلقہ قائم کرنے کی فکر نہیں کی؛ بل کہ طالبین کو بڑی ہمدردی کے ساتھ قرب وجوار کے مشائخ کی جانب متوجہ فرماتے رہے، اگر کوئی بہت ہی بضد ہوتا تو انتہائی شرمندگی کے جذبات کے ساتھ اسے بیعت فرمالیتے اور اس کی روحانی تربیت کے لیے سراپا متفکر رہتے، اس سے جہاں حضرت کی فراخ دلی، سیر چشمی اور فکری اعتدال کا پتہ چلتا ہے وہیں آپ کے اِس عمل میں بعد والوں کے لیے درسِ موعظت بھی ہے۔

بہر حال بزرگوں کے ساتھ والہانہ محبت اور وارفتگی آپ کی زندگی کا روشن باب ہے، زندگی کے ہر نازک موڑ پر آپ نے اکابرین سے مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھایا، ان کی خدمت میں ہزاروں میل کا سفر کر کے نیاز مندانہ حاضری دیتے اور اُن کی مقبول دعاؤں اور توجہات سے اپنے دامن کو بھر کر واپس ہوتے۔ اکابر ومشائخ کی ایک بڑی جماعت کو "دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر" میں بلا کر خود بھی کسبِ فیض فرمایا اور دیگر ہزاروں لوگوں کے لیے استفادہ کی راہ ہموار فرمائی۔

زیرِ نظر سطور میں حضرت مفکر ملتؒ کی مقبول کتاب "رشد وہدایت کے منار" سے حضرت مصلح الامتؒ اور حضرت فقیہ الامتؒ کی بارگاہ میں حاضری کی کیفیت مختصر انداز میں پیش کی جارہی ہے۔

حضرت مصلح الامتؒ کی بارگاہ میں حاضری:

حضرت مفکر ملتؒ کی حاضری حضرت مصلح الامت نور اللہ مرقدہ کے وہاں دو بار ہوئی، پہلی دفعہ حضرت مولانا ایوب صاحب اعظمیؒ، سابق شیخ الحدیث "جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل" کے ہمراہ ہوئی، دوسری دفعہ جب فلاحِ دارین کی درس گاہ والی عمارت تیار ہوگئی تو اس کے افتتاحی اجلاس میں تشریف آوری کی دعوت دینے کی خاطر سفر فرمایا۔ اِس حاضری کی منظر کشی حضرت والا نے اپنے بہار آفریں قلم سے کچھ اِس طرح فرمائی ہے:

"راقم الحروف بمبئی حاضر ہوا اور حضرت شاہ صاحبؒ کی خدمت میں اِس جلسہ میں شرکت کرنے اور دعا سے نوازنے کی درخواست کی، تھوڑی دیر سکوت فرمایا، پھر ارشاد فرمایا: "آپ کی دعوت سے خوشی ہوئی، میں اصولی طور پر دعوت قبول کرتا ہوں، مگر اِس وقت حاضر نہیں ہوسکتا، کسی اور موقعہ سے حاضری ہوگی؛ اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا ایک ہفتہ قیام کروں گا اور سفر اپنے خرچ سے کروں گا۔ مزید ارشاد

فرمایا کہ جب کسی جلسہ میں بہت سے علماجمع ہوتے ہیں تو عموماً سامعین تقابل میں لگ جاتے ہیں کہ کس عالم کی تقریر اچھی ہوئی اور اُس سے خاطر خواہ نفع نہیں ہوتا اور مقصود اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو نفع پہنچانا ہے، ویسے دعا ضرور کروں گا۔ جب واپسی کا مصافحہ کرنے حاضر ہوا تو حضرت نے اپنا ہاتھ ناچیز کے ہاتھ سے رگڑا اور فرمایا جاؤ مولوی صاحب کام کرو، کام کرو! اللہ تعالیٰ کامیاب فرماوے! ناچیز کے پورے جسم میں جیسے بجلی کوندگئی اور ان دو تین کلمات نے بڑی ڈھارس بندھائی، افسوس کہ اس کے بعد حضرتؒ کا حجاز کا سفر ہوا اور اسی سفر میں اپنے رب سے ملنے تشریف لے گئے۔"

حضرت فقیہ الامتؒ کی خانقاہ میں:

حضرت اقدس مفتی محمود حسن گنگوہیؒ کے وہاں بار بار تشریف لے جاتے رہے، حضرت بھی کرم فرما کر ترکیسر تشریف لائے، آخری حاضری کی تفصیل کچھ اِس طرح تحریر فرمائی ہے:

"آخری ایام میں دیوبند کی "چھتہ مسجد" آپ کی قیام گاہ اور خانقاہ تھی، دو تین بار وہاں بھی حاضری کی توفیق ہوئی، آخری حاضری کے وقت کمرے میں حاضر ہوا، مولانا ابراہیم پانڈور صاحب نے فرمایا: عبداللہ کاپودروی آیا ہے، حضرت چارپائی سے بمشکل کھڑے ہوئے، بہت لجاجت سے عرض کیا: حضرت تشریف رکھیں، مگر حضرت کھڑے ہوئے اور عجیب کیفیت تھی کہ ہاتھ پکڑ کر اللہ! اللہ! اللہ! فرماتے رہے، بدن کانپ رہا تھا، دل پر عجیب کیفیت طاری ہوگئی، تشریف فرما ہوئے اور بندے کی اور مدرسے کی خیریت دریافت فرمائی، کھانا بھی ساتھ میں کھلایا، بس یہ حضرت کی آخری ملاقات تھی۔"

خانقاہی نظام:

آپ نے حضرت ڈاکٹر اسماعیل میمن صاحب مدظلہ، حضرت مفتی فاروق صاحب میرٹھیؒ اور حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری مدظلہ وغیرہ اکابرین کے حکم پر تقریباً تین سال "مسجد عائشہ کاپودرا"، ایک سال "مسجد ابوبکر ٹورنٹو"، ایک سال "مسجد زکریا ٹورنٹو" اور ایک سال "دارالعلوم زکریا جوگواڑ" میں اعتکاف فرما کر مخلوقِ خدا کو فیض پہنچایا، اِس کے علاوہ کچھ روز ڈابھیل خانقاہِ محمودیہ میں بھی معتکف ہوئے تھے، اس قیام سے عوام وخواص کے ایک بڑے حلقہ کو اصلاح وتربیت اور اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرنے کا زریں موقع میسر آیا۔

خلفائے عظام:

یوں تو آپ کے میخانۂ محبت و معرفت سے اس طویل ترین مدت میں ہزاروں افراد نے جامِ معرفت نوش کیے، سیکڑوں نے راہِ ہدایت کا سُراغ پایا اور صدہا لوگوں نے علم و عمل کے گیسوئے برہم کو سنوارا؛ مگر چند وہ ممتاز شخصیات جنھوں نے آپ سے خصوصی کسبِ فیض فرما کر اپنے قلب و جگر کو جلا بخشی اور حضرت والا نے اُن پر اعتماد فرما کر خلعتِ خلافت سے نوازا۔ اُن پانچ شخصیات کے اسمائے گرامی تاریخِ خلافت کی ترتیب کے اعتبار سے حسب ذیل ہیں:

(۱) حضرت مولانا اسماعیل پٹیل صاحب دامت برکاتہم، خادمِ خاص و جگر گوشۂ حضرت مفکرِ ملتؒ

(۲) حضرت مولانا سلیم صاحب دھورات دامت برکاتہم، بانی و شیخ الحدیث اسلامک دعوہ اکیڈمی لیسٹر

(۳) حضرت مولانا محمد حنیف صاحب لوہاروی دامت برکاتہم، شیخ الحدیث جامعہ قاسمیہ عربیہ، کھروڈ۔

(۴) خادم القرآن والمساجد حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی دامت برکاتہم، بانی و مہتمم جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم، اکل کوا۔

(۵) حضرت مولانا مفتی یوسف صاحب ٹنکاروی دامت برکاتہم، شیخ الحدیث دار العلوم فلاحِ دارین، ترکیسر۔

ماشاء اللہ! یہ سب حضرات حضرت مفکر ملتؒ کی نیابت میں ایک وسیع ترین حلقہ میں معروفِ خدمت ہیں، اللہ تعالیٰ اِن حضرات کی عمروں میں برکت عطا فرمائیں اور کثیر تعداد کو اُن سے فیض یاب فرمائیں۔

آمین یارب العالمین!

(زیرِ نظر مضمون کی تیاری میں اپنی نجی معلومات کے علاوہ جگر گوشۂ مفکرِ ملت حضرت مولانا اسماعیل صاحب پٹیل دامت برکاتہم کا خصوصی تعاون حاصل رہا جس پر حضرت کا نہایت شکر گزار ہوں۔ اِسی طرح شیخ طلحہ منیار، شیخ عبید اللہ منیار، مولانا عبد الحنان منیار، مولانا صہیب منیار وغیرہ حضرات پر مشتمل ایک وفد حضرتؒ کی زیرِ قیادت "چین" گیا تھا، دورانِ سفر حضرتؒ نے اپنے سلوک کے سلسلے میں جو باتیں ارشاد فرمائی تھیں، اِن حضرات نے اسے محفوظ کرلیا تھا، خوش قسمتی سے وہ ریکارڈنگ حضرت مولانا اسماعیل پٹیل صاحب مدظلہ کے واسطے سے احقر کو موصول ہوئی، جس سے مضمون کی تیاری میں خاصی مدد ملی، لہٰذا حضرت کے اِن تمام رفقائے سفر کا بھی تہہ دل سے مشکور ہوں۔ احقر اسماعیل بن یوسف کوثر غفرلہٗ)

کہاں چل دیے ہم سے منہ موڑ کر

ابو عالیہ ناز قاسمی ، مدھوبنی ۔استاذ جامعہ اکل کوا

یہ ایک زندہ حقیقت ہے:

دنیا کے جو مزے ہیں ہرگز یہ کم نہ ہوں گے
چرچے یہی رہیں گے افسوس! ہم نہ ہوں گے

موت برحق ،ایک اٹل حقیقت اور فیصلۂ خداوندی ہے،جس کا آج تک کسی نے انکار نہیں کیا ہے اور نہ ہی اس کی گنجائش ہے۔یہی ایک ایسی زندہ حقیقت ہے،جس کو اہل ایمان تو کیا؛دنیا کی ہر قوم کے جبابرہ، فراعنہ، قیاصرہ اور نماردہ سبھی تسلیم کرتے ہیں اور اس حقیقت کے آگے اپنی ہار مان چکے ہیں، کیوں کہ اس کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ بھی نہیں ہے۔یہاں تک کہ دہریوں نے خدا کی خدائی کا تو انکار کیا ہے لیکن موت کو انھوں نے بھی تسلیم کیا ہے۔دنیا میں جو بھی آیا وہ جانے ہی کے لیے آیا۔ہمیشہ باقی رہنے والی ذات صرف رب ذوالجلال کی ہے، جو موت وحیات کا خالق اور قادر ومختار ہے۔اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں:

﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ لَهُ الْحُكْمُ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ﴾

ترجمہ: اس کی ذاتِ پاک کے سوا ہر چیز فنا ہونے والی ہے۔اسی کا حکم ہے اور اسی کی طرف تم لوٹ کر جاؤ گے۔

کچھ لوگ زمانے میں ایسے بھی ہوتے ہیں:

لیکن کچھ جانے والے ایسے بھی ہوتے ہیں، جو اپنے روشن کارناموں اور یادوں کے ایسے گہرے اور انمٹ نقوش؛ دلوں پر ثبت کر جاتے ہیں کہ مر کر بھی ہر خاص وعام کے دل میں زندہ رہتے ہیں اور الیٰ یوم النشور زندہ رہیں گے۔ان کی تعلیمات وارشادات اور تنقیحات وتحقیقات کا دریا ہمیشہ بلا تفریق مشرب ومسلک اور مذہب وملت بہتا رہتا ہے اور ان کی تعلیمات لوگوں کی اجتماعی وانفرادی زندگی میں مینارۂ نور اور مشعلِ راہ کا کام دیتی ہیں۔انھیں مردان باصفا اور رجالِ کار میں استاذ الاساتذہ ،سرتاج اولیا،مخدوم العلما،مفکر قوم وملت، نازش وطن، فخر گجرات، جامعہ فلاح دارین ترکیسر، ضلع سورت کے مہتمم ،جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کے سرپرستِ ثالث حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی بن اسماعیل بن حسین قاسم پٹیلؒ کا نام بھی شامل ہے۔جو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "کن في الدنيا كأنك غريب او عابر سبيل" کے مصداق رہ کر فانی زندگی میں کل ۳۰،۸۴۲ دن یعنی ۸۷ ر

سال، ایک ماہ ۱۴ر دن کی عمر پا کر ۱۰ر جولائی ۲۰۱۸ء مطابق ۲۵ر شوال المکرم ۱۴۳۹ھ بروز منگل دوپہر تقریباً چار بج کر ۲۰ر منٹ پر اس دار الغبار سے نکل کر دار القرار میں قرار پا گئے۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

جن کو کل تک ہم ''دامت برکاتہم'' اور ''مدظلہ العالی'' کے حسین القاب سے یاد کیا کرتے تھے؛ آج مرحوم ومغفور لکھتے ہوئے کلیجہ منہ کو آرہا ہے اور قلم کانپ رہا ہے، لیکن لکھنا ہی پڑے گا۔

آپ کی ولادت:

برما کے ''شان'' اسٹیٹ نامی صوبہ کے ہیہو (Heho) شہر میں ۱۱ر رمضان المبارک ۱۳۵۲ھ، بروز: جمعہ کو ہوئی۔ آپ کی پیدائش پر خاندان میں خوشی ومسرت کی گویا برسات ہوگئی۔ وجہ اس کی یہ تھی کہ آپ سے پہلے ۵ر بہنوں کی پیدائش ہو چکی تھی۔ آپ کے والد محترم برما میں بڑے ہی علما نواز تھے اور علما کے ساتھ ان کے خوش گوار تعلقات تھے، اس لیے علمائے کرام سے دعائیں کرواتے رہتے تھے۔ یہاں تک کہ ایک مرتبہ بذریعہ مراسلت حکیم الامت حضرت تھانویؒ (و: ۵ر ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ، بروز: بدھ، بوقت: صبح صادق/ م: ۱۵ر رجب المرجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۹ر جولائی ۱۹۴۳ء، بروز: پیر، رات ۱۰ر بج کر ۳۰ر منٹ) سے بھی دعا کی درخواست کی تو جواب میں ارشاد ہوا کہ ''دعا کرتا ہوں''۔

۱۹۳۵ء میں جب کہ حضرت کی شیر خوارگی کا ہی زمانہ چل رہا تھا یعنی دو ڈھائی سال ہی کی عمر تھی کہ والد صاحب نے برما کی سرزمین کو خیر باد کہا اور کاپودرا کو اپنا مسکن بنالیا۔

ابتدائی تعلیم اور پہلے استاذ:

ضلع بھروچ کے انکلیشور تحصیل میں آنے والے گاؤں ''کاپودرا'' میں حافظ ابراہیم بن اسماعیل ملاؒ عمر واڑی؛ کے پاس الف با سے لے کر قرآن مجید کی تکمیل ہوئی؛ پھر اردو قاعدہ، تعلیم الاسلام، بہشتی ثمر کے دو حصے اور چہل سبق تک کے اسباق انھیں کے پاس ہوئے۔ گاؤں کے ہی اسکول میں پانچویں تک کی تعلیم حاصل کی۔

جامعہ تعلیم الدین میں داخلہ:

۱۹۴۴ء میں ہوا۔ وہاں پر رہ کر مولانا محمد داؤد کفلیتویؒ اور مولانا عبدالحی بن مفتی اسماعیل بسم اللہؒ سے درجہ فارسی کی بسم اللہ کی۔

عربی اول مولانا عبدالحی بسم اللہ ڈابھیلیؒ سے پڑھا۔ عربی دوم میں نور الایضاح، مختصر القدوری، علم الصیغہ، بحر الادب (مصری) اور تیسیر المنطق وغیرہ کتابیں حضرت مولانا ابراہیم ڈابھیلی عرف صوفی صاحبؒ سے پڑھیں۔

دارالعلوم دیوبند کا سفر:

عربی دوم سے فراغت کے بعد ۱۹۴۹ء میں از ہرِ ہند دارالعلوم دیوبند کے لیے اس حال میں رختِ سفر باندھا کہ والد صاحب کی رضامندی اُس میں شامل نہیں تھی ؛ بہر حال وہاں پہنچ کر کنز الدقائق و شرح جامی کے درجہ میں داخلہ ہوا۔ دوسرے سال شرح الوقایہ کی تکمیل کی لیکن صحت کا توازن غیر متوازن ہونے کی وجہ سے والد صاحب اور دیگر رشتہ داروں کی رائے پر دوبارہ تعلیم الدین ڈابھیل آگئے۔ یہاں پر اُس سال عربی چہارم میں کوئی طالب علم نہ تھا، اس لیے عربی سوم یا پنجم میں داخلے کی رائے ہوئی اور خرابیٔ صحت کی وجہ کر عربی پنجم میں داخلہ ہوگیا۔ ہدایہ اولین اور دیوان المتنبی مولانا محمد پانڈور سملکیؒ کے سپرد ہوئی اور حسامی و مختصر المعانی مولانا عبدالروف پشاوریؒ کے پاس ہوئی۔ اگلے سال مشکوٰۃ شریف اور شرح عقائد مولانا عبدالروف پشاوریؒ شاگردِ مولانا حسین احمد مدنیؒ کے پاس، جلالین مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ اور ہدایہ آخرین مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کے زیرِ تدریس رہی۔

تکمیل دورۂ حدیث شریف:

۱۹۵۲ء میں بخاری شریف جلد اول اور ترمذی شریف مولانا عبدالجبار صاحب اعظمیؒ، بخاری جلد ثانی، مسلم شریف مکمل اور طحاوی شریف مولانا عبدالروف پشاوریؒ کے پاس اور ابوداؤد مولانا فضل الرحمٰن صاحبؒ کے پاس مکمل کی اور اس طرح آپ کا تعلیمی سفر ۱۹۵۳ء میں جامعہ تعلیم الدین ڈابھیل سے سندِ فراغت کی تحصیل کے ساتھ پورا ہوگیا۔

دوبارہ دارالعلوم کا رخ:

پھر ۱۹۵۹ء،۱۹۶۰ء میں تکمیل کے مقصد سے دارالعلوم دیوبند میں دو سال قیام کیا۔ علامۂ وقت فخر الدین مرادآبادیؒ سے بخاری کا سماع کیا۔ وہیں پر مبعوثِ جامعہ از ہر شیخ محمود عبدالوہاب محمود طنطاوی مصریؒ سے عربی زبان و ادب اور قواعد نحویہ کی بعض کتابیں پڑھیں۔ پھر سہارن پور میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے "مسلسلات" کی سماعت فرما کر اجازتِ حدیث حاصل کی۔

۱۹۶۰ء کے بعد کے اوراق ؛ دیگر قلم کار و قلمی شہسوار حضرات کھولیں گے، قارئین وہاں سے استفادہ کریں۔ ہم صرف ان کی بلندیٔ درجات کی دعا کے ساتھ رخصت کی اجازت لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے لطفِ عمیم سے اُن کی قبر مبارک کو "روضۃ من ریاض الجنۃ" کا مصداق بنائے۔ آمین!

اکابر جو میرے دنیا سے گذرے انھیں جنت میں اعلیٰ مرتبہ دے
جو ہیں موجود ان کی عمر یارب برائے خیر و برکت تو بڑھا دے

اللھم اغفر لھم وارحمھم وسکنھم فی الجنۃ النعیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حضرت مفکرِ ملتؒ کے متعلق چند مبشرات

اسماعیل بن یوسف کوثر فلاحی عفا اللہ عنہ

خادمِ حدیث وافتا دار العلوم مرکز اسلامی، انکلیشور

وریسرچ اسکالر شیخ عبداللہ کاپودروی اکیڈمی

خواب کے سلسلہ میں فلاسفہ اور اطبا کی آرا مختلف ہیں اور ان کا نقطۂ نظر مشہور ہے۔ علمائے اسلام سے بھی اس سلسلے میں متضاد اقوال منقول ہیں، جنھیں حافظ ابنِ حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے اپنی مایۂ ناز کتاب ''فتح الباری، کتاب التعبیر'' میں ذکر فرمایا ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ''کتاب الروح'' میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ روایت نقل فرمائی ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب آدمی سوتا ہے تو اس کی روح چلتی ہے، اگر عرش پر پہنچنے سے پہلے آنکھ کھل جاتی ہے تو خواب کاذب ہوتا ہے اور اگر عرش پر پہنچنے کے بعد کھلتی ہے تو خواب سچا ہوتا ہے، مگر یہ روایت ضعیف ہے۔

علامہ ابن قیم رحمہ اللہ نے ایک اور حدیثِ مرفوع نقل فرمائی ہے کہ "ان رؤيا المؤمن كلام يكلم به العبد ربه في المنام" مؤمن کا خواب کلام ہوتا ہے جس سے بندہ اپنے رب سے خواب کی حالت میں ہم کلام ہوتا ہے۔ (کتاب الروح، ص: ۳۰)

بعض علما کا خیال ہے کہ نوم کی حالت میں روح ملأ اعلیٰ پر سجدے کے لیے جاتی ہے، کبھی روح کو روک لیا جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے، اس آمد و رفت کے دوران کبھی لوحِ محفوظ میں کسی چیز پر نظر پڑ جاتی ہے تو اس سے جو صورت منقش ہوتی ہے اسی کو منام کہتے ہیں۔

شریعت میں خواب کا ایک مقام ہے، جس کا اندازہ درج ذیل حدیثوں سے ہوتا ہے:

حضرت سمرہ بن جندبؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی نماز کے بعد عموماً صحابہؓ سے دریافت فرماتے کہ تم میں سے کسی نے خواب دیکھا ہے؟ اگر کسی نے خواب دیکھا ہوتا تو وہ بیان کرتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تعبیر ارشاد فرماتے۔ (بخاری شریف، رقم الحدیث: ۷۰۴۷)

اسی طرح جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خواب دیکھتے تو بیان فرماتے، ایسی احادیث سے خواب کی اہمیت پر بخوبی روشنی پڑتی ہے اور یہ کہنا بجا ہوگا کہ یہ بھی سیرتِ طیبہ کا ایک اہم باب ہے، بل کہ ترمذی شریف میں حضرت انسؓ سے مروی ہے:

قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ و سلم: ان الرسالة و النبوة قد انقطعت، فلا رسول بعدي و لا نبي، فشق ذالک علیٰ الناس، فقال: لاکن المبشرات، قالوا: یا رسول اللّٰہ! و ما المبشرات؟ قال: رؤیا المسلم و هي جزءٌ من أجزاء النبوة.

(ترمذی رقم الحدیث: ۲۲۷۲)

یعنی نبوت ورسالت کا سلسلہ میرے اوپر منقطع ہوگیا، میرے بعد کوئی نبی ہوگا اور نہ رسول۔ یہ بات حضرات صحابہؓ پر بہت زیادہ شاق گزری (اس لیے کہ جب نبوت کا سلسلہ ختم ہوجائے گا تو لامحالہ وحی بھی منقطع ہوجائے گی، پھر امورِ خیر وشر پر اطلاع کیسے ہوگی؟) اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگرچہ وحی منقطع ہوجائے گی، لیکن مبشرات کا سلسلہ تو جاری رہے گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! مبشرات کیا چیز ہیں؟ ارشاد فرمایا: رؤیا المسلم و هي جزءٌ من أجزاء النبوة یعنی مسلمان جو خواب دیکھتا ہے وہ مبشرات کے قبیل سے ہے اور وہ نبوت کا ایک جز ہے۔ گویا اس حدیث پاک میں خواب کو وحی کا قائم مقام فرمایا گیا ہے، جب وحی افضل ہے تو اس کا قائم مقام بھی ضرور افضل ہوگا۔

نیز ایک روایت میں اس چیز کو جزءِ نبوت بھی فرمایا گیا ہے، چناں چہ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: رؤیا المؤمن جزء من ستة و أربعین جزءًا من النبوة، یعنی مؤمن کا خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہے۔

(بخاری شریف رقم الحدیث: ۶۹۸۷)

نبوت انسان کے روحانی کمالات کا منتہیٰ ہے اور یہ وہبی کمال ہے، محنت وریاضت سے حاصل نہیں ہوتا، اسی طرح خواب بھی زبردستی آدمی لانا چاہے تو ممکن نہیں، رؤیا صالحہ بھی وہبی چیز ہے؛ نیز نبوت سب کمالات میں افضل واعلیٰ کمال ہے تو اچھا خواب افضل واعلیٰ جز ہوگا، لہذا وہ بھی لائق ستائش ہوگا۔

بعض علما کے نزدیک جزءِ نبوت سے وہ خاص نسبت مراد ہے جو عامۃ المؤمنین کی ابتدائی استعداد کو حضرات انبیائے کرام علیہم السلام کی انتہائی استعداد سے ہے، نوعِ بشر میں یہ استعداد بہت کم رکھی گئی ہے اور اس قلت کے ساتھ ساتھ حواسِ ظاہرہ کی بڑی بڑی مشکلات حائل و درپیش رہتی ہیں، اس لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے انسان کے اندر ایسی فطرت ودیعت فرمادی کہ عالمِ رؤیا میں بقدرِ استعداد اس کے حجابِ استعداد مرتفع ہو جاتے ہیں، ایسی کیفیت میں اس کا نفس جس چیز کی طرف بھی متوجہ ہوتا ہے اس کا علم حاصل کر لیتا ہے، اسی مناسبت سے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوابوں کو مبشرات سے تعبیر فرمایا ہے۔

یہ تو روایت سے ثابت ہے کہ قبل از نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت خواب دیکھا کرتے، اِدھر خواب دیکھتے اُدھر فلقِ صبح کی طرح اس کی تعبیر ظہور پذیر ہو جاتی۔

(بخاری شریف، رقم الحدیث:۳)

حضرات انبیا علیہم السلام کے خوابوں کو تو وحی اور حجتِ قطعیہ قرار دیا گیا ہے، جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حضرتِ اسماعیل علیہ السلام کو بارگاہِ حق میں قربان کرنا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ﴿قد صدقت الرّء یا انا کذلک نجزي المحسنین﴾ (الصّٰفّٰت:الآیۃ:۱۰۵)

(اے ابراہیم! آپ نے اپنا خواب سچ کر دکھایا، بے شک ہم محسنین کو ایسا ہی بدلہ عطا کیا کرتے ہیں) کے ذریعہ سندِ قبولیت کا مرحمت فرمانا اس کا شاہدِ عدل ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا خواب: ﴿إنی رأیت أحد عشر کوکبا و الشمس و القمر رأیتھم لي سٰجدین﴾ (سورۃ یوسف:الآیۃ:۴) تو "احسن القصص في القرآن الکریم" کی بنیاد ہے۔

اور خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشادِ گرامی ہے ﴿لقد صدق اللّٰہ رسولہ الرء یا بالحق، لتدخلن المسجد الحرام ان شاء اللّٰہ اٰمنین محلقین رئوسکم و مقصرین لا تخافون، فعلم ما لم تعلموا فجعل من دون ذلک فتحًا قریبًا﴾ (سورۃ الفتح:الآیۃ:۲۷) اس تمام "فتح قریب" کی بنیاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خواب مبارک ہی تھا۔

(المبشرات بحذف واضافہ،ص:۴۲-۸۲)

مبشرات حق تعالیٰ کا اپنے بندوں پر خصوصی انعام ہوتا ہے جس سے اُن کے قلوب کو تقویت حاصل ہوتی اور مزید محنت وریاضت کا حوصلہ ملتا ہے، مبشرات کی اہمیت کا انکار نہیں کیا جاسکتا، مگر انبیائے کرام علیہم السلام کے علاوہ امت میں سے کسی کا خواب حجتِ قطعیہ نہیں ہے، اس سے زیادہ سے زیادہ طمانیتِ قلب اور نیک فالی لی جا سکتی ہے۔ مبشرات شریعت میں فضیلت کا معیار نہیں ہیں؛ بل کہ اصل تو شریعت پر استقامت کے ساتھ عمل کرنا ہے، اسی لیے مشائخ صوفیا فرماتے ہیں **"الاستقامة فوق ألوف الكرامات"** استقامت ہزاروں کرامتوں سے بہتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکابر ومشائخ اپنی کرامات کو اس طرح چھپاتے ہیں جس طرح عوام الناس اپنے گناہوں سے خائف رہتے ہیں، **"زبدة المقامات"** میں بعض اولیائے کرام کا یہ ملفوظ نقل کیا گیا ہے کہ **"عقوبة الأنبياء حبس الوحي، و عقوبة الأولياء اظهار الكرامات، و عقوبة المؤمنين التقصير في الطاعات"** یعنی انبیائے کرام علیہم السلام کی آزمائش وحی کا بند ہو جانا ہے، اولیائے کرام رحمہم اللہ کی آزمائش کرامات کا ظاہر ہونا ہے اور عامۃ الناس کی عقوبت طاعات میں کوتاہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت مفکر ملتؒ بھی اس طرح کے مبشرات و منامات کا اخفا فرماتے تھے؛ بل کہ آپ تو اس قدر محتاط واقع ہوئے تھے کہ اس قسم کی چیزوں کا اظہار بہت مشکل تھا۔

الحمد للہ! مفکر ملت حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودرویؒ کو استقامت اور کرامت دونوں چیزیں حاصل تھیں۔ استقامت کا تو یہ حال تھا کہ ستائیس سال کے دورِ ریاست واہتمام میں شاید ہی کسی نے صفِ اولیٰ فوت ہوتے ہوئے دیکھا ہو؛ نیز سحر خیزی کا دائمی معمول تھا، جو انتقال سے دو چار دن پہلے تک باقی رہا، اسی طرح بلا ناغہ تلاوتِ کلام پاک کا اہتمام رہا، جس سے آپ کی بے مثال استقامت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ جن صبر آزما حالات میں آپ نے ''فلاحِ دارین'' کو ترقی دی اور اس کے لیے عظیم جاں فشانی فرمائی جس کے نتیجے میں انتہائی مختصر مدت میں اس ادارہ کو صفِ اول میں پہنچا دیا جو آپ کی کرامت سے کم نہیں ہے۔ حالات ومصائب پر صبر ہی کا نتیجہ تھا کہ اللہ نے پھر اس طرح کے مبشرات وانعامات سے نوازا اور یہ مبشرات دوسروں کے واسطے سے بھی موصول ہو سکتے ہیں جیسا کہ درج ذیل حدیث پاک سے معلوم ہوتا ہے:

ابن ماجہ کی روایت ہے: **قال رسول الله صلى الله عليه و سلم: أيها النّاس! انه لم يبق من مبشرات النبوة الا ما يراها المسلم أو ترى له.** (ابن ماجه رقم الحديث: ٣٨٩٩)

چناں چہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرت کی حینِ حیات اور رحلت کے بعد اپنے چند بندوں کو مبشرات اور منامات سے نوازا، جس کو نیچے طمانیتِ قلب کی غرض سے نقل کیا جارہا ہے، اس سے مقصود نہ تو حضرت کے مقام کی پیمائش کی بے جا جرأت ہے اور نہ ہی اظہارِ فخر۔ اِس ضروری تفصیل کے بعد چند مبشرات پیشِ خدمت ہیں:

دربارِ نبویؐ سے پیغامِ عیادت:

پیرامن (انکلیشور، گجرات) کے مشہور صاحبِ کشف بزرگ اور حضرت شیخ محمد یونس صاحب جونپوری علیہ الرحمہ کے خلیفہ و مجاز جناب حافظ محمد مکی صاحب پیرامنی رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ عمرہ کے لیے تشریف لے گئے تو واپسی میں دولت کدہ پر پہنچتے ہی کاپودرا کا رخ کیا اور حضرت والاؒ کو یہ بشارت سنائی کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ و سلم نے فرمایا کہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب بیمار ہیں، اُن کے لیے دعا کرو۔

مقامِ ابدالیت کی بشارت:

حضرت مفکرِ ملتؒ کے خلیفۂ اجل و لختِ جگر حضرت مولانا اسماعیل صاحب پٹیل مدظلہ العالی جن دنوں برطانیہ میں قیام پذیر تھے، ایک شب حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تمہارے والد کا درجہ ابدالوں سے قریب تر ہے اور آگے ترقی کر رہے ہیں؛ نیز دوسری زیارت کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ تمہیں کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں، تمہیں سب کچھ انھیں سے مل جائے گا۔ اِس بشارت کے بعد حضرت مولانا اسماعیل صاحب مدظلہ نے حضرتؒ کی خدمت کے لیے اپنے آپ کو فارغ فرمادیا۔

حضرتؒ کے لختِ جگر اور خادمِ خاص کی دل داری:

حضرت مولانا اسماعیل صاحب مدظلہ کا بیان ہے کہ اکتوبر ۲۰۱۰ء میں جس روز اُن کا سامان انگلینڈ سے روانہ ہوا سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ نے ان کو والد صاحب کی خدمت کے لیے فارغ ہونے پر مبارک باد دی؛ نیز ایک مرتبہ حضرت حاجی صاحبؒ نے خواب میں آکر مولانا سے یہ فرمایا کہ حضرت کا خیال رکھنا اور عیادت کے لیے آنے والے حضرات کی ناراضگی کا فکر نہ کرنا۔

دربارِ نبوتؐ میں ضیافت:

ایک دفعہ حضرت مفکرِ ملتؒ حضرت مولانا اسماعیل صاحب کے ساتھ سفرِ عمرہ کے لیے تشریف لے جارہے تھے، مولانا اسماعیل صاحب فرماتے ہیں کہ ہوائی جہاز میں بیٹھ کر جب میں نے درود شریف پڑھنا شروع کیا تو غنودگی کے دوران دیکھا کہ احقر وہیل چیئر پر حضرت والد صاحب کو لے کر جارہا ہے اور سامنے سے حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا استقبال فرمارہے ہیں، پھر حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِس بار مولانا ہمارے مہمان رہیں گے؛ چناں چہ پورا سفر بعافیت گزارنے کے بعد جب واپسی ہوئی تو حضرت علیہ الرحمہ فرمانے لگے کہ اب کی بار سفرِ عمرہ میں بڑا لطف آیا، حتیٰ کہ سردرد بھی نہیں ہوا، جس پر حضرت مولانا اسماعیل صاحب نے مذکورہ خواب سنایا۔

اکابرینِ امت کا اشتیاق:

وفات سے تقریباً ایک مہینہ پہلے سے اکثر اوقات غنودگی طاری رہنے لگی تھی، اِس دوران کئی مرتبہ اہلِ خانہ نے حضرتؒ کی زبانِ مبارک سے کچھ عجیب وغریب احوال سنے۔ چناں چہ ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کہ جیسے ہی حضرتؒ کو افاقہ ہوا، حضرت مولانا اسماعیل صاحب کو بلا کر فرمانے لگے کہ خطیب بغدادیؒ تشریف لائے ہوئے ہیں، اُن کی ضیافت کا انتظام کرو، کبھی فرماتے: حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ تشریف لائے ہیں۔ ایک مرتبہ فرمانے لگے کہ حضرت قاری سید صدیق احمد صاحب باندویؒ تشریف لائے ہیں، اُن کو گھر میں بلایئے اور خاطر تواضع فرمایئے۔

فرشتوں کا نزول:

جس روز حضرتؒ کو نوساری کے مشہور ہسپتال ''یشفیین'' لے جایا گیا، اُسی روز حضرت مولانا فاروق صاحب کاپودروی مدظلہ، مُجازِ بیعت حضرت اقدس مولانا محمد قمر الزماں صاحب الہ آبادی دامت برکاتہم نے خواب دیکھا کہ فرشتوں کی ایک بڑی جماعت حضرتؒ کو لینے کے لیے پہنچی ہے، اِس خواب کے تقریباً ایک ہفتہ بعد حضرتؒ کا سانحۂ ارتحال پیش آیا۔

حسنِ خاتمہ:

نیز حضرتؒ پچھلے چند سالوں سے ہر وقت ذکر واذکار اور ادعیۂ مسنونہ میں رطب اللسان رہتے، جس دن حضرتؒ کے انتقال کا حادثۂ جاں کاہ پیش آیا، اُس روز بھی صبح سے ذکر ہی میں مشغول تھے، طائرِ روح نے قفسِ عنصری کو تین بج کر پچپن منٹ پر الوداع کہا؛ لیکن تقریباً ظہر کے وقت سے آپ کا چہرۂ مبارک بے اختیار قبلہ رُخ ہو گیا تھا، جو اخیر تک اسی حالت میں رہا، یوں خاتمہ بالخیر کی جو تمنا ایک مدت سے لگی ہوئی تھی اللہ تعالیٰ نے اُس کی تکمیل فرمادی۔

ٹھنڈی ہوا کا جھونکا:

حضرت مفتی محمود صاحب بارڈولی مدظلہ استاذِ حدیث ''جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل'' ومجازِ بیعت حضرت فقیہ الامتؒ کو تدفین کے لیے حضرتؒ کی مرقد مبارک میں اترنے کا شرف حاصل ہوا، اِس دوران انھوں نے جو کچھ محسوس فرمایا اُس کا اظہار ''دار العلوم فلاحِ دارین ترکیسر'' کے تعزیتی اجلاس میں یوں فرمایا:

''جب ہم تدفین سے فارغ ہوئے پسینے میں شرابور تھے، اللہ پاک کو حاضر رکھ کر کہتا ہوں کہ قبر کی طرف سے ایک نہایت ٹھنڈی اور مفرح ہوا کا جھونکا آیا جس نے دل ودماغ کو معطر کر دیا۔ حضرت مفتی محمود صاحب مدظلہ نے اپنی بات کو مؤکد کرتے ہوئے فرمایا کہ اگر میں غلط ہوں تو محشر میں میرا دامن پکڑ لینا''۔

بہترین حالت میں:

''جامعہ حقانیہ کٹھور'' کے شیخ الحدیث جناب حضرت مفتی محمد صاحب سارودی زید مجدہ نے بذریعہ فون اربابِ فلاح دارین کو مطلع کیا کہ رات کو خواب میں حضرت والاؒ کی زیارت ہوئی، دیکھا کہ ایک بہت بڑا ادارہ ہے جس میں مسجد طلباء سے کھچا کھچ بھری ہوئی ہے، ایک کرسی لگی ہوئی ہے جس پر حضرت والاؒ رونق افروز ہوکر خطاب فرمارہے ہیں اور حضرت اتنے نوجوان ہیں کہ گویا تیس سال کی عمر ہو، بغل میں کوئی مولانا صاحب بیٹھے ہوئے ہیں جن کو میں نہیں پہچان سکا، میں نے حضرت سے پوچھا کہ آپ کو اتنی ساری بیماریاں لاحق تھیں اور ابھی میں آپ کی یہ عمر دیکھ رہا ہوں، یہ سب کیسے ہوگیا؟ فرمایا: بس یہاں آکر ساری بیماریاں ختم ہوگئیں۔

اسی طرح کا ایک خواب حضرتؒ کے ایک شاگرد جناب مولانا عبدالصمد صاحب موسالی فلاحی زید مجدہ نے دیکھا کہ حضرت والا بہت اچھی حالت میں ہیں اور کسی پر فضا مقام پر رونق افروز ہیں، میں نے حاضر ہوکر عرض کیا کہ حضرت! آپ کی طبیعت بہت بہتر معلوم ہوتی ہے: جب کہ آپ تو بہت علیل تھے؟ اس پر حضرت نے فرمایا کہ یہاں آنے کے بعد الحمدللہ! ساری بیماریاں اور پریشانیاں کافور ہوگئیں اور میں بہت اچھی حالت میں ہوں۔

جنت النعیم میں ٹھکانہ:

دارالعلوم مرکز اسلامی انکلیشور، گجرات کے سابق استاذِ حدیث اور حضرت مرحوم کے شاگرد رشید جناب حضرت مولانا یعقوب صاحب آنکروڈی فلاحی مدظلہ نے حضرت کی خواب میں زیارت کی، پوچھا حضرت! کیا گزری؟ فرمایا: میں بہت اچھی حالت میں ہوں اور اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے ''نعیم'' میں ٹھکانہ دیا۔

اسی طرح اور بھی مبشرات ہیں جن کو تطویل کے خوف سے قلم انداز کررہا ہوں۔ مذکورۂ بالا بشارتوں کی روشنی میں ہم اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے حسنِ ظن رکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے حضرتؒ کے ساتھ ضرور اپنے فضل وکرم کا معاملہ فرمایا ہوگا، دعا ہے اللہ تعالیٰ حضرتؒ کی بال بال مغفرت فرمائے، کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے اور فردوسِ بریں میں سکونت بخشے۔

آمین یارب العالمین!

پھول کچھ میں نے چنے

جانے والے کبھی نہیں آتے! جانے والوں کی یاد آتی ہے!

مفتی عبدالمتین اشاعتی کانڑگانوی (استاذ جامعہ اکل کوا)

(قارئین کرام کو زیر نظر تحریر غیر مربوط وغیر مرتب معلوم ہوگی، کیوں کہ میں باقاعدہ نہ ادیب ہوں، نہ انشا پرداز، بس حضرت رئیس رحمہ اللہ سے متعلق جو باتیں ذہن یا ڈائری میں محفوظ تھیں، وہ سپرد قرطاس کردی ہے، اس نیت کے ساتھ کہ اللہ پاک ہمیں بھی اپنے بڑوں کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق نصیب فرمائے!۔ نیز حسب ضرورت تبدیلی یسیر یعنی الفاظ اور جملوں میں تقدیم وتاخیر، اور بین القوسین اضافہ بھی مرتب تحریر کی جانب سے ہے)

کسی نے سچ ہی کہا: جانے والے کبھی نہیں آتے، مگر یاد آتی ہیں......اُن کی باتیں، اُن کی کہاوتیں، اُن کی مشاورتیں، اُن کی مجلسیں، اُن کی فکریں، اُن کی نفاستیں، اُن کی ظرافتیں، اُن کی شرافتیں، اُن کی عظمتیں، اُن کی نصیحتیں، اُن کی طبیعتیں، اُن کی نوازشیں، اُن کی زندگیاں، اُن کی دل لگیاں، اُن کی خوردنوازیاں، اُن کی ذرہ نوازیاں، وغیرہ۔

ہم لوگ مادرِ علمی جامعہ اکل کوا میں تحصیلِ علم کی خاطر داخل ہوئے، اس وقت شعور سے عاری تھے، شعبۂ عالمیت میں درجۂ علیا میں پہنچے، تو دورانِ درس مشفق اساتذہ سے، اور عصر بعد کی مجلسوں میں رئیس جامعہ حضرت وستانوی دامت برکاتہم العالیہ کی زبانی **"بڑوں کی قدر دانی"** اور اس کی اہمیت معلوم ہوئی؛ ورنہ اس سے قبل بارہا ایسا ہوا کہ سالانہ تعطیلات کے موقع پر "سالانہ جلسے" تک رکے رہتے، اور جس روز جلسہ منعقد ہوتا اس میں شرکت کیے بغیر، بزرگانِ دین کی زیارت اور اُن کی نصیحتیں سنے بغیر، گاڑی میں بیٹھ کر وطنِ اصلی کی طرف روانہ ہوجاتے۔ الغرض! حضرت رئیس جامعہ دامت برکاتہم کا معمول ہے کہ اپنے بزرگوں اور بڑوں کو، یا جن لوگوں نے بڑوں، بزرگوں کو دیکھا، اُن کی زیارت وملاقات کیں، اُنہیں جامعہ میں دعوت دیتے ہیں، یا کسی بزرگ شخصیت کی جامعہ میں تشریف آوری ہوتی ہے، تو طلبہ وعلما کے سامنے اُن کے بیانات کرواتے ہیں، تو اس طرح سے ہم لوگوں کو بھی جامعہ میں تشریف لانے والے واردین وصادرین بزرگانِ دین کے مواعظ وعلمی نصائح سے مستفید ہونے کا موقع ملتا۔ آپ فرماتے ہیں: ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ بڑوں اور بزرگوں کو دیکھنے والے لوگ بھی ہم کو نہیں ملیں گے، اس لیے آج جو بڑے (بزرگانِ دین) ہیں، اُن کی قدر کرلو۔

نیز حضرت رئیس جامعہ طلبہ کی مجلسوں میں اکثر و بیشتر یہ مقولہ نقل فرماتے رہتے ہیں: "العلم صید والکتابة قیده" کہ علم شکار کی مانند ہے اور اس کو لکھ کر محفوظ کر لینا قید کی مانند ہے۔ چنانچہ جب بھی کسی بزرگ شخصیت کی جامعہ میں آمد ہوتی ہے اور وہ وعظ و نصیحت کرتے ہیں، تو احقر اسے لکھنے، یا ذہن میں محفوظ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ایسے ہی فخرِ گجرات بلکہ فخرِ ہندوستان، مفکرِ قوم و ملت، خادمِ کتاب و سنت، جامعات کے سرپرست، مربی و مشفق، مرشد و مسترشد، راہ نما و راہ بر، استاذ الاساتذہ حضرت علامہ عبداللہ کاپودروی رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً کی بھی کچھ یادیں، علمی باتیں اور نصیحتیں محفوظ کی گئی تھیں، جو قارئین کی نظر ہے:

جامعہ میں آمد پر خوشی کا اظہار: ☆ مجھے بڑی قلبی مسرت ہوتی ہے جب جامعہ میں حاضر ہوتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے اس کو ایسا عظیم مرتبہ عطا فرمایا، اور طلبہ کی عظیم تعداد کو بھیجا، شاید کہ کسی مدرسے میں (اتنی تعداد) نہیں ہے، اللہ کا ایک نظام ہے اس دنیا میں، جس کو چاہتا ہے اپنے دین کی خدمت کے لیے قبول کرتا ہے، جس کو اصطفیٰ کہتے ہیں، کسی انسان کے خواب و خیال میں بھی نہیں آتا۔

محاسبہ نفس ضروری ہے: ☆ اخلاص کے سلسلے میں عجیب بات فرمائی کہ کوئی بھی کام کرو اللہ کی رضامندی کے لیے کرو، شروع کام میں واقعی اخلاص ہوتا ہے، لیکن پھر کام پھیلتا ہے، لوگوں کا رجوع و اقبال ہوتا ہے، تو پھر نیت میں فرق آتا ہے۔ اس لیے اپنا محاسبہ کرنا ضروری ہے، بہت واہ واہ ہوتی ہے تو نفس موٹا ہو جاتا ہے۔ اللہ سے دعا کریں کہ جو بھی کام ہم سے لے اخلاص سے لے۔

مدرسہ ایک عظیم نعمت: ☆ مدرسہ میں آپ آئے بڑی عظیم و اعلیٰ قسم کی نعمت ہے۔ ہر ایک اپنے کو خوش نصیب سمجھے، اور اس پر اللہ کا شکر ادا کرے۔ لئن شکرتم لازیدنکم۔

نعمتِ خداوندی کی ناقدری: ☆ دل میں کسی وقت بھی یہ خیال نہ آئے کہ ہمارے ساتھی ڈاکٹر، انجینئر ہیں، تن خواہ زیادہ ہے، بلکہ مشغلہ قرآن و حدیث اس دنیا میں سب سے بہتر ہے۔ خیرکم من تعلم القرآن وعلمه۔ جسے خدا کے رسول بہتر کہہ دے وہ خود اپنے کو گھٹیا سمجھے یہ نعمتِ خداوندی کی ناقدری ہے۔

۱۹۴۷ء کی افراتفری اور مسلمان: ☆ ملک میں ۱۹۴۷ء میں اتنی افراتفری تھی کہ ایسا لگ رہا تھا گویا اسلام اس دنیا میں باقی نہیں رہے گا، ہمارے اکابرین نے کنیا کماری سے کشمیر تک کے دورے کیے، مسلمانوں کی ڈھارس بندھائی کہ مسلمان اور مایوسی کبھی ایک ساتھ جمع نہیں ہو سکتے، مولانا آزاد یہی پیغام دیتے رہے کہ جو خدا پاکستان میں ہے وہی ہندوستان میں بھی ہے، کیوں تمہارے دلوں پر مایوسی چھائی ہے۔

۹۰/ ہزار لوگوں کا قبولِ اسلام: ☆ خواجہ معین الدین چشتی رحمہ اللہ کے ہاتھ پر ۹۰/ ہزار لوگ اسلام لائے، ان کی نسبت مع اللہ بہت قوی تھی، آج ہمارا ایمان اتنا کم زور ہے کہ ۹۰/ ہزار مل کر بھی ایک کو مسلمان نہیں بناسکتے۔

دردِ دل: ☆ مدرسے بہت ہوگئے، مگر تعلیمی حالت ناگفتہ بہ ہے، بلکہ طالبِ علم اردو کتابیں بھی صحیح نہیں پڑھتے ہیں۔

علم تو محنت سے آتا ہے: ☆ نقوشِ علم درست کریں، کتاب کو حل کریں، ہر حرف کو سمجھیں، ورنہ بے چینی و بے قراری میں رات گزاریں، یہ علم تو محنت سے آیا کرتا ہے۔ "**صفحات من صبر العلماء**" نامی کتاب پڑھے، جو شیخ عبدالفتاح ابوغدہ کی تالیف کردہ ہے۔

سرسری پڑھ لینا کافی نہیں: ☆ علم آتا ہے مسلسل پڑھنے سے، اس لیے کتابوں سے وابستہ رہے، اس سے علم پختہ ہوتا ہے۔ علامہ علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے: کسی کتاب کا سرسری پڑھ لینا کافی نہیں ہوتا، بلکہ اتنا پڑھو اتنا پڑھو کہ گویا اس کتاب کو آپ نے چاٹ لیا ہے، فرمایا: "ضحیٰ الاسلام" کو میں نے اتنا پڑھا ہے کہ ذہن میں اس کے صفحات محفوظ ہوگئے ہیں۔ حضرت رئیس رحمہ اللہ نے فرمایا: کتاب: سیرت النبی، خطباتِ مدراس پڑھو، اس کی عبارتیں بڑی اچھی ہیں۔

جدید ذرائع ابلاغ اور ٹی وی کی ضرورت: ☆ "الوستانوی ٹی وی" کے آغاز پر، ٹی وی کی ضرورت سے متعلق کہ مدارس اور دینی کام کرنے والے علما کے لیے اب جدید ذرائع ابلاغ کا سہارا لینا کتنا ضروری ہوگیا، حضرت نور اللہ مرقدہٗ نے بڑے بہترین انداز میں اس ضرورت کا حل بیان کیا، فرمایا:

"دنیا میں ہر بڑا انسان، پڑھا لکھا انسان، سمجھ رہا ہے کہ اس وقت دنیا میں سب سے زیادہ لوگوں کے ذہنوں کو بدلنے کا جو کام ہے یہ میڈیا ہی کر رہا ہے، حکومتیں تبدیل ہوتی ہیں میڈیا کے پروپیگنڈے سے، قوموں کی ذہنیت کو بدلا جارہا ہے میڈیا کے ذریعے سے، اس لیے اس کی بڑی ضرورت ہے کہ ہم اس کا استعمال کرکے صحیح حق کی بات لوگوں تک پہنچائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں یہ چیزیں نہیں تھیں، لیکن اس وقت ذرائع ابلاغ دوسرے تھے، مثلاً اشعار پڑھے جاتے تھے، عرب کے شعرا کسی قبیلے کی تعریف کرتے تھے، تو پورے عرب میں وہ پھیل جاتی تھی، کسی کی برائی بیان کرتے تھے، تو پورے عرب میں اس کی برائی پھیل جاتی تھی، مشرکین مکہ نے اپنے بعض شعرا کو لگایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برائی بیان کریں، اسلام کے خلاف اشعار کہیں، جب یہ

بات آپ تک پہنچی، تو آپ نے فرمایا: کوئی ہے جو اس کا دفاع اور ڈیفینس کرے، حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ نے جواب دیا، یا رسول اللہ! میں اس کا دفاع کروں گا، تو یہ میڈیا کا جواب تھا، ذرائع ابلاغ اس زمانے میں اشعار تھے، شعر گوئی تھی، اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان کے لیے مسجد میں ممبر لگوایا، حضرت حسان نے اتنی خوبصورتی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کی کہ آج بھی ان کے اشعار جب ہم پڑھتے ہیں، تو عش عش کرتے ہیں، اور ایسا جواب دیا ہے کہ دشمنانِ اسلام کا منہ بند کر دیا؛ الغرض جو حالات آج کل چل رہے ہیں ہمیں ان کا مقابلہ اسی انداز سے کرنا پڑے گا۔ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مجلس میں یوں فرمایا کہ بھائی جس فوج کو یہ معلوم نہ ہو کہ حملہ کس جہت سے ہوگا؟ اور کن ہتھیاروں سے ہو رہا ہے؟ تو وہ کیسے ڈیفینس اور دفاع کرے گا؟

ہمیں اپنے زمانے میں ایک بات سوچنی چاہیے کہ ہمارے اوپر فکری حملے جو ہو رہے ہیں، جسے عربی میں ''الغزو الفکري'' کہتے ہیں، فکری طور پر ہمارے ذہنوں کو، ہمارے نوجوانوں کے ذہنوں کو بدلا جا رہا ہے وہ میڈیا کے ذریعے سے، ٹیلی ویژن کے ذریعے سے، وہ ریڈیو کے ذریعے سے، اخبارات اور صحافت کے ذریعے سے، تو یہ ایسے ہتھیار اس زمانے میں ہیں کہ ان سے مفر نہیں ہے۔ اگر ہم ان ہتھیاروں اور ذرائع ابلاغ کے آلات کو استعمال نہیں کریں گے، تو ہم نے دیکھا کہ بعض ایسی تنظیمیں جن کے ساتھ ہم اتفاق نہیں کر سکتے، مثلاً قادیانی حضرات ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے خلاف بغاوت کر رہے ہیں، انہوں نے پوری دنیا میں کئی چینلیں اپنی لگا رکھی ہیں، اور پوری دنیا میں وہ اسلام کو اپنے طور پر پیش کر رہے ہیں، اور پوری دنیا سمجھ رہی ہے کہ اسلام یہ ہے جو یہ (قادیانی) لوگ پیش کر رہے ہیں، تو کیا اس کے لیے ضروری نہیں ہے کہ ہم ایسا سلسلہ شروع کریں، کہ جس میں صحیح وحق بات پیش کی جائے، ہمارے اکابرین نے، ہمارے صحابہ نے جو باتیں اسلام میں پیش کی ہیں، اس کے لیے ضروری ہے کہ ہم بھی اسی ہتھیار (ذرائع ابلاغ / میڈیا) کو استعمال کریں۔

مجھے معلوم ہے کہ ہمارے علما میں اس سلسلے میں اختلافِ رائے ہے، کہ ٹیلی ویژن کو ہم استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ٹیلی ویژن پر ہم آسکتے ہیں یا نہیں؟ لیکن میرے دوستو! اگر دنیا کے حالات کا جائزہ لیں، اگر ہم نے دنیا کا سفر کیا ہو، اگر ہم یورپ گئے ہوں، امریکا گئے ہوں، تو ہمیں دل سے یقین ہو جائے گا کہ اب اس کے علاوہ ہمارے پاس چارہ کار نہیں ہے؛ اگر ہمیں حق پہنچانا ہے، ہمیں، ہمارے نوجوانوں کو صحیح راہ پر ڈالنا ہے، تو ہمیں اس میڈیا کا بھی استعمال کرنا پڑے گا، ہمارے نوجوانوں کی بڑی تعداد آج اس کو استعمال کر کے غلط راستے پر جا رہی

ہے۔اب یہ تو ایک ایسی چیز ہے کہ آپ اس کو صحیح طریقے سے بھی استعمال کر سکتے ہیں، غلط طریقہ سے بھی، مثال کے طور پر چھری ہمارے گھر میں ہوتی ہے، ہم اس چھری سے پھل بھی کاٹتے ہیں، سبزی بھی کاٹتے ہیں، ہم اپنے ضروری کام اس سے کرتے ہیں، لیکن اسی چھری کو لے کر کوئی کسی کے گلے پر بھی پھراتا ہے، کسی کو زخمی کرتا ہے، اب ہم یہ تو نہیں کہیں گے کہ چھری اپنے گھر میں نہ رکھیں، کیوں کہ اس سے تو کسی کو زخمی کر دیا جاتا ہے، کسی نے غلط استعمال کیا تو چھری گھر میں رکھنا نہیں چھوڑ دیں گے، بلکہ پھل و سبزی کاٹنے کے لیے ہمیں چھری گھر میں رکھنا پڑے گی، تو ایسے ہی اگر ہمارے پاس میڈیا اور ذرائع ابلاغ کی طاقت ہے، تو دین حق کی بات پوری دنیا تک پہنچا سکتے ہیں، پہلے زمانے میں دنوں اور مہینوں میں خبریں آتی تھیں، اب منٹوں میں دنیا کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک میڈیا کے ذریعہ بات پہنچ جاتی ہے، اگر میڈیا نہ ہوتا یہ خبریں معلوم نہ ہوتیں۔جس خبر کو ہم صبح پڑھتے ہیں، وہ کینیڈا اور امریکہ وغیرہ میں رات میں ہی لوگ پڑھ لیتے ہیں۔

شعر کو پسند نہیں کیا گیا، اس کے بارے میں کہا گیا: **حسنہ حسن ، وقبیحہ قبیح** ؛ یعنی اس میں سے جو اچھے ہیں وہ اچھے ہیں، اور جو برے ہیں وہ برے ہیں، لیکن میں نے اوپر عرض کیا کہ حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام کی طرف سے دفاع کیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح بیان کرکے جواب دیا مشرکین کو، تو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے، آپ نے ان کے لیے دعائیں کیں؛ اس لیے کہ انہوں نے شعر کو اچھے کام میں استعمال کیا، ہم اگر میڈیا و ذرائع ابلاغ کو غلط کام میں، فحش پھیلانے میں استعمال کریں گے، اس میں غلط تصویریں ڈالیں گے، اس میں اپنی بڑائی بیان کرنے اور جتلانے کے لیے ہم ٹیلی ویژن پر جائیں گے، تو ہماری یہ چیز اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں ہوگی، لیکن اگر ہماری نیتوں میں فتور نہیں ہے، ہم صحیح نیت کے ساتھ دین کو پہنچانا چاہتے ہیں، تو میری رائے یہ ہے کہ اس کا استعمال ہم لوگوں کو کرنا چاہیے۔" وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین!

(بشکریہ: الوستانوی ٹی وی)

لفظ "کام یاب" پر ایک لطیفہ: ☆ قابلِ احترام، مدیر اشاعت العلوم حضرت وستانوی، موقر اساتذہ کرام اور میرے عزیز بھائیو! خوشی ہے کہ آپ کے انعامی جلسے میں شریک ہوئے ہیں، میری عمر ۸۰ر سال کی ہو رہی ہے اسلامی تاریخ کے اعتبار سے، بیماری کی وجہ سے حافظہ بھی خراب ہو گیا۔

ہدف ومقصد مقرر کرنا: ☆ آدمی کام کرنا چاہتا ہے، تو ہدف ومقصد مقرر کر لیتا ہے، پھر اس کی پوری توجہ اس کی تکمیل کی طرف ہوتی ہے، کسی بھی کام میں یک سوئی ضروری ہے، یک سوئی کے ساتھ محنت اور جد وجہد، شدید محنت ضروری ہے، کامیابی تو کام سے ہوگی نہ کہ صرف نام سے۔

(لفظ کامیاب میں ''کام'' پہلے ہے، ''یاب'' بعد میں ہے، یعنی پہلے کام کرو پھر اُس کا نتیجہ ظاہر ہوگا)

شیخ عبدالفتاح ابوغدہ نے لکھا: ☆ طلبہ علم کے راستے میں اپنے آپ کو منہمک کریں، شیخ عبدالفتاح ابو غدہ رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''من ترک إخوانه وهجر دکانه ، فإن مات أحد من أقربائه فلم يشهد جنازته'' کہ کچھ لوگ ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں علمِ دین کے حصول کی خاطر اپنے بھائیوں، دوست واحباب اور دکان وکاروبار کو چھوڑ دیا، اگر ان کے رشتہ داروں میں سے کسی کا انتقال بھی ہوگیا تو وہ اس کے جنازے میں شریک نہ ہوسکے۔

ذہین طالب علم کا عبرت ناک انجام: ☆ ذہین لڑکے غفلت میں پڑ جاتے ہیں، علم کا غرور پیدا ہوتا ہے، علم کا خاصہ ترفُّع ہے، آدمی کو اُٹھاتا ہے، علامہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے، ایک طالب علم ذہنی اعتبار سے کمزور تھا، استاذ کی خدمت کرتا رہتا تھا، ذہین طالبِ علم نے کہا حقارت سے کہ یہ کیا کام کرے گا؟ حضرت نے سنا تو بہت برا معلوم ہوا، اللہ سے دعا کی کہ اللہ تو اس سے کام لے لے، ایسا ہی ہوا، اللہ نے اس سے کام لیا اور ذہین سے کچھ کام نہ لیا۔

بے ادب محروم گشت از فضلِ رب: ☆ میرے ایک پونہ کے ساتھی نے جو بہت ذہین تھا، صرف ۱۵؍ دن میں گجراتی زبان سیکھ لی تھی، ہمیشہ اول نمبر آتا تھا، ہمارے درمیان مسابقہ چلتا رہتا تھا، ہم مولانا عبدالرؤف صاحب کے پاس جاتے، وہ کہتا: حضرت کیا دن میں لکڑیاں پھاڑتے ہیں کہ پیرو بواتے ہیں، میں نے سمجھایا، فراغت کے بعد ملا کہا: گھڑی دوکان پر کام کرتا ہوں بمبئی میں، پھر بعد میں لاری پر پاؤ بیچتا دیکھا، صابو صدیق مسافر خانہ کے سامنے، اگر اساتذہ کی بے ادبی کروگے تو ناکام ہوجاؤگے۔

(کسی نے سچ ہی کہا: ''بے ادب محروم گشت از فضلِ رب'')

کتاب کا ادب: ☆ کتاب کا ادب، اساتذہ کی خدمت، اور یک سوئی کے ساتھ محنت کرو۔

اصل چیز حدیث وفقہ ہے: ☆علامہ تھانوی رحمہ اللہ کے حوالے سے فرمایا: طلبہ کو ادب، منطق اور فلسفہ میں انہماک نہیں کرنا چاہیے، اصل چیز حدیث وفقہ ہے۔

ابوجہل اور بلال میں فرق: ☆ابوجہل ابوالحکم سے مشہور تھا، لیڈر وصدر نشیں تھا دار الندوہ کا، بڑا ادیب تھا لیکن اس کی عربیت اور ادبیت سے فائدہ نہ ہوا، لیکن حضرت بلال حبشی تھے، ''ش'' نکال نہیں پاتے تھے، مگر اذان دیتے، تو لوگ تڑپ جاتے تھے۔

فقہاء؛ فقہاء ہیں: ☆فقہاء کے پاس بڑے بڑے لایر (قانون دان) آجائیں، تو بھی فقہاء اُوپر ہی رہیں گے۔ خود علامہ تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ ہے کہ بڑے بڑے وکلاء آئے، شرعی مسئلہ سمجھ میں نہ آیا، دار العلوم میں تشفی نہ ہوئی، لوگوں نے تھانہ بھون بھیجا، حضرت نے ظہر بعد مجلسِ خصوصی میں بلایا، حضرت نے اللہ کی طرف توجہ کی اور ان کو فرق بتلادیا، ایک نے منہ میں انگلی ڈال دی کہ آپ کو تو بیرسٹر بننا چاہیے تھا، فرمایا: الحمدللہ، الحمدللہ! ہم نے فقہ پڑھی ہے، حالانکہ وہ مسئلہ کبھی سامنے نہیں آیا تھا۔

ملک کا بٹوارا: محمد علی جناح اور موہن لال کرم چند گاندھی دونوں نے ملک کا بٹوارا کروایا، اور دونوں گجراتی ہیں۔

ہدایہ اخیرین: ☆ہدایہ اخیرین کے دلائل خالص قانونی ہیں، سمجھنے سمجھانے کے لیے عمر چاہیے۔

اتنا انعام!؟: ☆ایک مرتبہ انعامی جلسے کے موقع پر فرمایا: گجرات میں ۵۲/دار العلوم ہیں، لیکن اتنا کثیر انعام کسی جگہ نہیں ملتا میرے علم کے مطابق۔

(اس موقع پر جامعہ میں ممتاز طلبہ کو ۴/لاکھ ۲۲/ہزار روپے انعام دیا گیا تھا)

سوال نصفِ علم: فرمایا: طلبہ کو چاہیے کہ اگر کوئی بات سمجھ میں نہ آئے، یا کوئی اشکال ہو، تو استاد سے ضرور پوچھیں، کیوں کہ السؤال نصف العلم ارشادِ باری تعالیٰ ہے: فاسئلوا اهل الذكر؛ أي أهل العلم۔

کتاب اور نصاب سے متعلق مشورہ: ☆مدیر تنفیذی ومعتمد جامعہ حضرت مولانا حذیفہ ابن حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی حفظہما اللہ کتابوں اور نصاب سے متعلق حضرت مرحوم سے مشورہ لیا کرتے تھے۔

کتابی ذوق: ☆حضرت مرحوم جب بھی اکل کواتشریف لاتے،اور طلبہ واساتذہ میں خصوصی میٹنگ ہوتی،تو ہر مرتبہ کوئی نئی علمی بات یا نئی طبع ہونے والی کتاب کا تذکرہ فرماتے تھے،اور فرماتے کہ کتب خانہ میں ایک خانہ صرف نئی آنے والی کتابوں کے لیے خاص ہونا چاہیے،ساتھ ہی اساتذہ کو ترغیب دیتے کہ کتب خانہ میں جب بھی کوئی نئی کتاب آئے،تو اسے جاکر دیکھنا چاہیے۔

کتابیں اپنے آباء کی: ☆یورپی کتب خانوں خاص کر لندن میں ایک کتب خانہ ہے جس میں برٹش گورنمنٹ کے زمانے میں برصغیر سے بہت قدیم واہم کتابیں لے جائی گئیں،آپ اس پر بہت کڑھتے،فکر کرتے اور علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر پڑھتے تھے:

مگر وہ علم کے موتی،کتابیں اپنے آباء کی جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

یعنی یورپ کی نشأتِ ثانیہ اسلامی علوم ہی کی مرہونِ منت ہے،اسی جانب علامہ اقبال مرحوم کا اشارہ ہے کہ اپنے آباء واجداد کی وہ کتابیں،وہ تصانیف،وہ ایجادات وتحقیقات جو علم وحکمت کے بیش بہا موتی تھے،انہیں یورپ میں دیکھ کر،ان سے استفادہ کرکے آج مغربی ممالک نے ترقی کے تمام منازل طے کرلیے ہیں،دوسری طرف عالمِ اسلام پر نظر ڈالیں،تو ہمیں سخت مایوسی ہوتی ہے،ہم نے کتنا بڑا اثاثہ کھودیا،اور آج کشکول گدائی لیے پھر رہے ہیں۔

طالب علم رازی وغزالی سے کم نہیں: ☆ایک مرتبہ علماء کی خصوصی مجلس میں وعظ کرتے ہوئے فرمایا کہ استاذ اپنے پاس پڑھنے والے ہر طالبِ علم کو"رازی وغزالی"سمجھ کر پڑھائے۔

علمی لطیفہ: ☆آپ کو عربی زبان سے بڑی محبت تھی،ایک مرتبہ حج کے موقع پر پیش آیا اپنا ذاتی واقعہ بیان فرمایا کہ مقامِ عرفہ میں کچھ دیہاتی عرب حضرات سے ملاقات ہوئی،میں اُن کے پاس جاکر بیٹھ گیا،تاکہ اُن سے کچھ سیکھوں،انہوں نے مجھ سے مزاحاً پوچھا:کم حرمة عندک ؟ لفظ"حرمة"چوں کہ میں پہلی بار سن رہا تھا،اس لیے اس کا معنی مجھے معلوم نہیں تھا،میں نے لاعلمی کا اظہار کیا کہ:ما معنی حرمة ؟ تو انہوں نے جواب دیا:اي کم زوجات عندک؟ تو مجھے بہت خوشی ہوئی کہ اہلِ عرب زوجہ یعنی بیوی کے لیے لفظ"حرمة"کا بھی استعمال کرتے ہیں۔

"تبرک کا صحیح مطلب" ایک لطیفہ: ☆حضرت دستانوی دامت برکاتہم فرماتے ہیں: میں حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمہ اللہ کے گھر استری کرتا تھا، ایک دن استری کرنے گیا، کپڑوں کے ساتھ حضرت کا ایک رومال تھا، جو پھٹ گیا تھا، میں نے خالہ سے کہا: یہ رومال پھٹ چکا ہے، کیا میں تبرک کے طور پر اسے رکھ لوں؟ انہوں نے کہا: کوئی بات نہیں، رکھ لے، حضرت نے دیکھا کہ میرا رومال نظر نہیں آتا، خالہ سے پوچھا میرا رومال کہاں ہے؟ کہا: غلام تبرک یا ایسا کچھ بول کرلے گیا ہے، تو حضرت مجھے بولے: تبرک کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی چیز پرانی ہوجائے، یا پھٹ جائے تو لے لو، بلکہ تبرک کا مطلب یہ ہے کہ پہلے نئی چیز خرید کرلا دو، وہ اسے استعمال کرے، اس کے بعد اس سے وہ چیز لو، یہ تبرک کا اصل مفہوم ہے۔

(یہ واقعہ سنا کر حضرت دستانوی ہنس پڑے۔ اضحک اللہ سنہ!)

علمائے دیوبند فکر ولی اللّٰہی: ☆جامعہ اکل کوا میں اساتذہ کی خصوصی مجلس کے موقع پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا: یہ علمائے دیوبند فکرِ ولی اللّٰہی ہے، یعنی اپنی زندگی کو دنیا کے انسانوں پر وقف کرنا۔ (گویا آپ خواجہ میر درد کے حوالہ سے یہ کہنا چاہتے ہیں): ؎

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو! ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کروبیاں

تذکرۂ حضرت باندوی رحمہ اللہ: ☆فرمایا: قاری صدیق صاحب باندوی رحمہ اللہ کی استعداد بہت اعلیٰ تھی، چاہتے تو کسی جگہ شیخ الحدیث بن سکتے تھے، مگر خود کے علاقے میں جوڈاکوؤں کا علاقہ تھا، محنت کیں، دیہات کے آنے والے بچوں کی گندگی اپنے ہاتھ سے صاف کرتے تھے، جب وہ پیشاب کردیتے تھے۔ خود ہم سے فرمایا کہ اب یہ حال ہے کہ ۳۰۰ مسجدوں میں ہمارے حفاظ نے قرآنِ کریم سنایا۔ آپ کی خوراک سادہ تھی۔

ہدایہ کی عبارت: ☆قاری صدیق صاحب باندوی رحمہ اللہ کا واقعہ ہے کہ عصر بعد میں ایک صفحہ ہدایہ کا اپنے ساتھی کو پڑھ کر سناتا، پھر وہ ایک صفحہ پڑھتا میں سنتا، پھر اس کا مذاکرہ ذہن میں محفوظ کرتے تھے، نتیجہ یہ ہوا کہ اب تک ہدایہ کی عبارتیں یاد ہیں۔

حضرت باندوی رحمہ اللہ کی سادگی: ☆جب حضرت قاری صاحب مانچسٹر (یوکے) کے ایئرپورٹ پر اُترے اس وقت لال رومال اور سبز کلر کی لنگی بندھی تھی، جم غفیر استقبال میں تھا، ہر شہر میں بے تحاشہ لوگ امڈ پڑے تھے، کہا: شیخ کے مریدین موجود ہیں اُن سے بیعت کرو، ہم تو مہمان ہیں، چلے جائیں گے، کیا فائدہ ہوگا۔

☆ نیز فرمایا: میرے مدرسے کے چندے کے سلسلے میں کسی مسجد میں اعلان نہ کیا جائے، میں تو دین کی بات کرنے آتا ہوں۔ (حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی اس سادگی پر علامہ اقبال کے یہ اشعار یاد آتے ہیں):

جلا سکتی ہے شمعِ کشتہ کو موجِ نفس اُن کی
الٰہی! کیا چھپا ہوتا ہے اہلِ دل کے سینوں میں

تمنا دردِ دل کی ہو تو کر خدمت فقیروں کی
نہیں ملتا یہ گوہر بادشاہوں کے خزینوں میں

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی، ارادت ہو تو دیکھ ان کو
ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

اور خواجہ میر درد کا یہ شعر بھی:

تر دامنی پہ شیخ! ہماری نہ جا، ابھی
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

اخلاص کا تاج محل: ☆ فرمایا: میرے اکل کوا کے دوستو! ٹھان لو کہ قاری صاحب کی طرح زندگی گزاریں گے، اور قریہ قریہ جا کر محنت کریں گے، نیت کیجیے کہ پیسہ کمانے یہاں نہیں آئے، بلکہ اس لیے آئے ہیں کہ اللہ کا دین دیہاتوں میں پہنچائیں۔ دُور دَراز علاقوں کا رُخ اختیار کریں۔

یہ اخلاص اور بزرگوں کی توجہ کی وجہ سے علمی محل بن گیا ہے۔ (جسے ہم "اخلاص کا تاج محل" نام دے سکتے ہیں)۔

علم کا تاج محل: ☆ فرمایا: شاہ جہاں نے آگرہ میں تاج محل کروڑوں کا بنایا لیکن مولانا (غلام محمد وستانوی دامت برکاتہم) نے علم کا تاج محل بنایا اکل کوا میں۔ شاہ جہاں کے تاج محل سے قیمتی یہ اکل کوا کا علمی تاج محل ہے، جہاں پس ماندہ علاقے کے لوگوں کے بچے تعلیم حاصل کر رہے ہیں۔ (اللہ اکبر!)

آپ بھی دل میں یہ داعیہ رکھیں کہ ہم بھی پورے علاقے میں پھیل جائیں گے، علماء ہی یہ کام کر سکتے ہیں، کرتے تھے، اور کر رہے ہیں، یہ علماء کی خصوصیات میں سے ہے۔

(۳ ر جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ بمقام جامعہ اکل کوا)

شجر سے پیوستگی کی برکت کا ثمرہ: ☆ رئیس جامعہ حضرت وستانوی دامت برکاتہم پر اپنے مشفق و مربی سرپرست جامعہ رحمہ اللہ کا بڑا احسان ہے، حضرت وستانوی بارہا اس کا تذکرہ اپنی عصر بعد کی مجلسوں میں طلبۂ جامعہ کے سامنے اور اساتذہ کی خصوصی میٹنگوں میں بیان فرماتے رہتے ہیں۔ ایک مرتبہ فرمایا:

''ہم جو کچھ ہیں حضرت (مولانا عبد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ وبرد مضجعہٗ) کی توجہ اور برکت کا ثمرہ ہے۔والد صاحب نے فیصلہ کیا کہ علی گڑھ حکیم بنانے کے لیے بھیج دیا جائے،حضرت نے موافقہ دے دیا،ایک دن عصر کے بعد گیا چائے لے کر،حضرت نے ملفوظ پڑھا حضرت تھانوی رحمہ اللہ کا کہ-''جو آدمی چاہے کہ اس کی اولاد دین ودنیا سے ہاتھ دھو بیٹھے تو وہ اپنی اولاد کو شعراء کے حوالہ کردے،جو چاہے کہ اپنی اولاد دین سے ہاتھ دھو بیٹھے،وہ اپنی اولاد کو حکیموں کے حوالہ کردے''۔تو تیرے بارے میں میرا فیصلہ بدل گیا ہے،حضرت نے والد صاحب کو بتلایا، والد صاحب نے کہا:آپ کو اختیار ہے،جو چاہے کیجئے،(چنانچہ میں حضرت کی تربیت میں رہ گیا)۔''

☆.....حضرت وستانوی دامت برکاتہم کا یہ جملہ کہ''ہم جو کچھ ہیں حضرت (مولانا عبد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ وبرد مضجعہٗ) کی توجہ اور برکت کا ثمرہ ہے''ہمیں علامہ اقبال کی زبان میں یہ سبق دیتا ہے کہ:

ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ! پیوستہ رہ شجر سے،امید بہار رکھ!

آپ کی بعض صفات جو علما وطلبہ کے لیے قابلِ تقلید ہیں:

کتاب سے حد درجہ عشق،کتاب دوست،کثیر المطالعہ،تاخیرِ وقت پر افسوس،وقت پر کام کا داعیہ(پابندوقت)،وقت پر کام کی خوشی،علمی سرگرمی کی پوچھ تاچھ،ادبی ذوق،تقریر وتحریر میں تجرباتی باتیں،ہر چیز اور واقعہ سے عبرت وسبق لینے کی عادت،غیر جانب دار،بہترین منتظم،ادیب واریب عربی واُردو،مفکر ملت، عمیق النظر،کشادہ جبین،روشن ضمیر،ہشاش بشاش ونورانی چہرہ،خیر خواہِ اہلِ مساجد ومدارس،مکارمِ اخلاق وتربیتی مزاج کی حامل شخصیت،عالم ربانی،مربی علماء وطلبہ،مقتدائے علما وطلبہ،نوافل کا اہتمام،سرپرست جامعہ (بلکہ جامعات)،ہمدرد وغم خوار۔

کلماتِ رئیس بر وفاتِ رئیس: ☆ آپ کے خادمِ خاص حضرت رئیس جامعہ اکل کوا،حضرت مولانا غلام محمد وستانوی دامت برکاتہم فرماتے ہیں:آپ رحمہ اللہ کتابی کیڑے تھے،مولانا حذیفہ صاحب کے ساتھ کویت وغیرہ کا خلیجی ملکوں کا سفر کیا اور کتب خانوں میں جا کر کتابوں کو ہی دیکھتے رہے،ایسا کتاب دوست میں نے نہیں دیکھا۔

آپ کا حال یہ تھا کہ اِدھر موت کی تیاری ہے اور اُدھر کتابوں کی خریداری۔(گویا آپ اس مصرعہ کا عملی نمونہ تھے):

مریں گے ہم کتابوں پر ورق ہوگا کفن اپنا

☆فرمایا: عیادت کے لیے گئے، تو کہا: ''غلام'' کو چائے پلاؤ۔ پھر فرمایا: **''غلام''** تو نے میری خدمت کی ہے۔ اس پر حضرت وستانوی آب دیدہ ہوگئے اور فرمایا: میں ایک دیہاتی کسان کا بیٹا آپ نے کہاں پہنچایا۔

☆حضرت مولانا عبداللہ صاحب اور حضرت شیخ یونس جون پوری رحمہم اللہ یہ میرے وہ اساتذہ ہیں جنھوں نے مجھے کام کا بنایا۔ مولانا عبداللہ صاحب بھی کسان کے بیٹے تھے، اُن کے والد اکابر سے وابستہ رہے، ان کو بھی وابستہ کیا، اس لیے اکابر سے وابستہ رہنا طالب علم کے لیے بہت ضروری ہے۔ حضرت مرحوم کی ثنا خوانی مقصود نہیں ہے، بلکہ اصل ہے اُن کی زندگی کے مطابق اپنی زندگی بنانا۔

☆اور فرمایا: ''اللہ رب العزت نے میری چاہت کے سارے کام **''مولانا غلام''** سے لیے۔

یا حذیفة! إني أحبک: ☆دینی وعلمی کام کرنے والے نوجوانوں سے محبت، جیسا کہ مولانا حذیفہ وستانوی دامت برکاتہم سے فرماتے: ''یا حذیفة! إني أحبک ''، یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، آپ کا ارشاد ہے: ''یا معاذ! إني أحبک ''۔ (یہ کہہ کر گویا آپ رحمہ اللہ نوجوانوں کو یوں حوصلہ دیتے ہیں):

مجھے محبت اُن جوانوں سے ہے ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

دنیا موضعِ اقامت نہیں: ☆آخر کار حضرت ہم سے رخصت ہوگئے زبانِ حال سے میر تقی میر کے یہ اشعار کہتے ہوئے:

فقیرانہ آئے، صدا کر چلے کہ میاں! خوش رہو ہم دعا کر چلے

اور ہمیں یہ سبق دے گئے کہ:

دنیا موضعِ انتقال ہے! موضعِ اقامت نہیں!

نزلنا ھھنا ثم ارتحلنا کذا الدنیا نزول وارتحال

یظنّ المرء في الدنیا خلوداً خلود المرء في الدنیا محال

ہم دنیا میں آئے، پھر کوچ کر جائیں گے! ایسے ہی آنے اور جانے کا نام دنیا ہے!

آدمی کی خام خیالی ہے کہ وہ دنیا میں ہمیشہ رہے گا! حالانکہ انسان کا دنیا میں ہمیشہ رہنا محال ہے!

ایں خیال است ومحال است وجنوں!

تعزیتی پیغامات وخطوط

بروفات حسرت آیات، مفکر ملت، فخر گجرات، رئیس الجامعہ

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ

از طرف: مجتبیٰ حسن قاسمی

آہ! ماہر تعلیم، رئیس محترم، بے مثال عالم ومفکر، محبوب شخصیت اوراس ناچیز کے صوبۂ گجرات میں سب سے زیادہ خیر خواہ ومربی: حضرت مولانا عبداللہ کاپودری صاحب اللہ کو پیارے ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.

حضرت والا متعدد خصوصیات کے حامل تھے۔ ان کی سب سے بڑی خصوصیت یہ تھی کہ نوجوان فضلا کی بے پناہ حوصلہ افزائی فرماتے، ان کو لکھنے کی ترغیب دیتے، کوئی کچھ لکھ کرلے جاتا تو بے انتہا تعریف کرتے، کبھی کبھی ہم جیسوں کو بھی گمان ہونے لگتا کہ واقعی ہم نے تیر مارلیا ہے۔ ان کی ملاقات کے بعد خود اعتمادی سے دامن لبریز ہوجاتا اور کام کرنے (لکھنے پڑھنے) کی رفتار میں بے پناہ اضافہ ہوجاتا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ حضرت والا کے انتقال سے سب سے زیادہ نقصان نئے پڑھنے لکھنے والوں کا ہوا ہے۔ اللہ مغفرت فرمائے کہ ان کے احسانات سے جہاں؛ اہل گجرات زیر بار ہیں، وہیں ہم جیسے پردیسی پربھی ان کے احسانات کم نہیں ہیں۔

رب کا شکر ادا کر بھائی　　جس نے ہماری گائے بنائی

دودھ دہی اور میٹھا مسکہ　　دے نہ خدا تو کس کے بس کا

ان کی زبان مبارک سے جب مولوی اسماعیل میرٹھی کی یہ نظم سنی اوراس میں موجود خوبیوں کی جانب حضرت نے جس انداز سے اشارہ فرمایا، میں سمجھتا ہوں کہ اسے تحریر میں لانا کم از کم ہم جیسوں کے لیے ممکن نہیں ہے۔ ان شاء اللہ تفصیلی تحریر بعد میں۔۔۔۔

- حضرت والا کو جوار رحمت میں جگہ ملے، ان کے درجات بلند ہوں اور جس طرح وہ اس دنیا میں عزت وعظمت کے اعلیٰ مقام پر فائز رہے، اللہ تعالیٰ آخرت میں بھی اسی طرح بلندی درجات عطا فرمائے، آمین۔

مجتبیٰ حسن قاسمی

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کی وفات

ملت اسلامیہ کے لیے بڑا خسارہ

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

جنرل سکریٹری اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، و ناظم المعہد العالی اسلامی حیدرآباد

یہ بات پورے طبقۂ علما کے لیے نہایت رنج والم کا باعث اور ملت اسلامیہ کے لیے بڑا خسارہ ہے کہ کل چار بجے دن ملک کے مؤقر عالم دین، بلند پایہ ادیب، صاحب بصیرت اور اسلامی مفکر حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ (رئیس جامعہ فلاح دارین ترکیسر) کی وفات ہوگئی۔ وہ بڑے وسیع النظر عالم تھے، ان کی فکر میں بھی اعتدال تھا اور زبان وقلم میں بھی۔ عربی زبان کے بڑے ادبا میں ان کا شمار تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر مردم گری اور افراد سازی کا بڑا ملکہ رکھا تھا اور وہ اس میدان میں اپنے اکثر معاصرین پر تفوق رکھتے تھے۔ وہ قدیم صالح اور جدید نافع کو ساتھ لے کر چلنے کے قائل تھے۔ ان کی ہر تحریر میں دعوتی فکر ہوا کرتی تھی، علما کی تربیت اور مدارس کی علمی ومعنوی ترقی ان کی فکر خاص ہدف تھا، وہ علم کے عاشق اور کتابوں کے رسیا تھے۔ نوجوان علما کی حوصلہ افزائی ان کا خصوصی وصف تھا۔ راقم الحروف کے ساتھ بھی ان کا تعلق بڑا شفقت اور خوردنوازی کا تھا۔ اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کی خدمات کو وہ بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور حسب موقع اس کے سیمیناروں میں شریک ہوا کرتے تھے، وہ المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد بھی تشریف لائے۔ وہ یہاں کے نظام تعلیم وتربیت کو بے حد سراہتے تھے اور گجرات کے فضلا کو ترغیب دے کر یہاں بھیجتے تھے۔ جامعہ فلاح دارین ترکیسر گجرات ان کے خوابوں کا تاج محل ہے، جو ہمارے دینی مدارس میں ایک منفرد حیثیت کی دینی درس گاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائے اور ملت اسلامیہ کو ان کا بدل عطا کرے۔

****

رئیس گجرات مفتی عبداللہ کاپودروی کی رحلت عالم اسلام کا ناقابل تلافی خسارہ

مولانا محمد سفیان قاسمی (مہتمم: دارالعلوم وقف دیوبند)

دارالعلوم وقف دیوبند کی مجلس مشاورت کے موقر رکن، جامعہ فلاح دارین ترکیسر گجرات کے رئیس حضرت مولانا مفتی عبداللہ صاحب کاپودرویؒ کی رحلت عالم اسلام کے لیے ایک عظیم ناقابل تلافی خسارہ ہے۔ آپ کی رحلت سے ملت اسلامیہ ایک عظیم راہنما سے محروم ہوگئی ہے۔ ان خیالات کا اظہار دارالعلوم وقف دیوبند کے مہتمم حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب نے اطیب المساجد دارالعلوم وقف دیوبند میں منعقدہ تعزیتی نشست سے کیا۔ انہوں نے کہا کہ آج کے دور میں آپ کا وجود منجانب اللہ ایک نعمت غیر مترقبہ تھی، انہوں نے کہا کہ آپ کی علمی رفعت و وقعت اہل علم کے مابین مسلمہ تھی۔ آپ کے علمی و عرفانی فیضان سے مستفدین کی تعداد لامتناہی ہے۔ آپ کا عظیم علمی کارناموں کی فہرست طویل ہے اور یہ آپ کے لیے عظیم ذخیرۂ آخرت ہے۔ دارالعلوم وقف دیوبند، خانوادۂ قاسمی اور علوم نانوتویؒ سے انہیں خاص انس ولگاؤ تھا۔ دارالعلوم وقف دیوبند کے خواہاں اور آرزومند تھے اور ساتھ ہی ادارہ کی ترقیات کے لیے فکرمند بھی رہتے تھے۔ خصوصاً دارالعلوم وقف دیوبند کی حالیہ ترقیات سے بے حد مسرور تھے اور اپنی مجالس میں بارہا اس کا ذکر بھی فرماتے تھے۔ دارالعلوم وقف دیوبند کی مجلس مشاورت کی تمام میٹنگوں میں خصوصی اہتمام کے ساتھ شریک ہوتے اور تعلیمی معیار کی بلندی کے باب میں مفید آرا و تجاویز سے نوازتے، حق تعالیٰ آپ کی خدمات کو قبول فرمائے اور آخرت میں آپ کے درجات بلند فرمائے۔

واضح رہے کہ حضرت مولانا کی وفات کی خبر ملتے ہی بعد نماز مغرب جامعہ کی اطیب المساجد میں ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔ حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی صاحب مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند کی دعا پر نشست کا اختتام ہوا۔ اس موقع پر اساتذۂ جامعہ و کارکنان ادارہ موجود رہے۔

****

گجرات کے معروف عالم دین مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کے انتقال پر جمعیۃ علمائے ہند کا اظہار رنج وغم

جمعیۃ علمائے ہند کے جنرل سکریٹری مولانا محمود مدنی نے مشہور ومعروف عالم دین مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کے سانحہ ارتحال پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے۔ مولانا مرحوم معتبر اور بالغ نظر انسان تھے۔ وہ ایک طویل عرصے تک جامعہ فلاح دارین ترکیسر گجرات کے سربراہ رہے اور ان کی قیادت ونگرانی میں یہ ادارہ دینی وتعلیمی میدان میں ایک نمایاں مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ مولانا مرحوم ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے۔ وہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد تھے۔ انہوں نے علمی میدان میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔ انہوں نے اہم دینی موضوعات پر ایک درجن سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی، جن کی دعوت پر وہ دنیا کے مختلف ممالک میں دعوتی ودینی اسفار بھی فرمایا کرتے تھے۔

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کے انتقال پر ابنائے ندوہ مومبائی کا تعزیتی پیغام

نمونۂ سلف حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی کے انتقال کی خبر نے بہت متاثر کیا۔ گجرات کی دھرتی کا ایک عظیم سپوت، ایک تابناک ستارہ آج ہمارے بیچ سے رخصت ہوگیا۔ لیکن اپنی ایمانی خوش بو اور اپنی تابناک روشنی چھوڑ گیا۔ حضرت کی وفات ایک بے نظیر عہد کا خاتمہ ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

اس موقع پر ابنائے ندوہ ممبئی کے صدر مولانا لقمان ندوی نے اپنے پریس بیان میں کہا کہ حضرت مولانا ایک ولی صفت انسان تھے۔ علمی مقام بڑا بلند تھا، اخلاق کے اعلیٰ معیار پر تھے، کردار اولیاء اللہ کا پرتو تھا، علمائے کرام سے بڑی محبت کرتے تھے، علم کی خدمت کرنے، اللہ کے بندوں کو اللہ سے جوڑنے کے لیے اپنی زندگی کا قیمتی سرمایہ صرف کیا۔ حضرت مولانا علی میاںؒ سے مرحوم کا خاص تعلق تھا۔ وہ تمام علما میں یکساں مقبول تھے۔ کیوں کہ مرحوم الحب للہ والبغض للہ کی صفت سے متصف رہے، نہایت سادہ لوح، خوش مزاج، بلند اخلاق کے حامل، چھوٹوں پر نہایت شفیق، آج کے اس مشکل دور میں ایسے شخصیات کا اٹھ جانا ملت کے لیے بڑی آزمائش ہے۔

ہم ابنائے ندوہ مومبائی اس موقع پر حضرت کے تمام پسماندگان اور متعلقین کو تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں اور رب ذوالجلال کی بارگاہ میں دعاگو ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دے، پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے اور ملت کو حضرت کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین!

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ صاحب دل دردمند رکھتے تھے

قاری جابر حسین بن موسیٰ کرماڈی
استاذ تجوید و قرأت: دار العلوم ماٹلی والا، بھروچ

حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ کی خدمت میں حاضری کا مجھے متعدد مرتبہ موقع ملا، حضرت والا بڑے آدمی تھے۔ صاحب دل، امت کی فکر، طلبہ کی تعلیمی ترقی کے لیے کوشاں اور اساتذہ کو ہر ممکن راحت پہنچانے کے لیے بے تاب رہتے تھے۔ ان کی خدمت کر کے دل کو سکون ملتا تھا، جب بھی ان کے گھر پر حاضری ہوتی اور مجھ سے مخاطب ہوتے، تو بڑی اپنائیت کا اظہار فرماتے۔ دار العلوم ماٹلی والا بھروچ میں حضرت والا کثرت کے ساتھ تشریف لاتے، یہاں بھی ان کے میزبانی کا مجھے شرف حاصل ہوا۔ اگر کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت والا تشریف لائے ہوں اور ناچیز حاضر خدمت نہیں ہو سکا تو احباب سے دریافت فرمایا کہ قاری جابر صاحب کہاں ہیں؟ ابھی رمضان المبارک سے قبل بیرون کے سفر پر جانے سے پہلے ان کی خدمت میں حاضری ہوئی، حضرت والا جامن پسند فرماتے تھے، اس لیے جاتے ہوئے کچھ جامن ساتھ لے لیا۔ طبیعت ایسی تھی کہ ملاقات ہو سکے، ان کے صاحب زادے مولانا اسماعیل صاحب نے صورت حال کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ قاری صاحب ملاقات نہیں ہو سکے گی۔ میں نے کہا کوئی بات نہیں، پھر فرمایا کہ تھوڑی دیر رکیے، شاید زیارت ہو جائے۔ میں نے انتظار کیا، زیارت کے لیے مولانا اسماعیل صاحب کے ہمراہ کمرے میں گیا تو حضرت مولاناؒ آرام فرما رہے تھے۔ آہٹ پا کر آنکھ کھل گئی، مصافحہ ہوا اور طبیعت کی خرابی اور غنودگی کے باوجود پوچھا: قاری صاحب کیسے ہیں؟

حضرت والا کی بس اب یادیں ہیں اور ان کے بتائے ہوئے نقوش۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان پر چلنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

برادر عزیز مولانا غفران ساجد قاسمی (بصیرت میڈیا گروپ کے چیف) نے خوش خبری سنائی کہ حضرت مولانا کے لیے ایک تعزیتی نشست ممبئی میں منعقد کی جا رہی ہے، جس میں حضرت کی حیات و خدمات پر مشتمل ایک مختصر سا رسالہ بھی شائع کیا جائے گا تو بڑی مسرت ہوئی۔ میں مولانا غفران ساجد صاحب کو دلی مبارک باد پیش کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ حضرت پر شائع ہونے والے رسالے کو قبول فرمائے اور حضرت والا کے درجات کو بلند فرمائے۔ آمین!

نمونۂ سلف، پیکر خلوص و وفا، حضرت عبداللہ کاپودروی رحمۃ اللہ

سرزمین گجرات کے ایک تابناک اور بے نظیر عہد کا خاتمہ

علمائے ہند کی صف میں غیر معمولی خلا!

حضرت کے ساتھ گذرے ہوئے لمحات سرمایۂ حیات ہیں۔ ان کے ساتھ گذرے لمحات نے ثابت کیا تھا کہ وہ "بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا" کے حقیقی مصداق ہیں۔ آپ کی خبر وفات نے دل و دماغ کو متاثر کیا ہے۔ دعا ہے کہ باری تعالیٰ مرحوم کی روح کو اپنے الطافات و انعامات سے نہال فرمائے، پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ یکے بعد دیگرے مخلصین اٹھتے جارہے ہیں، اللہ بھنور میں پھنسی کشتی کے لیے لائق ناخدا مہیا فرمائے۔

اللهم اجرني في مصيبتي واخلف لي خيرا منها

شریکِ غم

سمیع اللہ خان

حضرت رئیس الجامعہؒ کے پسندیدہ اشعار

لیتک تحلو والحیوۃ مریرۃ

ولیتک ترضی والانام غضاب

ولیت الذی بینی وبینک عامر

بینی وبین العالمین خراب

اذا صح منک الود فالکل هین

وکل الذي فوق التراب تراب

****

کلمات تعزیت بروفات مفکر ملتؒ

برادرانِ اسلام!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

وما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما

کس سے اس درد مصیبت کا بیاں ہوتا ہے
آنکھیں روتی ہیں، قلم روتا ہے، دل روتا ہے

افسوس صد افسوس کہ امروز ۱۰؍ جولائی ۲۰۱۸ء ہندستان کے سرسبز وشاداب خطۂ گجرات سے نمونۂ سلف، پیکر خلوص ووفا، مفکر ملت، حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور دار بقا کی جانب ہم سب کو روتا، بلکتا اور سسکتا چھوڑ کر روانہ ہوگئے۔

انا لله وانا اليه راجعون ! اللهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه ، واكرم نزله ، ووسع مدخله ، واغسله بالماء والثلج والبرد ، ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الابيض من الدنس ، وابدله دارا خيرا من داره ، وادخله الجنة ، واعذه من عذاب القبر وعذاب النار .

موت برحق ہے، اس سے کسی کو مفر نہیں۔ جس نے بھی اس دنیائے ہست و بود میں قدم رکھا، اسے ایک نہ ایک دن گوشۂ قبر کی تنہائی کا سامنا ضرور ہے۔

ان لله ما أخذ وله ما أعطى
وكل شيء عند لاجل مسمى

اس المناک موقع پر ہم خدام دار العلوم مدنی دار التربیت؛ کرمالی، امت مسلمہ کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے خداوند رؤوف ومہربان کی بارگاہ قدس ورحمت میں التجا کرتے ہیں کہ وہ مرحوم کو اپنی عفو و بخشش سے جوار اقدس اور بارگاہ عزت وجلال میں جگہ دے۔ اور ان کے اہل خانہ کو اس غمناک واقعہ پر صبر جمیل کی توفیق اور امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین.

والسلام

احمد بن مفتی احمد بیمات خادم: دار العلوم مدنی دار التربیت، کرمالی بھروچ، گجرات

آہ! مولانا عبداللہ کاپودروی صاحب رخصت ہوگئے

سرزمین ہند، علم و عمل اور اعلیٰ اخلاق کی جامع شخصیات سے خالی ہوتی جارہی ہے۔

مولانا کا شمار کبار علما میں ہوتا تھا۔ وہ جلیل القدر عالم، روشن دماغ مفکر، خداترس انسان، اور شخصیت ساز شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی تواضع، علم دوستی، معاملہ فہمی، خورد نوازی، بے جا تصنعات سے گریز و اجتناب نے مجھے کیا؛ اچھے اچھوں کو اپنا گرویدہ بنایا۔ یہی وجہ تھی کہ ایک ملاقات کے بعد حضرت مولانا سے بارہا فون پر کثرت سے بات کرنے کا نہ رکنے والا سلسلہ جاری ہوگیا اور مولانا کی بے تکلفانہ عنایتیں ملتی رہیں۔ مولانا ایسے بلند پایہ اخلاق کے مالک تھے اور اس طرح پیش آتے تھے کہ ان کی خدمت میں حاضر ہونے والا سوچ میں پڑجاتا کہ اس سطح کا آدمی اور ایسی سادگی۔

مجھ سے حضرت مولانا کا تعارف کرانے والے نے کہا تھا کہ یوں سمجھیے کہ مولانا گجرات کے حضرت علی میاںؒ ہیں۔

میرا مولانا سے پہلی بار تعارف 2014 میں ہوا، جب وہ میرے یہاں کانفرنس میں تشریف لائے تھے۔ دوبارہ 2016 میں اکل کوا سیمینار کے بعد استفادے کی غرض سے (تفصیلات سے قطع نظر) مولانا کے دولت کدہ پر مولانا کی معیت میں حاضر ہوا۔ ایک ڈیڑھ دن میں مولانا کے جس بلند اخلاق کا مجھ جیسے بے مایہ و کمتر انسان نے مشاہدہ کیا، اس کی بنیاد پر کہہ سکتا ہوں کہ اس طرح کے اخلاق اس سطح کے لوگوں کے یہاں کم از کم میں نے نہیں دیکھا۔ مولانا مجھے لے کر دارالعلوم ترکیسر گئے اور میری تقریر سے پہلے تعارف کرایا تو میں نے وہیں اپنی گفتگو میں کہا کہ امام حسن البنا کے بارے میں پڑھا تھا کہ کسی نے ان سے پوچھا کہ کتابیں کیوں نہیں لکھتے؟ تو فرمایا اس لیے کہ میں تصنیف رجال میں مصروف ہوں میں نے آج واقعی مشاہدہ کیا اس سفر میں کہ اشخاص کی تعمیر کیسے کی جاتی ہے۔ بلاشبہ مولانا بلند پایہ عالم تھے، بہت وسیع اور متنوع مطالعہ تھا۔ بڑی مرتب موضوعی اور پر مغز گفتگو فرماتے تھے۔ مگر شاید زیادہ کچھ علمی سرمایہ نہیں چھوڑا اس کی وجہ یہی ہے کہ انھوں نے افراد کار تیار کیا اور تصنیف رجال میں عمر مستعار صرف کی۔ مولانا کو کتابوں کا بڑا شوق تھا۔ خود خریدتے اور اداروں میں تقسیم کرتے۔ گھر سے متصل مسجد اور مسجد میں مولانا کا کتب خانہ، خاص عہد قدیم کی یاد دلاتا تھا۔ دسیوں ہزار کتابوں پر مشتمل کتب خانہ گجرات کے خاص ماحول میں مولانا کے کتب خانہ کے تنوع کو دیکھ کر مولانا کی منصف مزاجی، علم دوستی، خالص علمی ذوق، علمی شان اور گیرائی کا اندازہ کرنا مشکل نہ تھا۔ مولانا کا انتقال بالخصوص گجرات کے لیے اور علی العموم پورے ہندستان کے لیے بڑا سانحہ ہے۔ ہمیں ان کے لائق فرزندوں اور شاگردوں سے امید ہے کہ وہ ان کے فکر و نظر کے ترجمان و مظہر نظر آئیں گے اور ان کے مشن کو آگے بڑھائیں گے۔

میں مولانا کے پسماندگان، متوسلین اور اہل تعلق کے غم میں برابر کا شریک ہوں۔ یہ غم ان کا ہی نہیں میرا بھی ہے۔ مجھے اس بات کا شدید قلق رہے گا کہ مولانا کی آواز وغیرہ بند ہونے سے پہلے ایک آخری بار ان سے بات کیوں نہ کرسکا۔ ابھی ہفتہ دس دن پہلے ہی ان کے صاحبزادے مولانا اسمٰعیل صاحب سے صحیح اور نازک ترین صورت حال فون پر معلوم ہوئی تھی۔ دھڑکا تو لگا ہی تھا کہ آج یہ خبر صاعقہ اثر بھی آہی گئی۔ اللہ غریق رحمت فرمائے اور اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ میری یہ بڑی بدنصیبی ہے کہ بعض ایسی مفید و موثر اور اہل صفا و اصحاب وفا سے تعلق بہت دیر میں ہوا کہ تعلق قائم ہونے کے بعد جلد ہی یا تو وہ کسی عارضہ میں مبتلا ہوگئے یا دنیا سے چل بسے۔ انھیں میں ایک میری محبوب شخصیت حضرت مولانا کاپودرویؒ کی تھی اللہ مغفرت اور درجات بلند فرمائے۔

ڈاکٹر طارق ایوبی ندوی (صدر: کاروانِ امن و انصاف)

محمد حسین ماہمکر فلاحی استاذ جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن کوکن قاضی شریعت مرکزی دار القضا کوکن:

واٹس ایپ کھولتے ہی خبر دیکھا تو انگلیاں چل پڑیں مفصل تاثرات دماغ پر قابو پانے کے بعد ان شاء اللہ ضرور پیش کروں گا۔ سر دست تو اپنا غم غلط کرنے کے لئے ان الجھی ہوئی سطروں کا سہارا ہے۔ مفکر ملت، سرزمین ہند کی مایہ ناز شخصیت اور فخر گجرات حضرت مولانا عبد اللہ کاپودروی صاحب کا انتقال ہوا۔

جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن کوکن میں حضرت مرحوم رئیس الجامعہ مولانا عبد اللہ کاپودروی صاحبؒ کے شاگردوں اور مادر علمی دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات کے فیض یافتہ فلاحی فضلا اساتذہ کی اچھی تعداد ہے۔ ہم تمام احباب جامعہ حسینیہ عربیہ شریوردھن اس الم ناک موقع پر امت مسلمہ کی خدمت میں تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے اللہ کی بارگاہ قدس و رحمت میں التجا کرتے ہیں کہ وہ مرحوم کو اپنی عفو و بخشش سے جوار اقدس عطا فرمائے اور ان کے اہل خانہ کو اس غمناک واقعہ پر صبر جمیل کی توفیق مرحمت فرمائے۔ امت کو اور خصوصاً دار العلوم فلاح دارین ترکیسر گجرات کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے۔

آج 10 جولائی 2018 رات ساڑھے دس بجے کاپودرہ گجرات میں تدفین ہے۔

شافعی مسلک کے مطابق میت کے غسل کی تکمیل کے بعد غائبانہ نماز جنازہ پڑھنے کی اجازت ہے۔ لہذا آج رات عشا کی نماز کے بعد جامعہ حسینیہ شریوردھن میں دس بجے غائبانہ نماز جنازہ ادا ہوگی۔ اور حضرت مولاناؒ کی خدمات پر اساتذہ کے خطابات ہوں گے۔

***

ایوب اسحاق: دار العلوم زکریا، جنوبی افریقہ

نزلنا ههنا ثم ارتحلنا
كذا الدنيا نزول وارتحال

حضرت مشفقنا دمرتہنا کو یہ شعر اکثر گنگناتے سنتے رہتے تھے۔

آج ہمارے محسن جلیل اس دار فانی سے کوچ کرکے اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے ہیں اور ہزاروں کو سوگوار چھوڑ گئے ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون.........

اللہ تعالیٰ حضرت کی بال بال مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق سے نوازے اور امت کو نعم البدل عطا فرمائے۔

جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل کو اپنے ایک عظیم سپوت کے چل بسنے پر بے انتہا صدمہ

آج جامعہ ڈابھیل اس وقت رنج وغم کے انتہائی گھپ اندھیرے میں ڈوب گیا، جب یہ المناک خبر صاعقہ بن کر گری کہ جامعہ کے ایک نامور فاضل، عظیم سپوت، گلشن جامعہ کے ایک گل سرسبد، سابق استاذ جامعہ وسابق رکنِ شوریٰ جامعہ، ہم خوشہ چینِ جامعہ کو غمگین چھوڑ کر اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت جامعہ کی تاریخ کا جھومر اور اس کا گل سرسبد تھے۔ آپ ایک سدا بہار درخت کی طرح تھے، جس کی تخم ریزی، آبیاری اور بار آوری میں جامعہ کے اکابر اساتذہ انتظامیہ اور اس کے قابل صدرشک ماحول کا بنیادی کردار رہا ہے۔

حضرت نے جامعہ سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے بعد جامعہ ہی سے اپنی تدریسی زندگی کی ابتدا کی۔ نیز آپ ایک طویل مدت تک رکنِ شوریٰ کی حیثیت سے بھی وابستہ رہے۔

آپ ہی کی توجہ وسرپرستی میں جامعہ کی تاریخ مرتب کی گئی۔

آپ جامعہ کا وہ شجرۂ طیبہ ہے جن کے واسطے سے کئی گلشنوں کی آبیاری ہوئی۔

آپ کے واسطے سے جامعہ کا فیض قرب وجوار سے شروع ہو کر چہاردانگ عالم میں پھیلا۔

ہم ابنائے جامعہ اس موقع پر ایک دوسرے کی نیز حضرت کے واسطے سے آباد شدہ تمام گلستاں کی بلبلوں اور تمام مسلمانوں کو تعزیت پیش کرتے ہیں۔ نیز دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔

ابنائے جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین ڈابھیل

****

مَیں بُلبلِ نالاں ہوں اِک اُجڑے گُلستاں کا

ابن الحسن عباسی

آج 10 جولائی 2018 کو ہندستان، گجرات، سورت کے مشہور بزرگ، داعی اور مفکر عالم دین مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی مسافران آخرت میں شامل ہوگئے۔ ان کی عمر تقریباً 85 سال تھی۔ مولانا گجرات کے مرکزی ادارہ دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر کے شیخ الجامعہ اور ہندستان کے کئی علمی، دعوتی اور فلاحی اداروں اور تنظیموں کے سربراہ و معاون تھے۔ انہوں نے 1950 میں دارالعلوم دیوبند میں سال ڈیڑھ سال پڑھا اور غالباً 1955 میں ہندستان کے مشہور علمی ادارہ جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سے سند فراغت حاصل کی اور وہاں استاد مقرر ہوئے۔ اس کے بعد دوبارہ دارالعلوم دیوبند آئے اور 1959 اور 1960 دو سال دارالعلوم دیوبند میں مقیم رہے اور دورہ حدیث کی کتابیں پڑھیں۔ انہوں نے کئی سال تک جامعہ اسلامیہ ڈابھیل اور دارالعلوم فلاح دارین میں تدریسی خدمات انجام دیں، ان کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے۔ وہ کچھ عرصہ کینیڈا میں بھی مقیم رہے اور کئی ملکوں کے سفر کیے ...... چند سال قبل ان کے مختلف مضامین کا مجموعہ "افکار پریشاں" کے نام سے چھپا تھا اور اس ناکارہ نے اس پر تبصرہ لکھا تھا، جو میرے لکھے گئے تبصروں کی کتاب "کتب نما" میں شامل ہے۔ "افکار پریشاں" کے بعض اہم مضامین میں نے ماہنامہ ''وفاق المدارس'' میں بھی شائع کروائے...... انہوں نے گجرات، ہندستان کے علمی اداروں اور مراکز کے تعارف پر عربی زبان میں بھی ایک تفصیلی مقالہ لکھا ہے اور آٹھویں صدی ہجری کے مشہور محدث، علامہ بدرالدین عینی کی علمی خدمات کے تعارف پر ایک عربی مقالے کا ترجمہ "..... علامہ بدرالدین عینی اور علم حدیث میں ان کا نقش دوام ......" کے نام سے کیا ہے، جسے احقر نے کراچی کے ایک کتب خانے کو اشاعت کے لیے دیا ہے۔

مولانا عبداللہ کاپودروی ایک صاحب درد عالم دین تھے۔ آج بطور خاص ہندستان کے مسلمان امت کے ایک غم خوار سے محروم ہوگئے، انہوں نے بجا طور پر اپنی کتاب کے سرورق پر اقبال کا یہ مشہور زمانہ شعر لکھا تھا ؎

مَیں بُلبلِ نالاں ہوں اِک اُجڑے گُلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں، محتاج کو، داتا دے!

آج ان کے نالے ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئے ..... حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور انہیں سکون والی ابدی زندگی نصیب فرمائے۔

پھر چراغوں میں روشنی نہ رہی!!

ایم صادق کوکی

استاذ الاساتذہ حضرت مولانا عبداللہ کاپودرویؒ کی وفات کی المناک خبر سن کر بے حد صدمہ ہوا۔حضرت کی منقبت میں بہت کچھ لکھا اور کہا جائے گا،مگر بندے کے نزدیک حضرت والا انسان سازی کے فن کے رمز شناس تھے۔معلم بھی تھے،مؤدب بھی،مدرب بھی اور مرشد بھی۔

آج گجرات کے دبستان علم وحکمت نے ایسا فرزند کھویا ہے کہ جس کے نعم البدل کی تمنا اس دور قحط الرجال میں مشکل ہے۔صدقہ جاریہ کے طور پر انھوں براہ راست اور بالوسطہ شاگردوں کی اتنی بڑی جماعت اپنے پیچھے چھوڑی ہے کہ گجرات ابھی عرصہ دراز تک اس سے مستفید ہوتا رہے گا۔ایسی ہی شخصیات کو عہد ساز کہا گیا ہے۔اللہ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے درد وغم کا کوئی قطرہ ہم جیسے غفلت شعاروں کے سینوں میں بھی منتقل فرمائے جس سے ہمارے شب وروز بھی سرگرم اور عمل پیہم کا مصداق بن جائیں!!

صدمہ تو سب کو پہنچا ہے،کون کس کی تعزیت کرے اور کون کس کے لیے تسلی کا سامان کرے؟فیصلہ کرنا دشوار ہے۔آیئے!اسی سے صبر جمیل کی توفیق مانگتے ہیں جس نے اس نعمت کا اتنا ہی وقت ہمارے لیے مقرر فرمایا تھا۔

اللھم اغفر له وارحمه!!

پیغام تعزیت

تنظیم علمائے اہل سنت والجماعت پونچھ جموں کشمیر

مولانا محمد عبداللہ صاحب کاپودریؒ کا سانحہ ارتحال ملت کا ایک ایسا دردناک سانحہ ہے،جس سے پوری ملت سکتے میں ہے۔ایک ایسا خلا؛ جسے پر کرنے کے لیے صدیاں درکار ہوں گی۔ایک ایسا عالم ربانی،جو علم وعمل،اخلاص وتقویٰ کا سمندر،علم کا دریا،عمل کا آسمان،اخلاص کا تاج محل،علما کا سردار،صلحا کا نور نظر تھا۔جس کے فراق نے عالم اسلام کو مغموم کردیا۔آج جہاں عالم اسلام اپنے اس عظیم علمی قائد کی جدائی سے رنجیدگی کے حال میں ہے وہیں تنظیم علمائے اہل سنت والجماعت،پونچھ جموں کشمیر بھی پوری ملت کیساتھ اس کے غم میں اپنے آپ کو شامل سمجھتی ہے۔اللہ پاک ہمارے اس مثالی قائد کے درجات کو بلند فرمائے،عالم اسلام کو نعم البدل عطا فرمائے اور اہل خانہ اور تمام متعلقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(مولانا)سعید احمد حبیب۔صدر تنظیم علمائے اہل سنت والجماعت پونچھ جموں کشمیر

مفکر گجرات حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ

جنہوں نے سیکڑوں بزرگوں کی صحبتوں سے فائدہ اٹھایا۔ جو قاری صدیق صاحب باندویؒ کے مجاز بیعت تھے، جو تمام اکابر ہند کے منظور نظر تھے، جن کو حضرت مدنیؒ سے عشق اور حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ سے بے حد عقیدت ومحبت تھی۔

ایسے شخص کا وصال پوری امت کے لیے نقصان کا باعث ہے اور ان کی تلافی محال کے برابر ہے۔

موت العالِم موت العالَم

مفکر اسلام حضرت مولانا عبداللہ پٹیل صاحب کاپودرویؒ ہمارے دور کے ان بزرگ علمائے حق میں سے تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے دینی علوم وکتب اسلامیہ پر مہارت کے ساتھ ساتھ وقت کی ضروریات اور ملی مسائل ومعلومات کے حوالہ سے بھی گہری بصیرت سے نوازا تھا۔ امت مسلمہ کی بہبودی اور فلاح کے لیے مسلسل مصروف عمل تھے۔ اللہ نے آپ کو حساس اور دینی وایمانی غیرت اور اسلامی حمیت سے بھرپور دل عطا فرمایا تھا۔ ماضی قریب کے بہت سے اکابر اور بزرگوں سے استفادہ کا اللہ تعالیٰ نے آپکو موقع عنایت فرمایا، ان کی توجہات اور خصوصی عنایت سے بہرہ ور فرمایا مختلف النوع دینی لٹریچر کے وسیع مطالعہ کی دولت سے نوازا، تعلیم وتربیت کے میدان میں طویل خدمات کی انجام وہی اور نظم وانتظام اور دنیا کے ممالک کے علمی تبلیغی اسفار کے نتیجے میں وسیع تجربات سے مالا مال فرمایا، آپ کا وجود بابرکت تمام مسلمانوں کے لیے اور بالخصوص اہل علم واہل مدارس کے حق میں غنیمت اور بڑا قابل قدر تھا۔ مجھے ان سے چند بار ملاقات کی سعادت حاصل ہوئی اور ان کی شفقتوں اور دعاؤں سے فیضیاب ہوتا رہا۔ ایک بار مجھ سے فرمایا کہ آپ میرے ہم وطن بھی ہیں۔ کیوں کہ آپ بچپن برما میں گزارے تھے۔

آہ! ایک تاثر آج دل میں آرہا ہے:

آئے بھی تھے چلے بھی گئے پا کے بے خبر
ہم اپنی بیخودی میں نہ جانے کہاں رہے

اللہ تعالیٰ پوری امت مسلمہ کی طرف سے آپؒ کو خوب جزائے خیر عطا فرمائے اور اپنی رحمت خاصہ نازل فرمائے۔

حضرت والا کے متعلقین اور اہل خاندان، بالخصوص عزیز جناب حافظ ابراہیم بن عبداللہ پٹیل کاپودروی صاحب کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین

محمد یوسف ڈنگا کرائیڈان جامع مسجد لندن

عرفان ڈیسائی ترکیسری ٹورنٹو، کینیڈا

آج مورخہ 10 جولائی 2018 بوقت صبح تقریباً 6:45 منٹ پر یہ خبر صاعقہ بن کر گری کہ محبوب العلما والصلحا، مفکر ملت، فخر گجرات، بقیۃ السلف، استاذ الاساتذہ، مرجع عوام وخواص، رئیس جامعہ فلاح دارین حضرت مولانا عبداللہ صاحبؒ طویل علالت کے بعد ہم سب کو یتیم کر کے اس دار فانی سے دار جاودانی کی طرف رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

حضرتؒ کی شخصیت غیر معمولی صفات کی حامل تھی۔ آپ ایک کامیاب مدرس ومہتمم، بہترین مربی، صاحب علم وبصیرت وفہم وفراست، ماہر نفسیات، علم دوست، افراد ساز، مدارس وطلبا کے خیرخواہ، امت کے لیے فکر مند، تقویٰ وطہارت، تواضع وانکساری، صبر وتحمل، عفو ودرگزر سے مزین، طلبا پر شفیق؛ مگر بہ ظاہر بارعب، طلبا کی حوصلہ افزائی، ان کی دینی ودنیوی ضرورتوں کا پورا خیال کرنا، ان کے لیے فکر مند، بزرگوں سے قلبی تعلق ووابستگی، خوش اخلاق، خوش پوشاک، تصنع سے پاک، حق گو، اہل وعیال پر شفیق، امت کے لیے دردمند، سیاسی حالات سے باخبر، تنہائی کتب بینی سے مزین، بہترین خطیب ومصنف اور غیر تنقیدی ذہن جیسے اوصاف حمیدہ کی وجہ سے بزرگوں کے منظور نظر اور عوام وخواص میں یکساں مقبول تھے۔

آپ کی ذات گرامی آیت کریمہ ﴿ان صلاتي ونسكي ومحياي ومماتي لله رب العالمين﴾ کی مصداق اور صدیق اکبرؓ کے تاریخی جملہ " اينقص الدين وانا حي "کی عملی تصویر تھی۔

اس دور قحط الرجال میں ان صفات کے حامل شخصیت کا چلے جانا علمی دنیا میں بہت بڑا خلا ہے۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما

آج حضرتؒ ہمارے درمیان نہیں رہے مگر ان کی محبت واخلاص کے نقوش ہمارے سینوں میں محفوظ ہیں۔ دل ان کی جدائی سے اداس اور آنکھیں اشک بار ہیں، حضرتؒ کی اس جدائی نے فضا کو رنج والم کے بادلوں نے گھیر لیا ہے مگر اللہ کی مرضی کے سامنے انسان عاجز ہے

ان لله ما اخذ وله ما اعطي
وكل شيء عنده لاجل مسمي

اسلامک فاونڈیشن آف ٹورنٹو میں حفظ کے طلبا واساتذہ نے قرآن خوانی کے بعد حضرتؒ کی مغفرت اور رفع درجات کے لیے دعائیں کیں۔

اخیر میں دست بدعا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ آپ کے خون وپسینے سے سینچے ہوئے گلشن "فلاح دارین" کو تا قیام

قیامت سر سبز و شاداب و سدا بہار رکھے اور حضرتؒ کے لیے فلاح دارین و دیگر خدمات جلیلہ کو صدقہ جاریہ بنائے۔ آپ کی قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے۔ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ قیامت کے دن انبیا، صدیقین و شہداء کے ساتھ حشر فرمائے۔ آپ کے اہل خانہ و پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطاء فرمائے۔ اور امت کو نعم البدل عطا فرمائے، آپ کی صلبی و روحانی اولادوں میں آپ کے اوصاف منتقل فرمائے۔ آمین!

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین باد

از: محمد عمران ڈیسائی ترکیسری پیرسٹن، یو کے

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ!

گزشتہ کل یہ جانکاہ خبر کانوں پر بجلی بن کر گری کہ مفکر ملت، فخر گجرات، نمونہ سلف، ہمارے محسن و مربی، رئیس الجامعہ حضرت مولانا عبداللہ صاحب طویل علالت کے بعد اپنے مولائے حقیقی سے جا ملے۔

اناللہ وانا الیہ راجعون!

حضرت رحمۃ اللہ علیہ اس عہد کی ان یگانہ ہستیوں میں سے تھے، جن کا وجود امت مسلمہ کے لیے رحمتوں اور برکتوں کا باعث ہوتا ہے، جن کو اللہ تعالیٰ مخلوق کی نفع رسانی کے لیے منتخب فرما لیتے ہیں۔

ان کی مثال اس گھنے سایہ دار شجر کی تھی جس کے سایہ میں امت کے تمام افراد خصوصاً اہل علم و دین کو آغوش مادر کا سکون و سرور میسر ہوتا تھا۔

آپ کی زندگی "خیر الناس من طال عمره و حسن عمله" کی مصداق تھی اور آپ کی موت "موت العالم موت العالَم" کی مصداق تھی۔

میں اس رنج و ملال کے موقع پر آپ کو اور آپ کے توسط سے اہل خانہ کو تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہوئے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے اور حضرت کو اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آپ کی روح پر فتوح پر رحمتوں کی بارش نازل فرمائے اور مقامات قرب میں پیہم ترقی عطا فرمائے۔ آمین

ویراں ہے میکدہ، خم و ساغر اداس ہیں
تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

نئی دہلی (یو این اے نیوز 10 جولائی 2018)

جمعیۃ علمائے ہند کے جنرل سکریٹری مولانا محمود مدنی نے مشہور و معروف عالم دین مولانا عبداللہ کاپودروی کے سانحہ ارتحال پر گہرے رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔ مولانا مرحوم معتبر اور بالغ نظر انسان تھے۔ وہ ایک طویل عرصے تک جامعہ فلاح دارین ترکیسر گجرات کے سربراہ رہے اور ان کی قیادت و نگرانی میں یہ ادارہ دینی و تعلیمی میدان میں ایک نمایاں مقام حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ مولانا مرحوم ۱۹۵۵ء میں دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہوئے، وہ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ کے شاگرد تھے، انھوں نے علمی میدان میں بیش بہا خدمات انجام دیں۔

انھوں نے اہم دینی موضوعات پر ایک درجن سے زائد کتابیں تصنیف فرمائیں۔ ان کے شاگردوں اور عقیدت مندوں کی بھی ایک بڑی تعداد تھی، جن کی دعوت پر وہ دنیا کے مختلف ممالک میں دعوتی و دینی اسفار بھی فرماتے۔ مولانا محمود مدنی نے بتایا کہ مولانا مرحوم کا جمعیۃ علمائے ہند اور ذاتی طور سے مجھ سے کافی تعلق تھا۔

وہ ایک زمانے تک جمعیۃ علمائے گجرات کی مجلس عاملہ کے ممبر رہے اور جماعت اور اس کی سرگرمیوں سے خصوصی تعلق رکھتے تھے۔ گجرات کے سفر کے دوران جب بھی ان سے ملاقات ہوتی تو وہ علالت کے باوجود بھی بہت ہی اخلاص اور محبت سے ملتے اور مفید مشوروں سے نوازتے۔

مولانا مدنی نے کہا کہ مولانا مرحوم کی رحلت سے ملی و دینی حلقے میں ایک بڑا خلا پیدا ہوا ہے۔ مولانا مدنی نے مرحوم کے لواحقین سے اظہار تعزیت کرتے ہوئے ارباب مدارس و جمعیۃ علمائے ہند کے احباب سے مرحوم کے لیے ایصال ثواب و دعائے مغفرت کے اہتمام کی اپیل کی ہے۔

دریں اثنا جمعیۃ علمائے ہند کے سکریٹری مولانا حکیم الدین قاسمی جو 'انجار' میں ہیں، انھوں نے بتایا کہ ان کی وفات کی اطلاع ملتے ہی جمعیۃ چلڈرن ویلیج انجار میں قرآن خوانی و ایصال ثواب کا اہتمام کیا گیا۔

****

منظوم تعزیت نامہ

بر سانحۂ ارتحال: پیر طریقت، عالم ربانی حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نوراللہ مرقدہ سابق رئیس جامعہ فلاح دارین ترکیسر، گجرات

از: مفتی حفیظ اللہ حفیظ قاسمی بھیونڈی

اک حادثہ جو آج سرِ شام ہوگیا ۔۔۔ گجرات بھر میں باعثِ کہرام ہوگیا
سب جس کی روشنی میں نہاتے تھے رات دن ۔۔۔ وہ جلوہ وجمال سبک گام ہوگیا
جس کی ادائیں باعثِ تسکینِ قلب تھیں ۔۔۔ اب انجمن سے دور وہ گلفام ہوگیا
جس کی نگاہِ ناز کا رہتا تھا انتظار ۔۔۔ حوروں کے ہاتھ آج وہ نیلام ہوگیا
کاپودرہ کو جس کی سکونت پہ ناز تھا ۔۔۔ رخصت وہ آج داعیِ اسلام ہوگیا
''دارین کی فلاح'' رہی جس کی جستجو ۔۔۔ اک یادگار جس کا ہر اک کام ہو گیا
جس کی طرف رجوعِ خواص و عوام تھا ۔۔۔ روشن جہاں میں جس کا حسیں نام ہوگیا
اب تک جو حسنِ طرز سے کرتا تھا تزکیہ ۔۔۔ سرکش بھی جس کی بزم میں بس رام ہوگیا
سرمستِ بندگیِ خدا تھا جو تا حیات ۔۔۔ جنت میں محوِ راحت و آرام ہوگیا
کرتا تھا جو شکار دلوں کا تمام عمر ۔۔۔ باہر شکار گاہ سے بہرام ہوگیا
گمنامیوں میں جس نے گزاری تھی زندگی ۔۔۔ تابندہ اس کا نامہ و پیغام ہوگیا
بھرتے تھے اہل علم جہاں آکے خُم کے خُم ۔۔۔ ساقی گیا شکستہ ہر اک جام ہوگیا
رشکِ چمن تھا جس کا ہر اک شوخ بانکپن ۔۔۔ اب اوڑھ کر کفن وہی گمنام ہوگیا
ڈنکا بجا تھا جس کے علوم و فنون کا ۔۔۔ وہ کوہِ فضل مائلِ فرجام ہوگیا
گجرات کی زمیں پہ جو تھا رشکِ ہر حیات ۔۔۔ وہ بھی اجل کے سامنے ناکام ہوگیا
کرتے تھے اہلِ علم جہاں اکتسابِ فیض ۔۔۔ ویران اب وہ گھر وہ در و بام ہوگیا
کاپودرہ سے جلوہ نما تھا جو نازنیں ۔۔۔ وہ کیا گیا کہ باعثِ آلام ہوگیا
آغازِ کار جس کا تھا پیہم نتیجہ خیز ۔۔۔ اس مرد شاہ کار کا انجام ہوگیا
اسلاف کے نہج کا جو اک ترجمان تھا ۔۔۔ جلوہ شکار گردشِ ایام ہوگیا
یارب تو اس کے چاہنے والوں کی لاج رکھ ۔۔۔ ہر پختہ عزم جن کا محض خام ہو گیا
اس بندۂ خدا کو تو جنت نصیب کر ۔۔۔ جب تیری بارگاہ میں اقدام ہوگیا
روتے بلکتے لوگوں کو نعم البدل بھی دے ۔۔۔ اک سانحہ یہ بر سرِ خدام ہوگیا
آ جا حفیظ مل کے دعا دل سے ہم کریں ۔۔۔ ہر روز اب تو حادثہ بس عام ہوگیا

دو لمحے - دو صحبتیں

ڈاکٹر فخر الاسلام مظاہری

پہلا لمحہ - پہلی صحبت:

بات ۱۹۹۹ء کی ہے۔ یہی کوئی نومبر کا مہینہ رہا ہوگا۔ اور مجھے اکل کوا آئے ہوئے ڈیڑھ مہینے سے زیادہ نہیں ہوا تھا کہ وہ لمحہ پیش آیا جو عمر بھر کے لیے دل و دماغ پر نقش ہو گیا۔ جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا میں مدرسہ کے تعلیمی سال کا اِختتام تھا، اُس موقع پر مسجدِ یمنی میں مولانا عبداللہ کاپودروی رحمہ اللہ کا بیان تھا۔ بیان علمی تھا اُس بیان کو میں نے سنا اور اُن کے علم سے متاثر ہوا؛ لیکن ساتھ ہی ایک لطیفہ پیش آیا۔ اُس لطیفے کا لطف لینے کے لیے ایک حکایت سننا ضروری ہے:

سلطانِ ہند جلال الدین محمد اکبر (اکبر بادشاہ) کے نورتن مشہور ہیں۔ یہ نورتن ابو الفضل، فیضی وغیرہ شاہی دربار میں کسی اور دوسرے اہلِ کمال کو نہیں آنے دیتے تھے۔ ایک روز خاقانی جو نو وارد تھا بوسیدہ لباس پہنے، شکستہ حالت میں فیضی کو سڑک پر نظر آیا۔ جس وقت سواری خاقانی کے سامنے آئی۔ اُٹھ کر سلام کیا اور گاڑی کے روک لینے کا اشارہ کیا اور مسافر سمجھ کر دریافت کیا کہ کون؟ کہا کہ: ماعرہستم (ہم ماعر ہیں)۔ پوچھا: ماعر کدام باشد (ماعر کون ہوتا ہے)؟ کہا: ہر کہ معر گوید (جو معر کہتا ہو)۔ پوچھا: معر کرا می گویند (معر کس کو کہتے ہیں)؟ جواب میں خاقانی کہتے ہیں:

رفتم در بازار خریدم یک گنا قل اعوذ برب الناس ملک الناس، الٰہ الناس من شر الوسواس

الخناس الذی یوسوس فی صدور الناس من الجنۃ والنا

فیضی نے دیکھا کہ اس نے تو عجب ردیف قافیہ ملایا۔ اور ایسا گھال میل کیا کہ جس سے دوسرے مصرعے کا توازن بھی نہیں سنبھل رہا ہے۔ پوری سورہ پڑھ ڈالی اور اُس پر طرہ یہ کہ پہلے مصرعے کے مقابلے میں دوسرے مصرعے کو بے تحاشا طول دینے کے بعد صرف ایک حرف چھوڑ دیا۔ جب آیت ہی پڑھ رہا تھا، تو دوسرے مصرعے کے اخیر کا حرف 'س' کیوں چھوڑ دیا۔ اُس سے وجہ پوچھی کہ 'س' کیوں چھوڑ دی۔ خاقانی نے کہا کہ شعر لمبا ہو جانے کے خوف سے۔ فیضی کو اور لطف آیا، وہ خوب ہنسا اور سمجھ گیا کہ یہ کوئی مسخرہ ہے، اِسے دربار میں لے چلنا

چاہیے، نقلِ مجلس ہوگا، مجلس کا لطف اس سے بنا رہے گا۔ دربار میں ایسے ظریف و مسخرے کی وقت بے وقت ضرورت رہتی ہے۔ چناں چہ اُسی بوسیدہ لباس شکستہ حالت میں اُسے دربار میں حاضر کیا۔ خاقانی بڑے درجے کے شاعر تھے۔ ایران سے ہندوستان آئے تھے۔ یہاں اُن کا کوئی جاننے والا نہ تھا۔ اُنہوں نے دربار تک رسائی حاصل کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اپنے کو بہروپیا اور مسخرہ ظاہر کیا۔ لیکن دربار میں جب یہ پہنچے، تو ان کی اس حالت کو دیکھ کر کسی نے اِن کا مقام نہ پہچانا، اس لیے اِن کی طرف اِلتفات بھی نہ کیا۔ خاقانی زمین پر بیٹھ گئے اور باقی سب درباری اپنے اپنے مقام پر بیٹھے ہوے تھے۔ خاقانی نے بے تکلف بادشاہ کی طرف مخاطب ہوکر کہا ؎

گر فروتر نشستِ خاقانی نے مرا ننگ و نے ترا ادب است

قل ہواللہ کہ وصفِ خالقِ ماس زیر تبت یدا ابی لہب است

خاقانی نے جب یہ دیکھا کہ نسبۃً کم اہلیت رکھنے والے اور علم و مرتبے میں کم درجے کے لوگ اونچی اونچی نشستوں پر براجمان ہیں اور ہر طرح کے قالین گدے اور راحت رسانی کے سامان اُن کے لیے مہیا ہیں۔ اور بادشاہ کی توجہ بھی اُنہی کی طرف ہے، تو اُس نے بادشاہ کو مخاطب کر کے مذکورہ بالا اشعار پڑھے جن کا مطلب یہ ہے کہ اگر خاقانی کی نشست نیچے رکھی گئی ہے، تو اس سے میرا مرتبہ اور قابلیت گھٹ نہیں گئی؛ کیوں کہ قل ہواللہ کی سورہ جس میں خالقِ کائنات کے اوصاف بیان کیے گئے ہیں، وہ سورہ لہب کے نیچے ہے۔ یعنی اُس سورہ کے نیچے جس میں ابولہب کے کفر اور خباثتِ نفس اور انجامِ بد کا بیان ہے۔ تو جیسے نیچے ہوجانے سے خدا کے مرتبے میں کمی نہیں آئی، ویسے زمین پر بیٹھ جانے سے میرا درجہ کچھ گھٹ نہیں گیا؛ البتہ بادشاہ کے لیے ایک عار اور شرم کی بات ضرور ہوگئی کہ اُسے اہل اور قابل افراد کی قدردانی نہیں آتی اور فرقِ مراتب سے واقفیت کے بغیر وہ بادشاہت کر رہا ہے۔

مثال عجیب دی جو لوگ مسخرہ سمجھ کر لے گئے تھے، زرد پڑ گئے۔ اُنہوں نے خاقانی شاعر کا نام تو سن رکھا ہوگا (مغل دور میں ہندوستان، ایران کے تعلقات بہت گہرے تھے، اہلِ علم، اہلِ کمال بکثرت ایران سے آیا کرتے تھے)؛ لیکن پہچانتے نہ تھے۔ بادشاہ قابلیت، برجستگی، خوش بیانی اور اعلیٰ درجے کے وصفِ شعر گوئی اور شعری ذوق سے بڑا متاثر ہوا۔ خاقانی کا بڑا احترام کیا اور اُسی وقت حمام بھیج کر غسل دلوا کر جوڑا بدلوایا اور دربار میں جگہ دی۔

حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: ''یہ نشہ کمال ہی کا تھا۔''

کمال کے اِسی نشہ کا بیان کرتے ہوئے کہ جس شخص میں کوئی کمال ہوتا ہے۔علم وسیع اور گہرا ہوتا ہے، کسی فن میں ماہر ہوتا ہے، تو اُس میں ایک خاص قسم کا اعتماد پیدا ہوجاتا ہے۔یہی اعتماد تھا جس نے خاقانی سے اپنی خستہ حالی کے باوجود بھرے دربار میں بادشاہ کو تقریباً للکارتے ہوئے مذکورہ شعر کہلوائے۔اور ابتدا میں فیضی جیسے ذی وجاہت درباری کے سامنے خود کو ایک ایکٹر کی حیثیت سے اِس طرح پیش کیا کہ اُسے بھنک نہیں لگنے دی (حالاں کہ فیضی خود بڑا قادر الکلام شاعر تھا، نثر و نظم کا ماہر تھا۔ ''سواطع الالہام'' بے نقط تفسیر اُسی کا شاہکار ہے۔نہ جانے کتنے ذہین لوگوں اور بہرو پیوں سے اُسے روزانہ سابقہ پڑتا رہتا ہوگا، اگر ایسے ہی دھوکا کھا جایا کرتا رہتا، تو کاروبارِ سلطنت کی ذمے داری سے، پہلے رخصت ہو چکا ہوتا۔اور ہندوستان بھر کے چنیدہ ذہین ترین ۹ افراد میں اُس کا شمار ہی کیوں ہوتا، نہایت حیرت انگیز بات تھی کہ جس کو اُس نے مسخرہ سمجھا، وہ اُس کا بھی اُستاذ نکلا)۔مولانا ئے مرحوم نے اختصار کے ساتھ اُس واقعہ کو بیان کیا جو ہم نے اوپر ذکر کیا۔اور اس پر تفریع کرتے ہوئے مولانا علی میاں ندویؒ کی شخصیت کو مثال میں پیش کر کے ایک واقعہ اُن کے متعلق بیان کیا کہ ایک مقام پر اہلِ عرب کا مجمع تھا، عرب ممالک کے بڑے بڑے مفکرین موجود تھے۔وہاں مولانا علی میاں ندویؒ کے بیان کا موقع آیا، تو مولانا نے ابتدا میں ایک فقرہ پڑھا ع= ردۃ لیس لھا ابا بکر ۔اِس فقرے کو سننے کے بعد ایک بڑے فاضل نے مجمع کے بیچ سے یہ صدا بلند کی۔یا شیخ! قد غیّرتَ محاورۃ العرب اور استدراک کرتے ہوئے اصل محاورے کا اُس نے تلفظ کیا کہ قضیۃ لیس لھا ابا الحسن ہونا چاہیے۔مولانا نے فرمایا کہ محاورے کی اطلاع مجھے ہے، لیکن میں نے قصداً اِسے تبدیل کیا ہے۔اس زمانے میں جو فکری اور عملی ارتداد کی وبا پھیلی ہے، اُس کے لیے ''أینقص الدینُ و انا حیٌّ ـ'' کہہ کر سینہ سپر ہوجانے والے ابوبکر کی ضرورت ہے ابوبکر کی ہی ضرورت ہے۔اور اِس بات کو اپنے بیان میں ثابت بھی کر دیا۔فصیح و بلیغ عربی زبان میں ایک غیر عرب کی تقریر سن کر پورا مجمع اُن مفکرِ اسلام کا لوہا مان گیا جنہیں تقریر سے قبل ایک ہلکے پھلکے جسم کا بے حقیقت معمولی مقرر سمجھے ہوئے تھا۔

خیر لطیفہ یہ پیش آیا مولانائے مرحوم نے خاقانی کا 'گنا' والے شعر (رفتم در بازار خریدم یک گنا) کے دوسرے مصرعے میں اخیر میں جس 'س' کو خاقانی نے حذف کیا تھا، مولانا نے اُسے بھی پڑھ دیا۔مجھے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ ''الناس'' میں 'س' چھوڑ کر اور صرف 'النا' پڑھ کر خاقانی نے جو ظرافت پیدا کی ہے، پڑھ دینے

سے تو وہ مقصود فوت ہو جاتا ہے۔ تقریر کے بعد میں نے اپنے اِس خیال کا اظہار مولانا سعید ابن مولانا غلام محمد وستانوی سے کیا، وہ بڑے محظوظ ہوئے اور مجھے لے کر مولانا کے پاس گئے اور اُن سے ذکر کیا کہ آپ نے جو شعر پڑھا تھا، اُس کے متعلق یہ ڈاکٹر فخر الاسلام صاحب کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ مولانا موصوف نہایت خندہ پیشانی او ربشاشت کے ساتھ سننے کے لیے آمادہ ہوئے اور مجھے اپنی پوری بات کہنے کا موقع دیا۔ اور اُس وقت میری حیرت کی انتہا نہ رہی کہ میرے ایک خیال اور وسوسے کو اُنھوں نے میرا استیقظ قرار دیا اور اُسے میرے علم اور مطالعے کی دلچسپی پر محمول کیا۔ پھر بعد کے تجربے میں اُن کا ایک خاص وصف خوب سے خوب تر حیثیت میں مجھ پر ظاہر ہوتا گیا، وہ یہ کہ اُن کے یہاں چھوٹے اور بڑے کا فاصلہ، اور اجنبی اور مانوس کا فرق اُس وقت بالکل ناپید ہو جاتا تھا، جب وہ کسی کے اندر بھی علم سے مناسبت کی خو، بو پاتے تھے۔

دوسرا لمحہ - دوسری صحبت:

غالباً ۲۰۰۳ء یا اُس کے آس پاس کی بات ہے جب احمد غریب یونانی میڈیکل کالج اکل کوا میں کالج کے پرنسپل آفس میں ٹیچرس کے سامنے مولانا عبد اللہ کاپودروی صاحب کا خطاب تھا۔ اِس خطاب میں جس پوائنٹ کے حوالے سے مولانا کی تواضع اور علم سے شغف، بلکہ حرص کا نمونہ دکھانا پیشِ نظر ہے، اُس کے لیے دو واقعے ذکر کرنا ضروری ہے۔ ایک اپنا اور ایک مولانا کا۔ اپنا واقعہ ایک سرگزشت ہے، وہ یہ کہ ۱۹۸۶ء میں سید حامد صاحب سے بہ حیثیت ایک مفکر (اور سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ، تعلیم آباد انسٹی ٹیوشن کے سربراہ و ڈائریکٹر، نیز ہمدرد یونیورسٹی کے چانسلر علی الترتیب) سے واقفیت حاصل کی۔ اُس کے بعد تسلسل کے ساتھ اُن کی تحریریں، تحریکیں نظر کے سامنے آتی رہیں، تہذیب الاخلاق میں اُن کے مضامین نظر سے گزرتے رہے اور متعدد جرائد، اخبار میگزین، رسالے مختلف کتابوں پر تقریظیں، وقت کے حساس اور گرم سماجی اور شرعی مسائل پر اُن کے قلم کی سحر بیانی بھی مطالعہ میں آتی رہیں۔ ان سب سے صاف یہ نظر آتا تھا کہ سر سید احمد خاں اصلاحِ قوم کا جو بیڑا لے کر اٹھے تھے، جن میں فقہی اصولوں سے بے زاری، مذہب کی جدید تشکیل، سلف پر بے اعتمادی، مسلک پر حمیت کے ساتھ قائم رہنے کو تعصب قرار دینے، علم کو ایک اکائی باور کرانے اور اصلاحِ نصاب تعلیم کی جن کاوشوں سے اُنھوں نے ملک کو آشنا کرایا تھا، اُن میں سے بعض بعض اجزاء کو نہایت دانشمندانہ اُسلوب میں اور فہمائشی طرز پر سید حامد صاحب بھی لے کر اُٹھے ہیں۔ اُن کے تعلیمی کارواں کی حیثیت بھی سامنے آئی جس کے لیے مولانا علی میاںؒ کی

تائید اُن کو حاصل تھی۔ بلکہ حضرت علی میاں کی تائیدی سفارش کے ساتھ ملک کے موقر علماء کو اس مضمون کے خطوط بھی ارسال کیے گئے تھے، کہ اِس تعلیمی کارواں میں سید حامد کی اعانت کی جائے اور جہاں تک ممکن ہو کارواں میں شرکت کی کوشش کی جائے۔ حضرت الاستاذ مولانا صدیق احمد باندویؒ کے پاس بھی مولانا علی میاں کا ایک خط پہنچا تھا۔ عین اُسی وقت مدرسہ مظاہر علوم کے قدیم فارغ مولانا صدیق احمد صاحب کے رفیقِ درس، دینی تصنیفات کا شغف رکھنے والے، افتا اور قضا کے منصب پر فائز ایک بزرگ نے مولانا باندویؒ کو توجہ دلائی کہ مولانا علی میاںؒ کی تحریر کا آپ اثر نہ لیجیے گا، تعلیم کے باب میں وہ ندوہ کے مسلک کے حامی ہیں (اور یہ معلوم ہے کہ تعلیم کا اثر دین کے تمام ابواب تک پہنچتا ہے۔ رہے سید حامد صاحب تو اُن کی حیثیت اِس وقت چھوٹے سر سید کی ہے)۔ اس مکتوب کا اثر ہوا اور حضرت الاستاذ رحمہ اللہ نے اُس کارواں کی تائید سے خود کو الگ رکھا۔ پھر بعد میں کیا ہوا مجھے معلوم نہیں، لیکن صاحب مکتوب سے واقعے کی تفصیل میں نے بلا واسطہ سنی تھی۔

۱۹۹۵ء سے ۱۹۹۹ء تک میں دہلی میں رہا۔ اِس دوران سید حامد صاحب کی ادارت میں انگریزی میں نکلنے والے پندرہ روزہ جریدہ پر بھی کبھی کبھی نظر پڑتی رہی۔ پھر غالباً ۱۹۹۸ء کے کسی مہینے میں یہ بات پیش آئی کہ انگریزی تعلیم یافتہ ایک ریسرچر- جو کہ میرے ریسرچ فیلو تھے- نے سید حامد کی ایڈیٹری میں نکلنے والے مذکورہ رسالے کے وہ صفحات میرے سامنے کھول کر رکھ دے کہ دیکھیے سید حامد صاحب کی ایڈیٹری میں یہ کیا کیا چیزیں چھپ رہی ہیں۔ یہ دکھانے والے شخص دین کے باب میں آزاد تھے، لیکن میگزین میں شائع شدہ بات ایسی سخت تھی کہ انہیں بھی پڑھ کر وحشت ہوئی۔ میں نے رسالہ دیکھا۔ درحقیقت وہ سید ہاشم علی سابق وائس چانسلر مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کا اِس عنوان کا ایک مضمون تھا: If Sir syed had migrated to North America، اُس مضمون کے اندر علم کے باب میں دیوبندی اور قاسمی فکر کو ہدف بنا کر وہی سب باتیں کہی گئی تھیں جسے سوا سو سال سے طائفہ علی گڑھ و ندوہ کہتا آیا تھا، جس کا اثر ''دین کی تشکیلِ جدید'' کے پیغام کی صورت میں رونما ہو چکا تھا۔ اِسی پیغام کو انگریزی میں اِس طرح ادا کیا گیا تھا: ''Shriyah should be changed to suit ever changig conditions'' (بدلتے حالات کے ساتھ شریعت کو بدلتے رہنا چاہیے)

یہ فقرہ اگرچہ منسوب سر سید کی طرف تھا؛ لیکن ندوہ اور علی گڑھ اِس منشور سے روزِ اول سے متفق ہے۔ اور ہنوز ان دونوں تحریکوں کی یہی روش ہے، صرف تعبیر کا فرق ہے۔ جس بات کو علی گڑھ ''تبدیلی شریعت

''کہتا ہے، اُس کا ندوہ ''تشکیلِ جدید'' نام رکھتا ہے۔ ایک اِس کا نام ''شریعت میں تبدیلی لانا'' رکھتا ہے۔ دوسرا اِس کا نام شریعت کے اصولوں میں تبدیلی بتلاتا ہے۔ مقصود دونوں کا ایک ہی ہے کہ شریعت کے تمام ابواب میں عقائد سے لے کر معاشرت تک اور فرد کی پسند و ناپسند (''انفرادی آزادی'') سے لے کر ''بین مذہبی گفتگو'' میں، نیز قرآن کی تفسیر کے اصولوں سے لے کر ''تاریخ'' و ''اثریات'' کے امور تک میں رائج الوقت، فطری عوامل کے تحت دورِ جدید کے وضع کردہ اصول جاری کیے جائیں۔ حالاں کہ دوسری طرف یہ معلوم ہے کہ یہ مذکورہ روش اور یہ جدیدیت زدہ اصول سلف کے اصولوں سے راست متصادم اور صحیح عقلی اصولوں کے ساتھ عین مزاحم ہیں۔ اِس مضمون کو پڑھنے کے بعد، میں وہ عبارت لے کر سید حامد صاحب سے وقت لے کر اُن کے دولت کدے پر پہنچا۔ اور عرض کیا کہ آپ کا تہذیب الاخلاق ۱۹۹۴ء میں شائع شدہ مضمون ''بنیاد پرستی'' پڑھ کر میرا جی ایسا خوش ہوا تھا کہ میں اِس انتظار میں تھا کہ کوئی موقع آئے کہ آپ کی زیارت کروں تاکہ دل اور نظر کو سرور و شادمانی حاصل ہو؛ لیکن اِس مضمون کو پڑھ کر اُتنا ہی؛ بلکہ اُس سے زیادہ رنج ہوا۔ میری گفتگو سید صاحب نے سن لی۔ اور آپ دل مضبوط کر کے مجھ سے یہ خبر بھی سن لیجیے کہ سید حامد صاحب نے جواب میں کسی طرح کے رنج یا افسوس یا تدارک کا اظہار نہیں کیا؛ بلکہ ایک خاص انداز میں مسکراتے رہے۔

اب مولانا عبداللہ کاپودروی رحمہ اللہ کے علمی ذوق کا واقعہ سنئے! سفرنامۂ امریکہ میں ایک جگہ وہ لکھتے ہیں:

''حافظ حبیب الرحمٰن نے فرمایا! کہ اب ہم پرنسٹن یونیورسٹی جائیں گے۔ اُن کو یہ معلوم ہوگیا تھا کہ مجھے کتب خانوں کا شوق ہے۔ ہم نے اسلامی لائبریری کے بارے میں معلومات حاصل کی اور اُس کی عمارت میں داخل ہوئے۔ یہ صرف شعبۂ اسلامیات کی لائبریری ہے۔ ساڑھے چار لاکھ کتابیں موجود ہیں۔ بڑے بڑے وسیع ہال ہیں اور اِس کتب خانے کے ممبر بننے کے لیے ۱۵ ڈالر فیس ادا کرنی ہوتی ہے۔ اِس لائبریری میں مخطوطات کی تعداد ۱۰ ہزار ہے۔ ہم نے اُس کمرے کا رخ کیا جہاں مخطوطات ہی رکھے ہوئے ہیں۔ پھر ہم اُس کمرے میں داخل ہوئے جہاں میز پر عربی مخطوطات کی تین جلدیں ہمارے لیے رکھ دی گئی تھیں۔ پہلی جلد میں پانچ ہزار دو سو کتابوں کے نام ہیں، دوسری جلد میں تین ہزار تین سو نام ہیں اور تیسری میں بارہ سو ہیں۔ اس طرح مجموعی ۹۷۰۰ کتابوں کی فہرست ہے۔ ظاہر ہے اتنی ضخیم جلدوں کے مطالعے کے لیے چند گھنٹے کافی نہیں ہو

سکتے۔ مگر ہم نے تین گھنٹے تک پہلی جلد کا مطالعہ کیا۔ صرف تفسیر اور حدیث شریف کی بعض کتابوں کے نام دیکھ سکے۔ بہت ہی اہم اور نادر نسخے موجود ہیں۔ حسرت کر رہا تھا کہ کاش یہ علمی خزانہ ہمارے ملکوں کی لائبریریوں میں ہوتا۔'' (چند طالب علمانہ تاثرات: مفکرِ ملت فخرِ گجرات حضرت مولانا عبداللہ کاپودروی، ص ۱۴۴)

یہ دونوں واقعات معلوم ہوجانے کے بعد اب سنئے! اپنے خطاب میں مولانا نے اپنے ایک سفر کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اُس سفر میں سید حامد صاحب کے ساتھ ایک ادارے میں جانا ہوا اور اُس کی لائبریری دیکھنے کا موقع ملا، اسی طرح وہ سید صاحب کے ساتھ اپنی رفاقت کا تذکرہ کرتے رہے، جس سے اندازہ ہوتا تھا کہ سید صاحب کے علمی، فکری مذاق ورجحان اور تعلیمی، سماجی اصلاحات کا ہمارے مولانا پر کافی اثر ہے۔ پھر اُنہوں نے کہا کہ سید حامد صاحب بڑے عالی دماغ، عالی خیالات کے آدمی ہیں، اُن کو اکل کوابلانا چاہیے۔ میں نے عرض کیا کہ حضرت اُن کے افکار اچھے نہیں ہیں، اور وہ افکار اُن کے آسانی سے ظاہر نہیں ہوتے۔ اُن سے ملاقات کرنے والا اور معتد بہ مدت تک اُن سے ملنے ملانے والا علمی ذوق کا شخص بھی اُن سے متاثر ہی ہوتا ہے۔ اُن کو یہاں نہ بلانا ہی ٹھیک ہے۔ اب آپ اِس کو کیا کہیں گے کہ میری اس بات کو مولانا عبداللہ کاپودروی رحمہ اللہ نے تسلیم کیا، خوشی کا اظہار کیا اور اپنی رائے پر اصرار نہیں فرمایا۔ مولانا کا یہ خطاب اور یہ مذاکرہ تو ختم ہوا۔ پھر اُستاد سلیمان رندیرا اُن کو لے کر لائبریری کی طرف چلنے لگے اور چوں کہ اُنہوں نے اپنے خطاب میں ایک بات اور کہی تھی، اس لیے اُس کے متعلق بھی کچھ سوال جواب کی صورت پیدا ہوگئی اور وہ چلتے چلتے ہوتی رہی۔ اُنہوں نے اپنے خطاب میں یہ بات کہی تھی کہ مصر کے فلاں فلاں مفکر ہیں اُنہوں نے تعلیم کے راز کو سمجھا ہے۔ اُس لحاظ سے طٰہٰ حسین کی فلاں کتاب داخل ہونی چاہیے۔ اور خیال ہوتا ہے کہ احمد امین اور قاسم امین سے بھی اپنے تاثر کا اظہار کیا تھا اور صاف طور پر کہا تھا کہ درسِ نظامی کی فلاں فلاں کتاب داخلِ نصاب رکھنے سے اب کچھ فائدہ نہیں ہے۔ اِس پر میں نے عرض کیا کہ حضرت جس جدید تعلیم یافتہ طبقے کے سامنے آپ نے نصابِ تعلیم کا نقص بیان کیا ہے، وہ طبقہ تو۔ نقص اگر دور کر دیا جائے تب بھی۔ معترض ہی رہے گا۔ رہیں کتب معترض علیہا، تو اُن میں زیادہ حصہ معقولات کا ہے، سو اول تو جو کتابیں داخل نہ ہونی چاہئیں تھیں اُن میں سے بھی بعض خارج کر دی گئیں۔ دوسرے جن بزرگوں کے فکری اصولوں سے ہم شریعت کے عقلی دفاع میں مدد لیتے ہیں، انہوں نے وہی اصول استعمال کیے ہیں جو اِن درسی کتابوں میں داخل ہیں۔ اور ایسا بھی نہیں ہے کہ اِن کے بجائے دوسرے صحیح

اصول موجود ہوں کہ یہ نہیں تو وہ۔ بلکہ عقلی اصول متعین ہیں، اُن سے نہ انحراف ممکن ہے، نہ فرار درست ہے۔ معقولات سے بے زار کرنے کی مسلسل روش نے آج اِس درجے تک پہنچا دیا ہے کہ مثلاً بیان القرآن تفسیر کی ایک اکیلی کتاب ہے، جس میں اہلِ زیغ کے تمام عقلی شبہات کا اہتمام کے ساتھ اصولی رد کیا گیا ہے۔ کسی اور تفسیر میں یہ اہتمام اور استیعاب نہیں ہے۔ لیکن اُس کا مطالعہ کرنے والے کا حال یہ ہے کہ جب وہ یہ پڑھتا ہے کہ یہ بات بطورِ منعِ خلو کے ثابت ہے، تو چوں کہ اُس کے ذہن کو اِن اصطلاحات سے پہلے ہی بے زار کیا گیا ہے، پھر جب سائنس اور علومِ جدیدہ کا بھی رعب ہر چہار طرف سے اُس پر ڈالا گیا، تو وہ اور اُلجھ جاتا ہے اور اِس تفسیر کو یہ سوچ کر چھوڑ بیٹھتا ہے کہ منعِ خلو کا لفظ تو سائنس میں ہے ہی نہیں، لہٰذا اِس سے کس سائنسی مسئلے کے جواب کا یا تائید کا سرا ہاتھ آنے والا نہیں۔ پھر فائدہ کیا؟ دوسری طرف وہ خود صحیح اصولوں کے استعمال پر قادر نہیں جب میں یہ گفتگو کر رہا تھا تو استاد سلیمان نے چلتے ہوئے ذرا مجھے روک کر سمجھانے کے انداز میں کہا کہ سوال، جواب کیا کرنا،، بات سن لینے کا۔ لیکن کیا آپ یقین کریں گے کہ مولانا نے میری ہر بات کو تائید و تقویت سے سہارا دیا۔ افسوس! مولانا کو لوگوں نے نہ معلوم کس کس طرح سے دیکھا اور اب نہ معلوم کس کس طرح سے مولانا کے علوم و افکار کو پیش کر رہے ہیں بعض تو اپنے افکار تک درست نہ کر سکے جیسا کہ اُن کی تحریروں میں فکری التباسات کے نمونے دیکھنے سے معلوم ہوا۔ دراں حالے کہ وہ شہرت کے بلند مرتبے تک پہنچ چکے ہیں اور کہنے کو وہ مولانا کے محبوب شاگرد ہیں؛ محبت کے باب میں مولانا کی کیفیت یہ تھی اُن کا ہر شاگرد اپنے کو محبوب ترین شاگرد سمجھتا تھا۔ بالکل مولانا صدیق احمد باندوی علیہ الرحمہ کا سا حال تھا۔ یا قدیم بزرگوں میں حضرت نانوتوی کا پرتو معلوم ہوتے تھے جیسا کہ اُن کے حالات پر اطلاع حاصل کرنے سے اندازہ ہوا۔ حضرت نانوتویؒ کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے شاگردوں کو مثلِ چشم و چراغ دیکھتے تھے۔ شاگرد بھی اُن پر جان چھڑکتے تھے۔ مولانا کا پودرویؒ علوم و فنون سے محبت رکھتے تھے اور عبقری الدہر تھے۔

یہ باتیں میں نے اِس طرح لکھ دیں جیسے معلوم ہوتا ہے سب واقعات بالکل تازہ تازہ پیش آئے ہوں۔ حالاں کہ اِن پر عشرات گزر گئے جن کی حیثیت اب لمحات سے زیادہ تصور میں نہیں آتی۔ غور سے دیکھیے، تو دنیوی تمام حالات کی یہی کیفیت ہے اور زندگی کی بھی۔ اسی لیے کسی بزرگ نے فرمایا: "نزلنا ساعةً ثم ارتحلنا، كذا الدنيا رحال فارتحلنا"

پیکرِ احسنِ عمل چل بسا!

از قلم: مفتی محمد جعفر ملی رحمانی صدر مفتی دار الافتا جامعہ اکل کوا

قال اللہ تعالیٰ: ﴿تبارک الذي بیدہ الملک وھو علی کل شيء قدیر ○ الذي خلق الموت والحیوۃ لیبلوکم ایکم احسن عملا وھو العزیز الغفور○﴾۔ (سورۃ الملک)

بڑی برکت ہے اس کی جس کے ہاتھوں میں ہے راج، اور وہ سب کچھ کر سکتا ہے، جس نے بنایا مرنا اور جینا، تا کہ تم کو جانچے کون تم میں اچھا کرتا ہے کام، اور وہ زبردست ہے بخشنے والا۔

محترم قارئین! موت وحیات اللہ رب العزت کے دستِ قدرت میں ہیں، وہ جسے چاہتا ہے حیات بخشتا ہے، اور جسے چاہتا ہے موت کا جام پلا دیتا ہے، اور یہ سلسلہ از آدم تا ایں دم، بلکہ تا قیامت چلتا رہے گا، جس کا ہم اور آپ ہر دن مشاہدہ کرتے چلے آ رہے ہیں۔

اللہ رب العزت نے انسانی حیات کا مقصد یہ بیان فرمایا کہ ہم نے تمہیں حیات اس لیے دی تا کہ ہم تم کو جانچے کہ کون تم میں احسن عمل لے کر ہمارے دربار میں حاضر ہوتا ہے، مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنی پوری زندگی احسنِ عمل کی سعی وکوشش میں گزار دیتے ہیں، اور حسنِ خاتمہ کے ساتھ اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں۔

انہی مبارک ہستیوں میں ایک عظیم شخصیت، عالمِ ربانی، مفکرِ قوم وملت، بزرگوں کے منظورِ نظر، سرپرستِ جامعہ، حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

اگر میں یہ کہوں کہ حضرت کی پوری زندگی احسنِ عمل سے عبارت تھی تو مبالغہ نہ ہوگا، کیوں کہ آپ رحمہ اللہ کے متعلق جتنے لوگوں نے قلم فرسائی کی، ان تمام نے اپنی تحریروں میں آپ کے اس وصفِ جمیل کو نمایاں کیا، چاہے آپ کا دورِ طالب علمی ہو، یا تدریسی وانتظامی زمانہ، یا پھر فلاحِ دارین ترکیسر کے اہتمام کی ذمہ داریوں سے سبک دوش ہو کر مدارس ومکاتب کے اشراف وسرپرستی کا عہد، غرض ہر حال میں آپ اس وصفِ جمیل سے متصف دکھائی دیتے ہیں۔

آپ رحمہ اللہ نے زمانۂ تدریس میں اپنی مفوضہ کتابیں بڑی عرق ریزی، محنت وتحقیق کے ساتھ پڑھائی، اور اپنی تدریس کو ہمہ جہت حسین سے حسین تر بنانے کی فکر فرمائی ہے۔

جب فلاحِ دارین ترکیسر کے منصبِ اہتمام پر فائز ہوئے تو اپنے دورِ نظامت میں اس ادارہ سے متعلق ہر چیز میں حسنِ ظاہری وباطنی کے لیے کوشاں رہے، یہاں تک کہ جب اس عہدہ ومنصب سے علیحدگی اختیار کی، تو وہ علیحدگی بھی احسنِ عمل کا عکس رہی۔

احسنِ عمل کا اہتمام

جن اداروں کے آپ مشرف وسرپرست رہے، ان میں بھی احسنِ عمل کو ترجیح دیتے رہے، اور اداروں کے ذمہ داروں کو ہر کام میں احسنِ عمل کی ترغیب وتلقین فرماتے رہے۔

آپ رحمہ اللہ چوں کہ جامعہ کے سرپرست تھے، اس لیے بارہا جامعہ میں آپ کی تشریف آوری ہوتی، اور جب بھی اساتذہ وطلبہ سے خطاب فرماتے، تو آپ اپنے خطاب میں جہاں علمِ دین کی قدر وعظمت اور اسے حاصل کرنے کے لیے شوق ولگن کی ترغیب دیتے، وہیں علمائے کرام اور صلحائے عظام سے تعلق ووابستگی پر بھی خوب زور دیتے۔

ساتھ ساتھ اپنے قیمتی وانمول تجربات ومشاہدات بھی بیان فرماتے، اور دین کے ہر عمل کو صفتِ احسان واتقان سے متصف کرنے کی طرف متوجہ فرماتے۔

جیسا کہ پیارے آقا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''**من عمل عملا فليتقنه**'' جو شخص کوئی عمل کرے تو اسے چاہیے کہ اس عمل کو احسن طریقہ پر انجام دے۔

آپ کا دوسرا نمایاں وصف بڑوں کی توقیر اور چھوٹوں پر شفقت تھا، آپ اپنی نجی مجلسوں میں اکابر علمائے دیوبند، عالمِ اسلام کے علما وصلحا اور ادبا کا تذکرہ انتہائی ادب واحترام اور قدر بھرے انداز میں فرماتے تھے، اور اپنے چھوٹوں کے ساتھ انتہائی محبت وشفقت کے ساتھ پیش آتے، بالخصوص نوخیز علمائے کرام کہ ان سے بڑی محبت وشفقت کے ساتھ مخاطب ہوتے، اُن کے چھوٹے موٹے دینی، تصنیفی وتالیفی، تدریسی وتبلیغی کاموں کی خوب تحسین فرماتے، اور انہیں مزید آگے بڑھنے کی نہ صرف تلقین فرماتے بلکہ مناسبِ حال رہبری بھی۔

مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ ۱۲ سال قبل جب دار الافتاء کا قیام عمل میں آیا، اور اس کے چند ماہ بعد جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ جامعہ تشریف لائے، تو بندے نے آپ کے سامنے دار الافتاء کا پورا نظام ونصاب اور طریقۂ تدریس بیان کیا، جس پر آپ نے نہ صرف خوشی کا اظہار فرمایا، بلکہ ''قواعد الفقہ'' کے طریقۂ تدریس کے متعلق فرمانے لگے: ''آپ کے یہاں قواعد پر جو تفریعی وتطبیقی کام طلبہ سے لیا جاتا ہے، وہ پورے ہندوستان میں کہیں بھی نہیں ہوتا، واقعی اس میں طالبِ علم کو بڑی محنت کرنی پڑتی ہے، اس پر مواظبت ومداومت ہونی چاہیے۔''

آپ کا تیسرا نمایاں وصف: پاکی وصفائی، تہذیب وترتیب تھا، ایک دفعہ یہ ناچیز حضرت رئیس جامعہ (مولانا غلام وستانوی) دامت برکاتہم کے ساتھ ایک سفر میں تھا، آپ کو سرپرستِ جامعہ رحمہ اللہ کے ورودِ مسعود کی پیشگی اطلاع ملی، تو آپ نے اپنے متعلقین سے فرمایا: ''دیکھنا! حضرت کا جہاں قیام طے ہے، وہاں تمام چیزیں سلیقے سے ہوں، متعلقہ مقامات صاف ستھرے ہوں'' وغیرہ، ''تاکہ حضرت کے مزاجِ عالی پر کوئی منفی اثر نہ پڑے''۔ آپ دامت برکاتہم کی ان ہدایات سے بندے نے آپ رحمہ اللہ کے اس مزاجِ خاص کو پہچانا اور اس کا مشاہدہ بھی کیا۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ اس طرح کے بہت سے اوصافِ حمیدہ وخصالِ جمیلہ سے متصف تھے جنہیں آپ کے شاگرد وتلامذہ؛ جوملک وبیرونِ ملک میں پھیلے ہوئے ہیں، اور آپ کے متعلقین جو سینکڑوں نہیں، ہزاروں کی تعداد میں ہیں، خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔

اب آپ اس دنیائے فانی میں نہیں رہے، جہاں انسان نیک اعمال کے ذریعے اپنے رب کا قرب، اور اپنے لیے ترقی درجات حاصل کرتا ہے، لیکن اس کے باوجود آپ کے لیے یہ دروازہ بند نہیں ہوا؛ کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''**إذا مات الإنسان انقطع عنه عمله إلا من ثلاثة: من صدقة جارية ، أو علم ينتفع به ، أو ولد صالح يدعو له**'' (صحیح مسلم) کہ جب انسان مرجاتا ہے، تو اس سے اس کا عمل منقطع ہوجاتا ہے، لیکن تین چیزوں سے اس کے نامۂ اعمال میں ثواب کا اضافہ ہوتا رہتا ہے، ایک صدقۂ جاریہ، دوسرا ایسا علم جس سے لوگ انتفاع کریں، اور تیسرے نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی رہے۔

الحمدللہ! حضرت کو یہ تینوں چیزیں حاصل ہیں، آپ نے اپنی حیات میں جتنی کتابیں اپنے مطالعے کے لیے خریدی تھیں، وہ سب ایک اکیڈمی کی شکل میں صدقۂ جاریہ کردیں۔ ہزاروں کی تعداد میں آپ کے شاگرد موجود ہیں، جنہوں نے آپ کے گہرے وپختہ علم [☆] سے نہ صرف انتفاع کیا، بلکہ خلقِ عظیم کو اس سے نفع پہنچا رہے ہیں۔ اولاد بھی دین دار اور متشرع ہیں، جو ضرور آپ کے لیے دعائیں کررہی ہونگی۔

" **اللّٰهم اغفر له وارحمه وعافه واعف عنه ، وأكرم نزله ، ووسع مدخله ، واغسله بالماء والثلج والبرد ، ونقه من الخطايا كما نقيت الثوب الأبيض من الدنس ، وأبدله دارًا خيرًا من داره وأهلا خيرًا من أهله ، وزوجًا خيرًا من زوجه ، وأدخله الجنة ، وأعذه من عذاب القبر** " . **آمين يا رب العالمين !**

[☆] گہرا وپختہ علم اس لیے لکھا کہ استاذی، قاضی القضاۃ، فقیہ بے بدل قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک موقع پر فرمایا تھا: ''گجرات میں دو لوگوں کا علم بڑا پختہ ہے، اور اتفاق سے دونوں کا نام عبد اللہ ہے: ایک حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی (رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ)، اور دوسرے حضرت مولانا مفتی عبد اللہ صاحب ہانسوٹ (أطال اللہ بقاءہ وعافاہ)''۔

یادیں ان کی ساتھ رہیں گی

(تعزیتی مجلس منعقدہ ۲۷ رشوال ۱۴۳۹ھ بمقام مسجدِ میمنی جامعہ اکل کوا)

محمد ہلال الدین بن علیم الدین ابراہیمی

سرپرستِ جامعہ، فخر گجرات، مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ کا سانحۂ ارتحال امت مسلمہ کے لیے خصوصاً اور ہم برادران وفرزندانِ جامعہ کے لیے ناقابلِ تلافی سانحہ ہے؛ آپ کی شش جہاتی اور گوناگوں صفات کی حامل شخصیت کا تعارف "عیاں راچہ بیاں" کا مصداق ہے۔ آپ کا جامعہ سے جو تعلق تھا اس تعلق کو محسوس کرتے ہوئے آج ہم خود کو یتیم تصور کر رہے ہیں؛ آپ کا مشفقانہ و پدرانہ معاملہ؛ آپ کے جلسوں اور مجلسوں میں خیر خواہ مدبر و مفکر باپ کی مانند صالحانہ، مشفقانہ، مفکرانہ، خیر خواہانہ، ناصحانہ اور واعظانہ نصیحت وکلام سننے کو یہ سماعت ترس رہی ہے۔

جامعہ میں منعقد تعزیتی مجلس کے انعقاد کا مقصد آپ کی یادوں کی شمع کو دل میں روشن رکھنے اور آپ کی فقید المثال شخصیت کی علمی وتربیتی لو کی گرماہٹ سے علم وعمل کو حرارت پہنچانا ہے۔

آپ اس شمارے کے مختلف مضامین میں حضرتؒ کی سوانح، آپ کی خصوصیات، مقام علمی وعملی، صلاحیتِ تربیتی وانتظامی، علماومشائخین سے تعلقات، تصوف وسلوک میں آپ کا مقام، عوام وخواص میں آپ کا کام، مردم سازی کا خصوصی ہنر، تحریر وتقریر میں زبان وقلم پر شہنشائیت اور امت کا فکر وکڑھن؛ جیسی کئی خوبیوں کو پڑھیں گے۔ نیز اس تعزیتی اجلاس میں حضرت مرحوم کے جن خوش نصیب حضرات نے اپنے اپنے تاثرات وانطباعات اور قلبی کیفیات کو بیان کیا ہے، ان کے مضامین بھی شامل ہیں، لہٰذا تکرار غیر ضروری سے بچتے ہوئے تفصیلاً اس مجلس کی خبر کو ترتیب نہ دیتے ہوئے اشارۃً واختصاراً ہی قارئین کی نذر کروں گا۔

اناؤنسنگ:

اس تعزیتی مجلس میں اناؤنسنگ کا فریضہ، اسٹیجوں کی شان اور جلسوں کی جان حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی انجام دے رہے تھے، آپ نے اپنے اچھوتے انداز میں تمہیدی کلمات کے بعد تلاوت کلام پاک کے لیے جامعہ کے موقر استاذ محترم قاری وسیم صاحب کو دعوتِ تلاوت دی۔

ترتیلاً تلاوت:

ماشاءاللہ قاری وسیم صاحب نے لحن داؤدی میں ترتیلاً موت سے متعلق آیتِ کریمہ "وما جعلنا لبشر من قبلک الخلد" الخ کی تلاوت فرما کر سامعین کے قلوب پر رقت کی کیفیت طاری کر دی۔

مرثیہ:

تلاوت کلام پاک کے بعد مرثیہ خوانی کے لیے، بلبل جامعہ استاذ شعبہ تجوید وقرآت حضرت قاری حسین صاحب کو دعوت پیش کی گئی۔ حضرت قاری صاحب نے اپنا ہی تیار کردہ مرثیہ اپنی ہی آواز میں نذر سامعین کیا۔ جسے مجلہ کے اندرون ٹائٹل کی رونق بنایا گیا ہے۔ ایک طرف قاری صاحب کی سریلی آواز اور دوسری طرف رقت آمیز انداز اور محبت میں ڈوبے الفاظ نے ایسی منظر کشی کی؛ کہ سامعین کی آنکھیں اشک بار ہوگئیں۔

حدراً تلاوت:

حدراً تلاوتِ کلام پاک کے لیے، المقری شیخ خالد الیمنی کو دعوت دی گئی؛ آپ نے لحون عرب میں اپ نے مخصوص انداز اور منتخب مقامات سے مختلف آیاتِ موت کی تلاوت کی اور موت سے متعلق قرآن کریم کے مختلف اور اچھوتے اندازِ بیان کا سامعین کے سامنے نقشہ کھینچ کر رکھ دیا اور موت کی یاد تازہ کردی۔

صاحبِ خیرؒ کے تذکرۂ خیر کا آغاز

کلمات مولانا حذیفہ صاحب دامت برکاتہم:

مولانا حذیفہ صاحب کو حضرت کے تربیتی نقوش اور تابناک زندگی سے حاضرین کو آشنا کرنے کی درخواست۔ حضرت مولانا حذیفہ صاحب نے اس دعوت سخن کو قبول فرماتے ہوئے، نہایت ہی مختصر مگر پر اثر انداز میں حضرت سے متعلق بیش بہا اور قیمتی باتوں کا تذکرہ کیا۔ آپ نے کہا: برصغیر میں ہندستان کے مسلمانوں کے لیے مفکر ملت کی وفات قیامت سے کم نہیں۔

آپ کی شخصیت سے متعلق تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا: ''آپ کے اندر مردم سازی کا جو خاصہ تھا، گویا وہ آپ ہی کی خصوصیت تھی اور یہ شئی نادر ہے۔

آپ بڑے علم دوست، تحقیق کے رسیا تھے، کتابوں کا مطالعہ اور جستجو آپ کی زندگی کا جزء لاینفک تھا؛ جب بھی ملاقات ہوتی نئی کتابوں کے متعلق یا تو بتاتے یا دریافت کرتے، کتاب گویا آپ کی زندگی تھی۔

خیر جلیس فی الزمان کتاب کا آپ سچا مصداق تھے؛ آپ جیسا عاشق کتاب میں نے نہیں دیکھا۔

انتظامی مہارت: علمی ذوق ہونے کے باوجود آپ انتظام کے ماہر تھے، آپ کی انتظامی صلاحیت اس قدر تھی کہ بڑوں نے یہاں تک تسلیم کیا کہ اگر آپ کو نظام ملک سونپ دیا جاتا، تو آپ بحسن وخوبی اسے سرانجام دیتے۔ آپ کے یہاں وقت کی بڑی اہمیت و پابندی تھی، تاخیر وقت پر حد درجہ بے چین ہوتے اور ناراضگی تو لازمی ہے اور کیوں نہ ہو کام کے آدمی کے نزدیک کوئی شئی قیمتی ہے تو وہ ہے وقت اور وقت۔

وصف خیر خواہی: حضرت کی سب سے بڑی خوبی خیر خواہی مومن تھی۔ خیر خواہی آپ کی گھٹی میں پڑی تھی، خواہ طالب علم ہو یا استاذ، عوام ہو یا خواص، اپنا ہو یا پرایا، ہر ایک سے اس کے مناسب حال خیر خواہی آپ کی طبیعت ثانیہ تھی۔

آپ کی مجالس: خالص علمی، غیبت سے پاک حسن آداب سے مزین ہوتی۔

آپ کا ادبی ذوق: ادب عربی و اردو کے بڑے ماہر دونوں زبانوں کے بھی سیکڑوں اشعار ازبر اور زبان زد تحریر وتقریر میں ادبی الفاظ کے ساتھ ساتھ مواقع مواقع کے عمدہ اشعار۔

تقریر کی خصوصیات: آپ کی تقریر کی خصوصیت تھی کہ آپ اس میں اپنے مشاہدات بیان کرتے۔

رئیس جامعہ اور رئیس گجرات کے تعلقات:

رئیس جامعہ والد محترم حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی مدظلہ علیہ اور رئیس گجرات حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودروی رحمۃ اللہ علیہ کے تعلقات کو بیان کرنے کے لیے ایک زمانہ اور لکھنے کے لیے دفتر چاہیے؛ تاہم ایک ملاقات سے اندازہ ہو جائے گا کہ آپ دونوں میں کس قدر راکائی تھی۔ آپ کی وفات سے ۳ر ماہ قبل رجب کے اواخر میں عمرے سے واپسی پر جب ہم ملاقات کے لیے پہنچے، تو کہا غلام! میں جو کام کرنے کی دعائیں کرتا تھا، اللہ تعالیٰ نے تیرے ذریعے وہ سب کروا دیے، تو نے بڑوں کی بہت دعائیں لی ہیں۔

چھوٹوں کی حوصلہ افزائی: آپ چھوٹوں کی بڑی حوصلہ افزائی فرماتے اس کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں خود میری ملاقات کا واقعہ ہے کہ میں آپ کی ملاقات کے لیے بروقت پہنچا تو وقت پر آنے پر آپ کو بڑی خوشی ہوئی اور پھر علمی گفتگو شروع ہوئی تو بہت ساری باتیں ہونے کے بعد حضرت مرحومؒ نے کہا: میں علمی نوجوانوں سے محبت کرتا ہوں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے۔

حضور نے حضرت معاذؓ سے کہا تھا: **یا معاذ! و اللہ انی احبک** میں بھی کہتا ہوں **یا حذیفۃ! و اللہ انی لاحبک**۔ حضرت کا یہ انداز خرد نوازی نہیں تو اور کیا ہے؟

خردنوازی کا ایک اور واقعہ از مرتب:

خردنوازی کی بات چلی ہے تو میں یہ واقعہ قارئین کی نذر کرتا چلوں، جو احقر کو حضرت مولانا یوسف صاحب نندورباری نے اپنی زمانہ طالب علمی کا سنایا۔ مولانا نے کہا چہارم کے سال جب میں کنتھاریہ میں زیر تعلیم تھا تو چشمہ بنانے کی غرض سے چشمے کی دکان پہنچا حسنِ اتفاق کے مولانا کاپودرویؒ بھی اسی غرض سے وہاں موجود تھے، آپ کا توچوں کہ مزاج تھا طلبہ سے گھل مل جانے کا آپ نے بے تکلف خیر خیریت اور پڑھائی وغیرہ کے متعلق دریافت کرنا شروع کر دیا، احقر کے آپ سے متعلق دریافت کرنے پر بتایا کہ فلاح دارین کا ایک استاذ ہوں وہاں نورانی قاعدہ اور ہندوستانی قاعدہ وغیرہ پڑھاتا ہوں، احقر چوں کہ آپ سے شناسا نہیں تھا اس لیے ایک عام استاذ سمجھ کر مدرسہ لوٹ آیا؛ کچھ دنوں کے بعد آپ کا عربی میں احقر کے نام خط موصول ہوتا ہے؛ جس میں آپ نے اس ناچیز کے لیاقت کے مطابق زبان استعمال کر کے خیر خیریت کے بعد علمی راہ نمائی فرمائی اور ساتھ ساتھ آپ کا یہ انداز بڑا تعجب خیز تھا۔

چند ہی روز گذرے تھے کہ دارالعلوم کنتھاریہ کی دعوت پر حضرت کنتھاریہ پہنچ کر سیدھے میرے کمرے میں تشریف لے آئے اور پوچھا یوسف دھیگامی کہاں ہے؟ (مولانا یوسف صاحب وطناً دھیگام گجرات سے ہیں؛ لیکن فراغت کے بعد آپ نے اپنی زندگی نندوربار واطراف کے لیے وقف کر دی اور یہیں کہ ہو کر رہ گئے اور نندوربار میں دین کی وہ شمع جلائی، جس کی روشنی نے نہ صرف نندوربار؛ بل کہ اطراف واکناف کی بدعت وجہالت کو پاٹ کر رکھ دیا ہے) مولانا کہتے ہیں ایک عرصے تک حضرت کا مجھ حقیر کے ساتھ یہ شفیقانہ تعلق قائم رہا۔ اور حضرت نے ایک ملاقات میں اپنی ذات کو چھپانے کی وجہ بھی بتائی کہ اگر میں بتا دیتا تو آپ بے تکلف نہ ہو پاتے پھر یہ حجاب علمی تعلق میں مانع بنتی اور مزید یہ کہ میں بیرون کے طلبہ کو اردو سکھانے کے لیے ہندوستانی قاعدہ پڑھاتا ہوں۔

اس ایک واقعہ سے حضرت کی خردنوازی، مردم سازی، تواضع وانکساری، دوراندیشی ودوربینی، قوت حافظہ اور اخلاق مندی جیسے بہت سارے اوصاف سامنے آجاتے ہیں"۔

میں جو کچھ ہوں حضرت کی بدولت ہوں: ہم آج جو کچھ بول لیتے ہیں، لکھ لیتے ہیں اور پڑھ لیتے ہیں یہ آپ ہی کی توجہ اور تربیت کا نتیجہ ہے۔

کلماتِ شیخ عبدالوہاب ندوی مدنی:

حضرت کے ذوق عربیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس بات کا اہتمام کیا گیا کہ حضرت کی شخصیت سے متعلق کچھ کلمات بزبان عربی بھی آئیں؛ لہٰذا جامعہ کے عربی ادب کے استاذ مولانا عبدالوہاب صاحب نے بڑے ادیبانہ، لطیفانہ اور مخلصانہ انداز میں حضرت سے متعلق جامع کلمات کہے۔ جس کا لب لباب پیش خدمت ہے۔

مولانا نے فرمایا: ہم اور برادرانِ جامعہ آپ کی موت سے بڑے غمزدہ ہیں۔ ہمیں آپ کی موت سے بہت بڑا علمی نقصان ہوا، اللہ ہمیں اس پر صبر نصیب کرے اور آپ کا خلف نصیب فرمائے۔ آپ کثیر المطالعہ شخص تھے، علما نواز اور علم دوست تھے۔ طلبہ و نوجوان علما کی حوصلہ افزائی آپ کا خاص مشغلہ تھا، آپ کی طبیعت تعصب ہندی سے پاک تھی۔ آپؒ ہر مدارس اور ہر علاقے کے فضلا سے محبت کرتے تھے۔ آپ نے مکاتیب قرآنیہ کا جال بچھا رکھا تھا۔ آپ کی بیش بہا تصانیف ہیں۔ آپ کو علم حدیث میں اعلیٰ اسانید حاصل ہیں؛ بڑے بڑے شیوخ حدیث آپ سے اجازت حدیث حاصل کرتے۔ شیخ الحدیث مدینہ منورہ الشیخ حامد اکرم، عامر بہجت وغیرہم نے آپ سے اجازت حدیث حاصل کی ہے۔

آپ کی موت صحیح معنوں میں ''موت العالِم موت العالَم'' کی مصداق ہے۔ آپ علم کے روشن ستارے اور چمکتے دمکتے آفتاب و ماہتاب تھے۔ اللہ آپ کے درجات کو بلند فرمائے۔

کلمات مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی:

حضرت مولانا جہاں حضرت مرحوم کے شاگرد ہیں؛ وہیں ایک طویل عرصے سے جامعہ سے وابستہ ہونے کی وجہ کر حضرت سے خصوصی تعلق بھی تھا اور آپ کی بہت ساری عمومی و خصوصی مجلسوں میں شرکت بھی فرماتے رہے۔ آپ نے اپنے مضمون میں حضرت کی حسن تعبیرات کو ہدف بنا کر قلم اٹھایا ہے؛ لیکن اخیر میں آپ نے حضرت سے متعلق ۱۰/ ایسے عناوین ذکر کیے ہیں، جس پر روشنائی لٹانا حضرتؒ کا حق ہے اور ساتھ ساتھ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب حضرتؒ کی شخصیت سے کس قدر واقفیت رکھتے ہیں۔

حضرت مولانا نے کلامِ پاک کی اس آیت کو عنوان بنا کر اپنی بات آگے بڑھائی. **تبـارک الـذي بيده الـملک وهو علىٰ کل شيءٍ قدير ، الذي خلق الموت والحيوة ليبلوکم ايکم احسن عملا وهو العزيز الغفور** . اور اس حدیث کی روشنی میں حضرت کے رخصت ہوجانے کے نقصان کو آشکارا کیا

بڑی ان کی یاد آتی رہے گی

''ان الله تعالیٰ لا یقبض العلم'' الاخ ...... اورفرمایا: جامعہ سے جو پیغام اٹھتا ہے وہ ملت اسلامیہ کے لیے مشعل راہ ہے؛ کیوں کہ اس میں ۱۸/۱۹ ر صوبے کے ۱۵ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں۔

اس مجلس کو آپ 'مجلسِ محاسن موتی یا مجلسِ ایصال ثواب' کا نام دے سکتے ہیں۔فرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے: موتی کے محاسن کو بیان کرو۔ امت کو انتقال کر جانے والی مقتدا شخصیت کے نقوش وخطوط پر چلانے کے لیے ہم ان مجالس کا انعقاد کرتے ہیں۔

نعمت ثلاثہ: اللہ تعالیٰ کی تین نعمتیں ایسی ہیں جو ہر انسان کو ایک بار ہی ملتی ہے: نعمتِ حیات، نعمتِ شباب اور نعمتِ والدین؛ جس نے اس کی قدر کرلی وہ لائق قدر ہو گیا اور جس نے اس کی ناقدری کی وہ بے قدر ہو گیا۔

سرپرست جامعہ کے قابل تقلید تابندہ نقوش: سرپرست جامعہ کے حیات کے کون کون سے تابندہ نقوش ہیں، جو قابل تقلید ہیں؟ مشکوٰۃ باب الاعتصام بالسنۃ میں اوصافِ صحابہ بیان کرکے حکم دیا گیا ہے اور تشویق دلائی گئی ہے کہ: اگر تمہیں کسی کی اتباع کرنی ہو تو ان صحابہ کی کرو جن کے اوصاف یہ تھے ''**ابرھا قلوبا واعمقھا علما واقلھا تکلفا**''۔ سرپرست محترم کے اندر یہ اوصافِ صحابہ درجۂ اتم موجود تھا۔

آپ کی وسعت ظرفی: آپ کی تقریظات ومقدمات پر ایک تصنیف مقدمات کا پودروی آپ کی وسعت ظرفی کی دلیل ہے۔

صفائی قلوب: دل بالکل ایسا صاف کہ عرب وعجم یورپ وانگلستان اور ہندوستان میں یکساں مقبولیت حاصل تھی۔

آپ کا نبوی مزاج: انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق ...... ہر فیلڈ کے لوگوں کی تربیت کی بات اور ان کے فرض منصبی کا احساس؛ آپ کا مزاج اور آپ کا طرۂ امتیاز تھا۔

صفائی قلوب کا انعام: جس کا دل صاف ہوتا ہے ان کو علم کا وافر حصہ نصیب ہوتا ہے۔ اسی بنیاد پر اللہ نے آپ کو کتابوں کا کیڑا بنایا تھا؛ جس کے اندر وسعت علم ہو اور قلوب صاف ہو تو اس کے اندر سادگی خود بہ خود آتی ہے۔ ہم ان اوصاف کو اپنے اندر پیدا کریں۔

تربیتی مزاج، اور نماز وتلاوت کا اہتمام: صفائی کا اس قدر اہتمام کہ آپ خود اپنی نگرانی میں دارالاقامہ کی صفائی کرواتے اور طلبہ کو نماز کے لیے خود ہی بیدار کرتے۔

رئیس جامعہ اور سرپرست جامعہ کے تعلقات: آپ اگر حضرت مفکر کی جیتی جاگتی تصویر دیکھنا چاہتے ہیں تو رئیس جامعہ کو دیکھیں۔ رئیس جامعہ نے فلاح دارین میں آپ کی صدارت میں ہوئے تعزیتی پروگرام میں جو تقریر فرمائی اس سے حضرت اور آپ کے مثالی تعلقات عیاں اور بیاں ہیں۔

کلماتِ حضرتِ رئیس وخادم خاص حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ

انطباعاتِ قلبی بر رحلت مربی (حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودرویؒ)

بڑی یاد ان کی آتی رہے گی

حضرت رئیس کے کلمات کے کیا کہنے؛ آپ نے تو دل ہی نکال کر رکھ دیا، تمام باتیں تو حضرت کے مضمون میں مذکور ہیں؛ یہاں صرف اشارات ذکر کیے دیتا ہوں۔

آپ نے سب سے پہلے موت کی حقیقت اور انسان کی فنائیت پر کلام کیا اور بتایا کہ جب حضور کی شخصیت اس دار فانی میں باقی نہ رہی تو آپ سے زیادہ اہم اور کون ہوسکتا ہے؛ پھر آپ نے ذیل میں ذکر کردہ باتوں پر کلام فرمایا:

حضرت مرحوم کی مردم سازی۔ حضرت پر آپؒ کے احسانات ۔ مظاہر جانے کا ایک دل چسپ واقعہ۔ میری زندگی بدل دی۔ حضرت کے پروردوں سے متعلق حضرتِ باندویؒ کا تاثر۔ حضرتؒ کے سفر بیرون سے اہل گجرات پر حضرت باندویؒ کی ناراضگی۔ جامعہ کے تعلق سے حضرتؒ کا تاریخی جملہ۔ آپؒ کی سیرت وصورت۔ حضرتؒ کی علمی صلاحیت۔ مشائخین سے آپؒ کا والہانہ تعلق۔ آپؒ کی خدمت کاشرف۔ مرض الوفات۔ آخری ملاقات اور حضرتؒ کا اہتمامِ ضیافت۔ اپنی اور حضرتؒ کی عاشقانہ باتیں۔ حضرت کے حسن انجام اور حسین انعام پر ایک خواب۔ حضرت کی موت شہادت کی موت۔ حضرتؒ کی زندگی سے حاصل ہونے والے اسباق اور فلاح دارین سے حضرتؒ کا لگاؤ وغیرہ؛ آپ ان کا مطالعہ آغاز میں موجود حضرت کی تحریر میں کرسکتے ہیں۔

عہد برائے ایصالِ ثواب:

اور پھر حضرت نے اپنی محبت کا واسطہ دے کر بایں الفاظ عہد لیا: ”طلبہ! اور اساتذہ! اگر آپ بھی کو اس فقیر سے محبت ہے تو آپ میرے حضرت کے لیے ایک ایک قرآن پڑھ کر ایصالِ ثواب کریں اور ایک ایک قرآن میرے استاذ حضرت مولانا یونس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لیے بھی ایصال ثواب کریں“۔

یہ میرے استاذ ہیں: حضرت مولانا عبد اللہ صاحبؒ اور حضرت مولانا یونس صاحبؒ، جنہوں نے مجھے کچھ کام کا بنایا، تو آپ حضرات کا فرض بنتا ہے کہ آپ حضرات ان کے لیے ایصال ثواب کریں۔

اسی طرح جامعہ کی تمام شاخوں میں حضرتؒ کے لیے تعزیتی مجلس کا انعقاد اور ایصالِ ثواب کا اہتمام کیا گیا۔

☆......☆......☆

اُس مردِ حق شناس میں تھی خوبیاں ہزار

حضرت کاپودرویؒ کے محاسن قرآن وسنت کی روشنی میں

ازقلم: محمد صادق خان اشاعتی تونڈاپوری استاذ جامعہ اکل کوا

ہمارے حضرت رئیس الجامعہ خادم القرآن والمساجد مولانا غلام محمد صاحب وستانوی کے استاذ خاص اور مربی ومحسن، سرپرست جامعہ اکل کوا اور رئیس مدرسہ فلاح دارین ترکیسر، گجرات، مفکر ملت حضرت مولانا عبداللہ صاحب کاپودروی نور اللہ مرقدہ کی پاکیزہ زندگی اور علم وعمل، ہمہ جہتی واثر انگیزی، نیز آپ کی خدمات اور کارناموں پر بہت سے علمائے کرام اور اہل قلم حضرات نے مضامین تحریر کئے ہیں۔ان قیمتی مضامین کے سامنے یہ غیر مرتب سطور کوئی اہمیت نہیں رکھتی ،لیکن ﴿ جئنا ببضاعة مزجاة ﴾ کی مصداق حضرت مرحوم سے متعلق اپنی معلومات وتاثرات کوالفاظ کا جامہ پہنارہاہوں۔اور بارگاہ ایزدی میں دعا کرتا ہوں کہ۔

میری قسمت سے الٰہی پائیں یہ رنگ قبول
پھول کچھ میں نے چنے ہیں ان کے دامن کے لیے

چوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندہ لوگوں کے ساتھ ساتھ مُردوں کے بھی حقوق بیان فرمائے ہیں ۔ایک روایت میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

تم مُردوں کا نیکیوں کے ساتھ ذکر کرو۔ (ترمذی ج ۲ص ۳۱۲ رقم الحدیث ۱۰۲۱۔ابوداود ج ۴ص ۲۹۸ رقم الحدیث ۴۹۰۰)

اسی کے پیش نظر چند کتابوں کی ورق گردانی اور جامعہ اشاعت العلوم میں حضرت رئیس مرحوم کی مختلف مجالس میں تشریف آوری کے موقع پر ملاقات ومختصر سی مصاحبت کے بعد؛ آپ کی شخصیت کے جو محاسن اور خوبیاں نمایاں ہوکر سامنے آئیں، ان کا مختصر تذکرہ قرآن وسنت کی روشنی میں تجزیہ کرتے ہوئے قارئین کی نذر ہیں۔تاکہ یہ اندازہ ہوجائے کہ حضرت نور اللہ مرقدہ نے اپنی حیات فانی کو قرآن وسنت پر عمل پیرا اور متبع بن کر مکمل کی۔آپ کے محاسن واوصاف ملاحظہ فرمائیں۔

(۱) وقت کی قدر اور پابندی:

قرآن حکیم کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالی کی نعمتوں میں ایک نعمت ''وقت'' بھی ہے۔اس کی قدر وقیمت اتنی زیادہ ہے کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر وقت کی قسم

اٹھایا ہے۔ جیسے چند کلماتِ قسم: والفجر ، والليل ، والنهار، والعصر وغیرہ۔اللہ تعالیٰ کاان اوقات کی قسم اٹھاناوقت کی قدر وقیمت کی بیّن دلیل ہے،یہی وجہ تھی کہ ہمارے اکابرین نے وقت کی بڑی قدر فرمائی ،اپنے اکابر کی طرح حضرت مولاناؒ بھی وقت کے انتہائی قدرداں اور پابند تھے۔جس جگہ پر پہنچنے کا جو وقت مقرر ہوتا،اس کی پہلے سے تیاری کرتے اور مقررہ وقت پر پہنچتے ،فلاح دارین کے زمانۂ اہتمام میں بھی ہمیشہ آپ مدرسہ وقت سے پہلے پہنچ جاتے اور چوراہے پر،بہت سی مرتبہ کھڑے ہوجاتے اور اگر کسی کو آپ نے وقتِ مقرر ملاقات کے لئے دیا ہوتو اپنے ساتھ بھی یہی پسند فرماتے کہ سامنے والا شخص وقت مقرر پر آجائے۔

نماز کے اندر بھی آپ کا یہی حال تھا۔کبھی دیکھنے والوں نے نہیں دیکھا کہ رکعت چھوٹ گئی ہو۔

''گلدستۂ محبت'' نامی کتاب میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ مولانا غلام محمد صاحب وستانوی مدظلہ العالی نے فرمایا کہ مہتمم صاحب اور مفتی احمد بیمات صاحب نیز مولانا شیر علی صاحب کو ہم نے کبھی نہیں دیکھا کہ ان کی رکعت گئی ہو۔ولله الفضل علی ذالک .

ایسے ہی مردانِ حرّ کے لیے کسی نے کہا ہے۔

میسر آتی ہے فرصت فقط غلاموں کو
نہیں ہے بندۂ حر کے لیے جہاں میں فراغ

(۲) کام کرنے والوں کی قدر دانی:

درحقیقت قدر دانی ایسا وصف ہے، جو اللہ تعالیٰ کی صفتوں میں سے ایک صفت ہے۔اللہ تعالیٰ اتنے قدر دان ہیں کہ بندہ اگر چھوٹا سا بھی عمل کرے تو پروردگار اس کے عمل کو قبول فرمالیتے ہیں۔جیسا کہ ارشاد ربانی ہے﴿فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره﴾ کہ جس بندے نے ذرہ برابر بھی نیک عمل کیا ہوگا اللہ تعالیٰ قیامت میں اس کا بھی اجر عطا فرمائیں گے۔

''گلدستۂ محبت'' نامی کتاب میں حضرت رئیس مرحوم کا یہ وصفِ قدر دانی اس طرح مذکور ہے۔اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک خوبی یہ بھی عطا فرمائی تھی کہ آپ دین کے کسی بھی شعبہ میں کوئی لگا ہوا ور خدمت کررہا ہوتو اس کی خوب قدرومنزلت اور حوصلہ افزائی فرماتے۔اور اس سے ملاقات پر اس کے مناسب حال ضرورت محسوس فرمانے پر مشورہ دیتے تھے۔

(۳) افراد سازی:

یہ حقیقت ہے کہ اگر افراد سازی اور افراد کی اصلاح ہو جائے تو معاشرے کے تمام منفی پہلو تبدیلی کے عمل کو قبول کرنے کی صلاحیت سے بہرہ ور ہو جاتے ہیں۔ اور معاشرے کی اصلاح کا عمل کسی رکاوٹ کے بغیر جاری ہو سکتا ہے۔ ہر معاشرہ اگر چہ مختلف عناصر سے مرکب ہوا کرتا ہے، لیکن اُن عناصر میں افراد کی اہمیت وحیثیت امتیازی ہوتی ہے۔ یہ وہ اکائی ہے جو معاشرہ کی سمت متعین کرتی ہے اور اسی پر معاشرہ کے اصلاحی اور مثالی ہونے کا انحصار ہوتا ہے۔ انسانی معاشرہ میں افراد کی اسی اہمیت کا ادراک کرتے ہوئے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے اپنی توجہ کا مرکز فرد ہی کو بنایا۔

الحمدللہ! نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خصوصیت حضرت رئیس مرحوم میں امتیازی درجہ میں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے افراد سازی کا کام بطریق احسن لیا۔ آپ صرف مدرس یا مہتمم ہی نہیں تھے، بل کہ صاحب نظر اور مزاج شناس مربی بھی تھے۔ سنگ ریزوں میں گوہر کو پہچان لینے کا ملکہ رکھتے تھے اور خاک آلود ہیروں کو پرکھنے، تراشنے اور چمکانے کا ہنر اور سلیقہ بھی جانتے تھے۔ اور آپ یہ سمجھتے تھے کہ

ایک پتھر کی بھی قسمت سنور سکتی ہے
شرط یہ ہے کہ اسے سلیقے سے تراشا جائے

الحمدللہ! حضرت رئیس مرحومؒ کے زمانۂ اہتمام کے تیار کردہ رجال وافراد آج علمی ودینی خدمات میں لگے ہوئے ہیں اور آپ کے تربیت یافتہ فضلا پوری دنیا میں پھیل کر مختلف میدانوں میں دین کی قابل قدر خدمت انجام دے رہے ہیں۔

ان مختصر سطور میں ''مشتِ نمونہ از خروارے'' کے طور پر آپ کے پروردہ چند نامور فضلا اور علما کے نام رقم کیے جاتے ہیں۔ (۱) قاری صدیق صاحب (۲) مولانا اقبال صاحب دیولوی (۳) مولانا خلیل راوت (۴) مولانا یوسف صاحب ٹنکاروی (۵) مولانا ابوبکر صاحب موسالی (۶) مولانا عبد اللہ صاحب کاوی (۷) مولانا عبد الرشید صاحب خانپوری (۸) مولانا عبد الرحیم صاحب فلاحی استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اکل کوا (۹) مولانا فاروق صاحب فلاحی مدنی استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اکل کوا (۱۰) مولانا اقبال صاحب ٹنکاروی مہتمم دار العلوم ماٹلی والا (۱۱) خادم القرآن حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی رئیس جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا۔ اور دیگر بہت سارے قابل تلامذہ وتربیت یافتہ اہل علم وفضل ہیں، جو ملک وبیرون ملک میں درجہ علیا کی کتابیں پڑھاتے

ہیں اور دیگر دینی خدمات انجام دیتے ہیں۔ سطور بالا میں مذکور آپ کے تلامذہ میں سے اخیر الذکر حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی آپ کے مخصوص پروردہ وتربیت یافتہ اور خادم خاص رہے ہیں۔ ''تذکرۃ الرئیس'' کے مصنف لکھتے ہیں کہ مولانا غلام محمد صاحب وستانوی کا تعلق حضرت مہتمم صاحب مولانا عبداللہ کاپودرویؒ کے ساتھ باپ بیٹے کی طرح تھا۔ وہ حضرت کی بہت خدمت کیا کرتے تھے اور ان کا بلاتکلف حضرت کے گھر جانا آنا اور گھر کی خدمت کرنا تھا۔ اور فراغت کے بعد بھی مولانا غلام محمد صاحب کا تعلق حضرت والا سے بڑا گہرا رہا اور آپ ہی کی دعاؤں اور توجہات سے مولانا غلام محمد صاحب ترقی کے مدارج پر گامزن ہیں۔ جو کل خادم استاذ تھے، وہ آج خادم القرآن سے معروف ومقبول ہیں۔ یقیناً آپ حضرت رئیس مرحوم کی تربیت اور توجہات کا ثمرہ ہیں۔

(۴) مہمان نوازی:

دین اسلام میں ضیافت اور مہمان نوازی کا ایک خاص مقام ہے اور یہ عمل بڑی فضیلت واہمیت کا حامل ہے۔ ضیافت حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جیسے پیغمبر کی خاص سنت ہے، جن کے بارے میں قرآن وحدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کھانے کے وقت مہمان کے آنے کے متمنی رہتے تھے۔ چناں چہ اللہ تعالیٰ نے ایک جگہ ان کی مہمان نوازی کو ترغیبی انداز میں بیان کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**هل اتاك حديث ضيف ابراهيم المكرمين**﴾ (الذاریات: ۲۴)

حدیث شریف میں بھی ضیافت کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک ارشاد ہے۔ ''**من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه**'' کہ جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کا اکرام کرے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت رئیس مرحوم کی طبیعت میں مہمان نوازی کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی تھی اور مہمانوں کی ضیافت آپ کی طبیعت ثانیہ بن چکی تھی۔

''گلدستۂ محبت'' کے مصنف لکھتے ہیں: آپ اپنے وطن میں ہوں یا کینیڈا میں۔ یا پھر برطانیہ میں اپنے صاحبزادوں کے یہاں آپ کا قیام ہو۔ آپ ''**فليكرم ضيفه**'' کا مظہر اتم ہوتے تھے۔ درجنوں آدمی ملنے کے لیے آتے جاتے تھے، ان سب کی مشروبات اور ناشتے سے خاطر مدارات ہوتی تھی۔ اگر کھانے کا وقت ہوتو پرتکلف کھانوں کا بھی اہتمام ہوتا تھا۔ مہمانوں کی آمد اور حاضری پر آپ بہت زیادہ مسرور نظر آتے تھے۔ دسترخوان پر ہر ایک کا خیال رکھتے اور مہمان زیادہ ہوتو ہر ایک کا نام لے کر خدام کو خاطر تواضع کرنے کی تاکید فرماتے۔

(۵) صبر وتحمل:

قرآن حکیم ہر معاملہ میں برداشت اور صبر وتحمل کا سبق دیتا ہے۔ وہ اپنا یہ پیغام مختلف مقامات پر دہراتا ہے اس طرح وہ ایسی شخصیت کی تعمیر کرتا ہے، جو اسلام کی شان اور پہچان ہو۔ اور عملی طور پر ہر اعتبار سے پوری انسانیت کے لیے پیغام سالمیت وسلامتی ہو۔ آیئے دو چند ایسی آیات ربانی کا مطالعہ کریں جو ہمیں تحمل وبرداشت کا درس دیتی ہے چناں چہ برائی کا بدلہ اچھائی کے ساتھ دینے کی تاکید کرتے ہوئے قرآن حکیم میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ولا تستوی الحسنة ولا السيئة ادفع بالتی هی احسن فإذا الذی بينک وبينه عداوة كأنه ولی حميم﴾ (حم السجدة:۳۴)

اسی طرح ان نیک لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے آخرت میں عمدہ ٹھکانوں کے مستحق قرار پائیں گے۔

قرآن کہتا ہے: ﴿والذین صبروا ابتغاء وجه ربهم واقاموا الصلاة وانفقوا مما رزقنٰهم سرا وعلانية ويدرء ون با لحسنة السيئة أولٰئک لهم عقبى الدار﴾ (الرعد:۲۲)

الحمدللہ! صبر وتحمل کا یہ بے مثال وصف حضرت رئیس مرحوم میں لوگوں نے اچھی طرح پایا اور محسوس کیا۔

''تذکرۃ الرئیس'' کے مؤلف لکھتے ہیں کہ حضرت اپنے ناقدین اور بسا اوقات فحش خطوط لکھنے والوں کو نہ جواباً برا لکھتے نہ عند اللقاء بدسلوکی کرتے۔ بل کہ صبر وتحمل کا مظاہرہ کرتے ہوئے حسن سلوک سے ملتے اور محسوس بھی نہیں ہونے دیتے۔ گویا کہ بزبان حال یوں فرماتے۔

سنگ ریزوں کی چبھن کا مجھے احساس کہاں
میں تو منزل کے مناروں پہ نظر رکھتا ہوں

(۶) زہد واستغنا:

حدیث پاک کی روشنی میں دیکھا جائے تو زہد واستغنا بھی محبت الٰہی کا سبب ہے۔ ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ ''عن سهل بن سعد الساعدی رضی الله عنه قال جاء رجل إلى النبی صلى الله عليه وسلم فقال يارسول الله! دلنی على عمل اذاعملته احبنی الله واحبنی الناس فقال ازهد فی الدنيا يحبک الله وازهد فيما ايدی الناس يحبک الناس''. (اخرجہ ابن ماجہ۔۴۱۰۲)

علامہ سندھی حدیث کی روشنی میں فرماتے ہیں کہ عموما لوگوں کو دنیا محبوب ہوتی ہے۔تو جو شخص لوگوں سے ان کی محبوب چیز کے حصول کے لیے سعی وکوشش کرے اوران کی مزاحمت کرے تو لوگ اسے نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور جو آدمی لوگوں سے اوران کی محبوب اشیا سے جتنی بے رخی برتتے ،صفتِ استغنا اپنائے اور بے رغبتی کا اظہار کرے تو لوگوں کے دلوں میں اس شخص کی اتنی ہی محبت بڑھ جاتی ہے۔ (شرح سنن ابن ماجہ)

حضرت مولانا عبد اللہ صاحب کاپودرویؒ کی بابت ''گلدستۂ محبت'' کے مؤلف فرماتے ہیں: آپ ایسی شخصیت کے مالک تھے،جنھوں نے اکابرین واسلاف کے ستودہ اوصاف میں بالخصوص استغنا کو اپنے اندر ایسے سمویا تھا جیسے جہاں دن پایا جائے گا وہاں سورج کا نکلنا لازمی قرار دیا جائے گا۔اور جہاں سایہ ہوگا وہاں سایہ والا بھی لازما ہوگا۔

مولانا مرحوم کی ذات گرامی گویا حدیث مذکور کا عملی پیکر اور علمی مجسمہ تھی۔دنیا سے ایسی بے پرواہی کہ اللہ کی پناہ! کبھی دنیاوی کوئی چیز آپ کو مرعوب اور غفلت کا شکار نہیں کرسکی۔دوسروں کے پاس کیا ہے؟ کون سی چیز ہے اور کتنی قیمتی ہے؟اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھنا گوارہ نہ فرماتے۔اسی بنا پر لوگوں نے آپ سے محبت اور چاہت کا سلوک کیا۔یقیناً یہ شعر آپ کے اوپر صادق آتا ہے۔

میرا طریق امیری نہیں فقیری ہے
خودی نہ بیچ غریبی میں نام پیدا کر

(۷) اکابرین سے مشورہ:

مشورہ کی اسلام میں اس قدر تاکید ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ؛جن کا ہر عمل سرتاپا وحی تھا یہ حکم دیا گیا:﴿**وشاورهم في الامر**﴾ (آل عمران ۱۵۹)

اور مسلمانوں کے معاملات کی تحسین کرتے ہوئے فرمایا گیا۔﴿**وأمرهم شورى بينهم**﴾ (الشوری ۳۸)

نیز ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''**من أراد امرا فشاور فيه إمرأ مسلما وفقه الله لأرشد أموره**'' (مجمع الزوائد ج۸ ص۱۸۱/رقم الحدیث ۱۳۱۵۸)

حضرت رئیس مرحوم کے متعلق گلدستۂ محبت میں مؤلف لکھتے ہیں:

آپ کی ایک اہم عادت یہ رہی کہ اپنے ہر اہم معاملہ میں اپنے بڑوں سے مشورہ کرنا اور پھر وہ جو بھی لائحہ عمل طے کریں اس کے مطابق کام کرنا۔ اس کی کئی مثالیں ہیں ان میں دو چند یہ ہیں۔ حضرت نور اللہ مرقدہ لکھتے ہیں کہ: ''مارچ ۱۹۶۶ء میں جب انھیں'' دارالعلوم فلاح دارین کے اہتمام کی ذمہ داری سپرد کی گئی تو کم عمری اور ناتجربہ کاری کے سبب ضروری تھا کہ میں بزرگوں سے مشورہ کرتا۔ اسی مقصد سے ''حضرت مولانا محمد سعید راندیری'' کی خدمت میں راندیر حاضر ہوا تو آپ جامعہ حسینیہ کے کتب خانہ میں تشریف فرما تھے''۔ محبت سے بٹھایا، پھر بندہ نے عرض کیا کہ بندہ اس کا اہل نہیں ہے۔ مگر کمیٹی والوں کا اصرار ہے کہ آپ کو ہی یہ کام کرنا ہے۔ فرمانے لگے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ کام کام کو سکھلاتا ہے۔ جیسے جیسے کام کرتے جاؤ گے، تجربات ہوتے جائیں گے۔ اگر کبھی مشکل پیش آئے تو مشورہ کرتے رہو۔ حضرت نے اور بھی نصیحتیں فرمائی مگر طوالت کے خوف سے اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔

اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: ''دارالعلوم فلاح دارین کے انتظامی امور کی ذمہ داری بہت کم عمری یعنی ۳۳ ر سال کی عمر میں سنبھالنے کی نوبت آئی۔ اس لیے بار بار اساتذہ اور اپنے اکابرین کی خدمت میں حاضری دے کر مشورہ کرتا اور ان ہی کی رہ نمائی میں ٹوٹی پھوٹی خدمت انجام دیتا رہا۔ اللہ تعالی قبول فرما کر نجات کا ذریعہ بنائے آمین!''

اسی طرح ایک مرتبہ حضرت مولانا منظور نعمانی کو ایک مرتبہ ''فلاح دارین'' کے تعلیمی کوائف معلوم کرانے اور ''دارالعلوم کی ترقی کے لیے آپ سے مشورہ کرنے کے لیے دعوت دی گئی تو حضرت تین روز کے لیے تشریف لائے اور اردو سے لے کر دورۂ حدیث تک ہر جماعت کے طلبا کو جانچا اور مفید مشورے عنایت فرمائے۔

(۸) اکابر اور اہل اللہ سے تعلق ومحبت:

قرآن مجید کی آیت ہے: **یایها الذین آمنوا اتقوا الله و کونوا مع الصادقین** (توبہ:۱۱۹)

''اے ایمان والو! ڈرو اور سچوں کی صحبت اختیار کرو۔

علامہ آلوسیؒ آیت شریفہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: **خالطوهم لتکونوا مثلهم و کل کریم بالمقارن یقتدی**۔ ''کہ ان کے ساتھ اتنی مخالطت کرو اتنا چلو کہ تم ان کی طرح بن جاؤ ساتھی اپنے ساتھی کی اتباع کرتا ہے۔

سیدنا ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''**المرء علی دین خلیله فلینظر احدکم من یخالط** ''بندہ اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے پس تم میں سے ہر ایک دیکھے کہ وہ کس سے ملتا ہے؟''

آیت شریف اور حدیث مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اکابر اور مشائخ سے تعلق ومحبت اور ان کی اتباع؛ نیز ان کے سامنے سر تسلیم خم کرنے میں آدمی کی حفاظت بھی ہے اور عافیت بھی۔ خصوصاً دور حاضر اور اس پر فتن زمانہ میں اس کی ضرورت واہمیت اور بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ حضرت مولانا کے اوصاف میں سے ایک نمایاں وصف یہ بھی تھا کہ آپ اکابر اور اہل اللہ کو دل سے چاہتے، ان کی بڑی قدر اور بہت اکرام فرماتے تھے۔ حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن صاحب گنگوہی نور اللہ مرقدہ جب جنوبی افریقہ میں تھے، تو حضرت والا برابر ان کی عصر کے بعد کی مجلس میں شرکت فرماتے اور اپنے آپ کو محتاج بنا کر پیش کرتے۔ حضرت فقیہ الامتؒ بھی آپ کی طرف خوب توجہ فرماتے۔ یوپی کے اسفار بھی اپنے دور اہتمام میں بزرگوں کی توجہات اور دعائیں لینے کے لیے ہر سال فرماتے۔

آپ کو اسلاف سے بالخصوص اکابر دیوبند سے والہانہ محبت اور لگاؤ تھا، عمومی وعظ ہو یا خصوصی مجلس، ہر موقع پر ان بزرگوں کا بڑی محبت سے وقیع تذکرہ فرماتے تھے۔ آپ نے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنیؒ سے لے کر مولانا علی میاں ندوی صاحبؒ اور قاری صدیق احمد باندوی صاحبؒ تک کئی اکابر سے استفادہ کیا اور ان کی توجہات سے فیض یاب ہوئے۔ اکابر کی رحلت کے بعد بھی مشائخ کی ملاقات اور افادہ واستفادہ کا سلسلہ برابر جاری رہا۔ کئی بزرگوں نے اپنے اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے اجازتِ بیعت سے بھی نوازا تھا۔

وللّٰہ الحمد علی ذالک.

(۹) صفائی وستھرائی:

قرآن مجید میں اللہ تعالی نے اپنے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کرکے فرمایا:

﴿یاأیھا المدثر، قم فأنذر، وربک فکبر، وثیابک فطھر، والرجز فاھجر﴾

اس آیت میں اللہ تعالی نے حکم فرمایا کہ اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اپنے لباس کو صاف ستھرا رکھو اور اپنے دامن کو شرک کی ناپاکی سے دور رکھو۔ آپ کے دامن پر گندگی اور آلودگی کا کوئی چھینٹا موجود نہ ہو۔

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی طہارت کا خیال پیدا کرنے کے لیے مختلف طریقے سکھائے۔

الحمدللہ! حضرت رئیس مرحوم کا اس حکم قرآنی پر سوفی صد عمل تھا۔

''گلدستہ محبت'' کے مصنف تحریر فرماتے ہیں کہ مولانا خود فطرۃً ایسے نظیف الطبع واقع ہوئے تھے کہ لباس گو سادہ، مگر صاف ستھرا، کبھی آپ کا کپڑا میلا یا کہیں داغ دھبہ نہیں دیکھا گیا۔ حسین سیرت، حسین صورت، سفید برق لباس اور سفید رومال، بس ایسے نظر آتے جیسے کوئی فرشتہ چلا آ رہا ہے۔ آپ کو یہ سب گو فطرۃً ملا ہوا تھا، مگر آپ نظافت وطہارت کے ماحول میں طلبا اور اساتذہ کو بھی دیکھنا چاہتے تھے۔ اس لیے طلبا کے بالوں کی کٹنگ پر کڑی نظر رہتی۔ میلا کپڑا پہنے کوئی مدرسہ نہیں آ سکتا تھا، فوراً کپڑا بدلنے کے لیے واپس کر دیتے۔ طلبا پر آپ کی تربیت کا ہی اثر تھا کہ ہفتہ میں دو مرتبہ کپڑا بدلنا تو بالکل عام تھا، بچے غسل کرتے، کپڑے دھوتے، بدلتے اور حتی الامکان صاف ستھرا رہنے کی کوشش کرتے۔ اساتذہ بھی آپ کی تربیت کے نتیجہ میں اپنی کلاس کے طلبا کے ناخن، بال اور کپڑوں کا برابر جائزہ لیتے رہتے۔

(۱۰) حوصلہ افزائی

آپ ہمیشہ اپنے چھوٹوں کی حوصلہ افزائی فرماتے اور ان کے ادنیٰ کام کو بھی ان کی نگاہ میں بڑا بنا کر پیش فرماتے، تاکہ ان کی ہمت اور حوصلہ مزید بڑھے۔ یہاں پر راقم الحروف اپنا ہی ایک واقعہ سپرد قرطاس کرتا ہے۔

۶ / تا ۸ / نومبر ۲۰۱۵ء جامعہ اکل کوا میں ''رابطۂ ادبِ اسلامی'' کا عظیم الشان سیمینار تین روز تک مختلف نشستوں میں منعقد ہوا۔ جس میں ملک وبیرون ملک کے اہلِ علم وادب حضرات نے بڑے قیمتی اور علمی مقالات پیش کیے۔ رابطہ کی ایک نشست میں حضرت رئیسِ مرحوم نے صدارت فرمائی اور نظامت کے فرائض جامعہ اکل کوا کے قدیم ترین استاذ تفسیر وحدیث حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحیؔ نے بہ حسن وخوبی انجام دیے۔ حسن اتفاق کہ اسی نشست میں راقم ناچیز نے بھی اپنا مقالہ پیش کیا۔ **تحدیث بالنعمة** کے طور پر لکھ رہا ہوں کہ حضرت نے احقر کے مقالہ کی سماعت کے دوران سبحان اللہ! الحمدللہ! کے کلمات سے حوصلہ افزائی فرمائی اور اختتام مقالہ پر مصافحہ کی سعادت سے بھی نوازا۔ یقیناً وہ لمحات میری زندگی میں مبارک ومسعود اور خوشیوں بھرے تھے۔ **اللهم لک الحمد و لک الشکر!**

یقیناً محفلوں میں اندھیرا ہوگا تمہارے بعد
بہت چراغ جلانے ہوں گے روشنی کے لیے

فقط والسلام

خادم مدارس اسلامیہ و علمائے دین حاجی ابراہیم دادا اللہ کو پیارے ہو گئے

انا للہ و انا الیہ راجعون!

حذیفہ وستانوی

جامعہ اکل کوا

جامعہ اکل کوا کے ٹرسٹی، والد محترم حضرت مولانا غلام محمد وستانوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کے عاشق زار، ہندستانی مدارس اسلامیہ کے عظیم معاون، امتِ مسلمہ ہندیہ کے بے لوث خادم، مخلص خدمت گذار اور علما و صلحا کے ساتھ کوٹ کوٹ کر محبت کرنے والے ۶ ر ماہ کی علالت کے بعد شبِ جمعہ کو رات ۱۲ ر بجے دار فانی سے دار باقی کی جانب اپنے رب کریم کے جوارِ رحمت میں چل بسے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون!

ان للّٰہ ما اخذ ولہ ما اعطی ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم ، اللّٰھم اجرنا فی مصیبتنا.

واقعتاً یہ امتِ مسلمہ کے لیے عظیم خسارہ ہے۔ حاجی صاحب میمن برادری سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ نے زندگی بھر امت کے تعلیمی اور رفاہی میدان میں بے پناہ مدد کی۔ آپ خود بھی مدد فرماتے اور مخیرین سے بھی مدد کرواتے تھے۔ آپ کی ان مخلصانہ خدمات کی برکت سے اللہ نے آپ کو نیک اولاد مرحمت فرمائی۔ آپ کے تمام صاحبزادے نیک و صالح، صوم و صلاۃ کے پابند ہیں۔

اقبال بھائی، ناصر بھائی، الیاس بھائی، مولانا عرفان نعیم بھائی، نذیر بھائی، خالد بھائی اور ماشاء اللہ سب ہی اپنے والد کے نقشِ قدم پر ہیں؛ بل کہ آپ کے تمام پوتے بھی صلاح و تقویٰ کے حامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حاجی صاحب کو شبِ جمعہ مقدر فرمائی، یہ آپ کی قبولیتِ خدمات کی علامت ہے۔

حاجی صاحب کا احقر کے ساتھ خصوصی تعلق رہا۔ حاجی صاحب بہ کثرت احقر کے ساتھ فون پر رابطہ میں رہتے اور اکثر مسائل کے بارے میں دریافت کرتے رہتے تھے۔

آپ قوم وملت کے حالات پر بڑی گہری نظر رکھتے تھے۔ انگریزی بھی آپ کی بہت عمدہ تھی۔ بالکل صاف ستھری اور سلیس انداز میں انگریزی میں تکلم کرتے تھے۔ ایک مرتبہ میں نے حاجی صاحب کو اردو میں کتاب مطالعہ کرتے ہوئے دیکھا تو سوال کیا کہ حاجی صاحب! آپ نے اردو کہاں اور کب سیکھی؟ تو مسکرا کر کہنے لگے کہ علما سے تعلق کی بنیاد پر بہ کثرت اردو کتابیں میرے پاس آتی ہیں تو میں نے خود ہی ان کتابوں کو پڑھ پڑھ کر اردو سیکھ لی۔

والد صاحب کی بیماری کا اگر علم ہو جاتا تو بس پھر کیا پوچھنا؟ بار بار فون کر کے دریافت کرتے کہ طبیعت کیسی ہے؟ کبھی رات دیر گئے فون کرتے تو کبھی صبح سویرے فجر سے پہلے فون کرتے۔

حاجی صاحب مرحوم کی صحت بھی خوب اچھی تھی۔ ایک مرتبہ میں نے دریافت کیا کہ حاجی صاحب آپ کی صحت کا راز کیا ہے؟ تو کہنے لگے میں صبح فجر میں بہت پہلے اٹھ جاتا ہوں اور پورے گھر کو اپنے ہاتھ سے صاف کرتا ہوں، جس کی وجہ سے میری ورزش ہو جاتی ہے۔

جب بھی میں حاجی صاحب سے ملنے کے لیے جاتا گھنٹوں نکل جاتے۔ حاجی صاحب بڑے مشکل مشکل سوالات کرتے اور جب میں جواب دیتا تو مطمئن اور خوش ہو کر کہتے کہ دوسرے لوگ میرے سوال کا جواب نہیں دیتے لیکن تم بہت صحیح اور معقول جواب دیتے ہو۔

جب میں ان سے کہتا کہ حاجی صاحب دعا میں یاد فرمائیں تو کہتے میں تمہارے لیے اور تمہارے والد کے لیے بلا ناغہ اور ہمیشہ دعا کرتا ہوں۔ اگر حاجی صاحب کو کسی بڑے پروجیکٹ کے بارے میں دعا کے لیے کہتا تو کہتے آپ لوگوں کا کام تو ہونا ہی ہے، اس لیے کہ اخلاص ہے اور اخلاص والوں کا کوئی کام: اللہ کبھی نہیں روکتا۔

جب بھی میں جاتا تو مہمان نوازی میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ حاجی صاحب کو جامعہ کا قیام بہت پسند تھا۔ جب میں کہتا کہ حاجی صاحب اکل کو تشریف لے چلو تو کہتے مجھے تو آنا ہے اور لمبا رہنا ہے، مگر آپ لوگ مہمان نوازی میں بہت تکلف کرتے ہو، اس لیے مجھے اچھا نہیں لگتا کہ میں کسی کو تکلیف دوں۔

اللہ تعالیٰ آپ کی مغفرت فرمائے، امت کے حق میں آپ کی خدماتِ جلیلہ کو شرف قبولیت اور آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ امت کو آپ کا نعم البدل میسر فرمائے اور آپ کے پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔ آمین یارب العالمین!

باسمہ تعالیٰ

وہ قوم وملت کا مسیحا چل بسا

جامعہ اکل کوا کے رکنِ شوریٰ حاجی ابراہیم دادا کا انتقال پر ملال

مولانا عبدالرحیم صاحب فلاحی استاذ تفسیر وحدیث جامعہ اکل کوا

قانونِ خداوندی ودستورِ الٰہی کے بموجب ﴿این ما تکونوا یدرکم الموت ولو کنتم فی بروج مشیدۃ﴾ موت ایک ایسی اٹل حقیقت ہے، جو عالم وغیر عالم، حکیم وغیر حکیم، تاجر وغیر تاجر، سوداگر وغیر سوداگر، شاہ سوداگر، جھونپڑوں میں بسر کرنے والے اور بلند وبالا عمارتوں کے باشندوں؛ ہر ایک کو موت آنا ایک ایسا سچ ہے جس سے انکار کی کسی کو مجال نہیں ہے۔ ان سب حقائق کے باوجود کچھ اموات روئے زمین پر ایسی وقوع پذیر ہوتی ہیں، جس کی کسک اور احساس صرف افرادِ خانہ تک محدود نہیں رہتا، بل کہ اعزا، اقربا اور ماتحتوں سے تجاوز کر کے ملت کا ایک خاصہ طبقہ ان کی موت کا احساس کرتا ہے جیسا کہ کسی نے کہا ہے ؎

موت اس کی ہے جس کا کرے زمانہ افسوس
یوں تو دنیا میں سبھی آئے ہیں مرنے کے لیے

ایسے ہی خوش قسمت، باصفا، بااخلاق اور انسانیت نواز؛ بل کہ ہمدردِ قوم وملت، تمام مدارسِ اسلامیہ کے عموماً اور جامعہ اکل کوا کے خصوصاً، تمام علمائے دین، مشائخِ عظام کے عموماً اور رئیس جامعہ سے خصوصاً محبت وخلوص کا سلوک کرنے والے ہمارے حاجی ابراہیم دادا اس دنیا سے چل بسے۔ اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ آمین!

مرحوم حاجی صاحب کی رئیس جامعہ سے محبت کی بنیاد:

جامعہ کے رئیس وبانی حضرت وستانوی سے بے پناہ محبت صرف اس لیے تھی کہ اللہ کی مخلوق کو تکالیف ومصائب، جہالت وناخواندگی، غربت وافلاس سے نکال کر سرخ روئی کیسے ملے؟ اور ”احب الخلق الی اللّٰہ من احسن الی عیالہ“ کے مصداق کیسے بنایا جائے اس فکر اور سوچ میں دونوں میں نسبتِ اتحادی تھی۔

جب جب بھی کسی خدا شناس بزرگ یا علما کی مجلس و محفل میں یا اہل خیر احباب کے درمیان جامعہ یا رئیسِ جامعہ کے خدماتِ جلیلہ کا تذکرہ چل پڑتا تو خدماتِ وستانوی کو خدماتِ عالمگیر سے تشبیہ دے کر اکل کوا کے انقلاب حسین، تو کبھی ترویٰ برادری کے تعلیمی بیداری، تو کبھی مراٹھوارہ کی بڑھتی ہوئی تعلیمی ترقی، تو کبھی راجستھان کی سنگلاخ زمین میں قرآنی پکار کا ایسے محبت اور پر کشش انداز میں منظر کشی فرماتے، جس کو سن کر مخاطب جامعہ کا قائل ہو جاتا اور خود کو گویا ذکرِ جامعہ سے قلبی سکون محسوس ہوتا۔

مرحوم پکے موحد تھے:

جناب حاجی صاحب نسلی طور پر میمن تھے۔ علاقۂ کاٹھیاواڑ کے ''اپلیٹا'' مقام کے ''کنڈا'' خاندان سے آپ کا تعلق تھا۔ اس برادری کی خاصیت یہ ہے کہ دنیا کے کسی بھی خطہ یا ملک میں رزقِ حلال کے اسباب مہیا ہوں وہاں ہجرت کر جاتے ہیں اور تجارتِ دنیوی کے ساتھ ساتھ حسبِ توفیق تجارتِ اخروی بھی کرتے ہیں۔ چناں چہ حاجی مرحوم کے خاندان نے بغرضِ تجارت سورت ہجرت کی۔ علاقۂ سورت کے ہی نہیں بل کہ ہندوستان کے عظیم مفتی حضرت مفتی لاجپوریؒ اور حضرت شیخ اجمیریؒ کی صحبتِ باصفا نے توحید کے بیج بوئے اور دعوت و تبلیغ اور اکابرینِ تبلیغ سے وابستگی نے مزید اس کو سیراب کیا۔ حضرت شاہ صدیق باندویؒ کی عارفانہ زندگی نے مزید انقلاب پیدا کیا۔ اور حضرت وستانوی سے بے لوث محبت نے مخلوقِ خدا کا درد اور مدارسِ اسلامیہ کا فکر پیدا کروایا۔

چناں چہ خدمتِ خلق کے زاویے سے اگر حاجی صاحب کی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو ''زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو'' کے آپ پورے پورے مصداق تھے۔

صرف سورت میں ''لوکہات ہسپتال'' کی خدمات پر ایک نظر کی جائے تو ''لوکہات ہسپتال'' میں غریب، مسافر، یتیم اور بیواؤں اور ناداروں کی ایسی خدمات حاجی صاحب اور ان کے ٹرسٹیان کی معرفت ہوئی ہیں کہ ''چھاپی'' سے لے کر ''واپی'' تک بلا تفریق مذہب و ملت بیماروں کی تیمارداری کرنے والا خاموش بافیض ادارہ ''لوکہات ہسپتال'' سے حضرت حاجی صاحبؒ کی وابستگی اور توجۂ خاص کا یہ نتیجہ تھا کہ جامعہ اکل کوا کے طلبہ اور اطرافِ اکل کوا، نندوربار، شہادہ، شیرپور، تلودہ، کوکرمنڈا، راجموئی، میٹھا پھلی، مکرانی پھلی، ساگبارہ، سیلمبا، کھاپر، اور گڑی وغیرہ کے عوام نے مذکورہ شفاخانہ سے وہ فیض اٹھایا ہے، جس کو تاریخ کبھی فراموش نہیں کر سکتی۔ اور مرحوم کے لیے یہ خدمت ذخیرۂ آخرت ثابت ہوں گی۔ ان شاء اللہ!

جامعہ ''السلام ہسپتال'' اور رئیسِ جامعہ کی تحریر پر بڑے بڑے مسئلہ کا حل آپریشن وغیرہ کی شکل میں ہو جاتا۔ اسی طرح مدارس، مکاتب اور علما سے وابستگی کا یہ حال کہ ہندستان کے کون سے علاقے میں لڑکیوں کے مدرسہ کی ضرورت ہے؟ کہاں عصری تعلیم کی ضرورت ہے؟ کہاں آئی ٹی آئی اور کس خطہ میں مساجد اور مدارس کی ؛ چناں چہ ان فکروں کو لے کر حضرت رئیس جامعہ کے ساتھ راجستھان کے علاقہ جودھپور، باڑمیر، بدناپور، رنجنی، حمایت نگر تو کبھی بالا گھاٹ تک کا سفر فرمایا۔ حضرت وستانوی کو حوصلہ ہمت اور دینی فکروں کو بار آور اور ثمر آور کرانے میں ان کا بہت مخلصانہ کردار رہا ہے۔

مرحوم حاجی صاحب ؛صاحب رائے بھی تھے اور صائب الرائے بھی تھے۔ کئی مدارس کے منتظم اور رکن شوریٰ ہونے کی حیثیت سے طلبا، اساتذہ اور منتظمین کے سلسلہ میں بڑی اونچی سوچ اور جذبہ رکھتے تھے۔ چناں چہ گجرات کی بافیض وقدیم دینی درس گاہ دارالعلوم اشرفیہ کے جب رکن شوریٰ منتخب ہوئے تو مولانا یعقوب اشرفؒ کے سامنے تجویز رکھی کہ بہت سے قدیم اساتذہ، زمانہ دراز ۳۵/۴۰/ سال سے مدرس ہیں۔ کیوں نہ ان کے رہائشی مکان کا ان کو مالک بنادیا جائے۔ چناں چہ یہ تجویز منظور ہوکر اس پر عمل کیا گیا۔

مرحوم حاجی صاحب عاشقِ قرآن بھی تھے۔ مختلف مسابقاتِ قرآنیہ میں بہ نفسِ نفیس شریک ہوکر تمام مجالس میں شرکت کی اور مسابقاتِ قرآنیہ کو ایک ''تجدیدی کارنامہ'' قرار دیا۔ اسی طرح منی پور، بہار، اڑیسہ اور ۳۶/ گڑھ کے دور و دراز کے علاقہ کے مدارس اور مساجد آپ کے حسنِ تعاون سے مستفیض ہوئے ہیں۔ جیسا کہ ممبر آف پارلیمنٹ حضرت مولانا اسرار الحق صاحب قاسمی دامت برکاتہم کے تعزیتی پیغام میں بھی اس کا اعتراف کیا گیا ہے۔

شبِ جمعہ ۲۸/ جولائی ۲۰۱۸ء رات ۱۲/ بجکر ۱۰/ منٹ پر حضرت رئیس جامعہ کو آپ کے وصال کی خبر ملتے ہی مولانا حذیفہ صاحب کو مع اساتذہ جنازہ میں پہنچنے کا حکم صادر فرمایا۔ چناں چہ رات بھر حضرت رئیسِ جامعہ؛ متعلقین اور ابنائے حاجی صاحب سے وابستہ رہے۔ چوں کہ حضرت رئیس جامعہ دینی وعلمی سفر پر تھے، خصوصاً دارالعلوم دیوبند، مظاہر علوم سہارن پور کی شوریٰ کی مصروفیت اور اطلاع کی تاخیر کی وجہ سے جنازہ میں حاضری مشکل نظر آئی تو بیان مصطفیٰ کے روحِ رواں مولانا حسن عبداللہ صاحب بھرکوڈروی کو مع اپنے احباب کے تو کبھی راقم الحروف کو مکلّف کیا۔ چناں چہ جامعہ کا ایک وفد مولانا حذیفہ صاحب کی قیادت میں مفتی جعفر صاحب ملی، مولانا عبدالرحمٰن صاحب مدنی، راقم الحروف اور عزیزم مولوی ریحان کی شکل میں صلاۃ جنازہ اور تدفین میں شرکت کی سعادت حاصل کی۔

حضرت مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم شیخ الحدیث جامعہ ڈابھیل نے نماز جنازہ پڑھائی۔ مولانا حذیفہ صاحب نے ایصالِ ثواب کراکے دعائے مغفرت کروائی اور جامعہ کے نائب رئیس حافظ اسحاق صاحب دامت برکاتہم نے تمام مساجدِ جامعہ اور شاخہائے جامعہ میں ایصال ثواب کا اہتمام کروایا۔

اخیر میں بہ طورحسنِ اختتام ایک بات عرض کرتا چلوں، جوتفاول نیک کے قبیل سے ہے۔کسی بزرگ کا قول ہے کہ اگرطواف وداع سے فراغت کے بعد کسی نیک وصالح ،خداشناس عارف باللہ سے ملاقات ہوجائے توحج کے قبولیت کی علامت ہے۔

اسی طرح کسی جنازہ پرجم غفیر کی حاضری بھی مرحوم کی شہادت علی الایمان کی ضمانت ہے۔اسی طرح کسی جنازے پرحاضری کے دوران کوئی آیت یاروایت کابار بارگردش کرنا؛یہ بھی ایک اچھی علامت ہے۔جیسے استاذمحترم حضرت مولانا سیدابراراحمد دھولیویؒ کے مزار پرجنازہ سے لےکراب تک حاضری ہوتی ہےتو یہ آیت وردزبان اورنوک زبان بےاختیار ہوجاتی ہے کہ ﴿ان الابرار لفی نعیم﴾ٹھیک اسی طرح مرحوم حاجی صاحب کا جنازہ تیارتھا۔عزیزم''احمد دادا''صف بندی کی تلقین کررہے تھےاورمفتی صاحب جنازہ کے سینہ بہ سینہ کھڑے تھےاوراس عاجز کے دل ودماغ پر یہ آیت باربارگردش کررہی تھی کہ ﴿ان ابراھیم کان امۃ قانتا للہ حنیفا ولم یک من المشرکین ، شاکرا لانعمہ اجتبہ وھداہ الی صراط مستقیم ، و اتینٰہ فی الدنیا حسنۃ وانہ فی الآخرۃ لمن الصلحین﴾

اس آیت کریمہ میں باری تعالیٰ نے بالیقین اوصافِ سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہی ذکرفرمائے ہیں۔اس میں کوئی دوسری رائے نہیں ہے،لیکن بہ طورنیک فالی اورتفاول کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے؛ابراہیم نامی ایک شخص کومجموعہ محاسن ،بل کہ خوبیوں کا گلدستہ بنایا تھا،کہ ابراہیم اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ابراہیم موحد تھے،شرک سے محفوظ رہتے تھے،ابراہیم رب کی طرف سے ملنے والی نعمتوں پرشاکرانہ زندگی گزارنے والے تھے۔اللہ نے ہرقسمی کارخیر کے لیےان کا انتخاب کیا تھا،صراط مستقیم پرگامزن تھے۔اللہ نے ان کی دنیا بھی اچھی بنائی اورامید ہے کہ آخرت میں بھی باری تعالیٰ زمرۂ صالحین میں شامل فرمائیں گے۔

جامعہ اور جامعہ برادری اس حادثہ کواپنا ذاتی حادثہ تصورکرتا ہے۔اوردعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے اوران کے درجات کوبلند اورپسماندگان کوصبرجمیل عطافرمائے۔آمین!

خدا رحمت برسائے ان کی تربت پر
بڑی خوبیاں تھی رحلت کرنے والے میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آہ!.....................والد محترم!

ایسا کہاں سے لائیں کہ تجھ سا کہیں جسے

محمد اخلاق عادل آبادی/محمد اشفاق عادل آبادی

وفات سے دس روز پہلے والد محترم کو ہارٹ اٹیک (دل کا دورہ) پڑا لیکن انہیں اس کا احساس بھی نہیں ہوا۔ تین دن بعد شدید تکلیف کی وجہ سے جلگاؤں کے ایک ہسپتال میں داخل کرایا گیا۔ اس وقت انہیں یا ان کے کسی عزیز یا متعلقین کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ دنیا سے آخری سفر کے لیے گھر سے ہسپتال جا رہے ہیں۔

سہ شنبہ: ۳؍ ذیقعدۃ الحرام ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۷؍ جولائی ۲۰۱۸ء بروز: منگل کو بہ وقت صبح صادق ۴:۳۰ منٹ پر امام و خطیب شاہی جامع مسجد ایدلہ باد ضلع جلگاؤں ''مولانا مشتاق حسین خان'' ہسپتال ''آرکیڈ'' واقع جلگاؤں میں ۶۳؍ سال کی عمر پا کر اللہ کو پیارے ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

جیسے ہی آپ کی وفات کی خبر عام ہوئی سارے شہر پر رنج و الم کا بادل چھا گیا۔ مرد و عورت، پیر و جوان اور صغیر و کبیر؛ ہر ایک کا رخ آپ کے گھر کی طرف تھا، جو اشک بار آنکھوں سے آپ کا آخری دیدار کرنے اور آپ کے پس ماندگان سے تعزیت کرنے کے لیے بڑی تعداد میں آ رہے تھے، جس سے آپ کی غیر معمولی عوامی مقبولیت کا اندازہ ہو رہا تھا۔

والد محترم رسمی طور پر عالم و فاضل نہ تھے اور انہوں نے کسی مشہور یا غیر مشہور مدرسہ سے عالمیت و فضیلت کی سند حاصل نہیں کی تھی۔ لیکن ''مشتاق مولانا'' صوبہ خاندیش کے ایک بڑے علاقہ میں ایک باوقار و پر اعتبار نام بن گیا تھا، جس کا مصداق صلاح و تقویٰ، دین داری و پرہیزگاری، غیر معمولی تواضع و انکساری، بے نظیر حلم و بردباری، بیواؤں اور یتیموں کی خبر گیری، دعوت و تبلیغ میں فنائیت، جماعت کی خدمت و نصرت، شکایاتِ زمانہ سے گریزاں، تھوڑے مال اور امیدوں پر قانع، عبادات و اعمال کے وافر ذخیرے کے مشتاق و متمنی، اپنے پروردگار پر بہت زیادہ بھروسہ، شریفانہ عادات و اطوار، عمدہ اخلاق و کردار کے مالک، دنیائے دنی سے بے رغبتی اور خانۂ خدا کی چوکھٹ پر پڑے رہنے والے ایک بڑے نیک نام آدمی کی ناقابلِ شمار خوبیوں سے عبارت تھا۔

ہم نے والدِ محترم کو کسی لمحہ لایعنی میں مشغول نہیں پایا۔ وہ اپنے فرائض منصبی کو انتہائی ایمان داری، چستی اور وقت کی پابندی کے ساتھ ادا کرتے۔ عبادت وتلاوت ان کا امتیاز اور پابندی اوقات ان کی شناخت تھی۔ وہ قیام اللیل اور نوافل کے فرائض ہی کی طرح پابند تھے، خلقِ خدا سے میل جول، لوگوں کے غم والم اور خوشی ومسرت میں پورے طرح شریک رہنے کا جذبہ وسلیقہ اُن کی گھٹی میں پڑا تھا، ہمیں اپنی خدمت کا کبھی موقع نہیں دیا، لیکن خود ہماری خدمت کرتے کرتے چلے گئے، بھائی بہنوں کے غیر واجبی حقوق بھی بڑی خاطر داری سے ادا کرتے، خاموش مزاجی اور کم سخنی سے پہچانے جاتے تھے، بغیر کسی رنجش وعداوت اور شکوہ وشکایت کے؛ ایک ہی مسجد میں ۳۲ سال تک امامت کے فرائض انجام دیتے رہے۔

سہ شنبہ و چہار شنبہ کی درمیانی شب میں بعد نماز عشا ۳۰: ۰۹ منٹ پر والد محترم کی نماز جنازہ ''الفلاح اردو ہائی اسکول ایدلہ باد'' کے وسیع وعریض میدان میں پڑھائی گئی اور ہزاروں غم زدہ اعزا واقربا، عام مسلمانوں، علما وحفاظ اور شہر و بیرونِ شہر سے آئے ہوئے سوگواروں کی موجودگی میں سپرد خاک کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ آپ پر اپنے نیک بندوں جیسی رحمت برسائے۔ آپ کو اپنی جنت میں انبیا، صدیقین، شہدا وصالحین کے ساتھ جگہ عطا کرے اور دین کی جو بے بہا خدمت انجام دی، اس کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ ہم اہل خانہ، رشتہ دار واقارب اور تمام محبین کو صبر وشکیبائی کی توفیق دے، ہمیں آپ کی جدائی کے اجر سے فیض یاب کرے، آپ کے بعد کسی آزمائش میں نہ ڈالے اور ہمیں آپ کی صالحیت سے حصۂ وافر عطا فرمائے۔ اللہ کا درود وسلام اور اس کی برکت نازل ہو اس کے بندے اور رسول ہمارے آقا اور روزِ محشر ہمارے شفاعت کنندہ یعنی رسولوں کے سردار حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے آل واصحاب پر، نیز قیامت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی پیروی کرنے والوں پر۔

آمین یارب العالمین!

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

☆......☆......☆

جامعہ کے شب وروز:

جامعہ کے شب وروز

سالانہ جلسہ

صوبۂ مہاراشٹر کی عظیم دینی،عصری وتربیتی دانش گاہ

جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا نندوربار مہاراشٹر کا ۳۰ رواں دستارِ فضیلت اور ۲۹ رواں عظیم الشان سالانہ جلسہ ۸ رشعبان المعظم ۱۴۳۹ھ-۲۵ راپریل ۲۰۱۸ء بروز بدھ بعدِ نمازِ مغرب جامعہ کی عظیم الشان مسجد "مسجدِ میمنی" میں نہایت تزک واحتشام سے منعقد ہوا،جس میں بہ حیثیت مہمانِ خصوصی ملک وبیرون ملک کے مندرجہ ذیل اکابرین مدعو تھے۔

حضرت مولانا خالد فیصل صاحب ندوی غازی پوری (استاذ دار العلوم ندوۃ العلما لکھنؤ)

پروفیسر جناب انیس چشتی صاحب

فضیلۃ الشیخ عمر بن عبد العزیز السیاری (مدینہ منورہ)

رئیس الجامعہ حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی دامت برکاتہم کی صدارت میں تلاوتِ کلام پاک سے جلسہ کا آغاز ہوا۔اس کے بعد طلبائے کرام نے اپنے نرالے انداز میں حمدِ باری تعالیٰ،نعتیہ کلام،مکالمے اور مختلف زبانوں میں خطاب فرما کر سامعین کے قلوب کو موہ لیا۔طلبہ کے پروگرام کے بعد مہمانانِ خصوصی کے نصیحت آموز تقاریر اور ایمان افروز خطابات سے سامعین محظوظ ہوئے۔

پروگرام الحمدللہ بہت ہی کامیاب رہا۔اس عظیم الشان دینی اور بابرکت اجلاس میں شعبۂ عالمیت سے فراغت حاصل کرنے والے ۳۲۳ رعلما،شعبۂ تحفیظ القرآن الکریم سے حفظ مکمل کرنے والے ۶۴۴ رحفاظ،شعبۂ افتا سے فارغ ہونے والے ۱۰ رمفتیانِ کرام،شعبۂ ڈپلوما انگلش کورس سے فارغ ہونے والے ۳ رعلما،تکمیل عربی ادب کرنے والے ۹ رعلما،شعبہ دینیات سے ناظرہ قرآن مکمل کرنے والے ۹۶۲ رطلبہ کو بزرگانِ دین اور عمائدینِ ملت کے ہاتھوں دستارِ فضیلت اور اسناد تقسیم کی گئی۔

اس اجلاس کو کامیاب بنانے میں نائب رئیس جامعہ حضرت حافظ اسحاق صاحب وستانوی،ناظم مطبخ حافظ عبد الصمد صاحب،حافظ سلیمان صاحب وستانوی،مولانا عبد الرحیم صاحب فلاحی،مولانا حذیفہ صاحب وستانوی،مولانا محمد علی صاحب ڈڈھانوی،مولانا فاروق صاحب وستانوی اور مولانا اویس صاحب وستانوی وغیرہم کا بڑا تعاون رہا ہے۔

آخر میں جامعہ برادری اپنے تمام مہمان کرام کا شکریہ ادا کرتا ہے،جو اپنے قیمتی وقت کو نکال کر اس عظیم الشان دینی پروگرام میں تشریف لائے اور اس کو کامیاب بنانے میں ہماری مدد فرمائی۔فجزاھم اللہ خیرا لجزاء ۔

دارالتعلیم والتربیۃ جامعہ اکل کوا میں سہ روزہ مسابقۃ القرآن الکریم کا انعقاد

۹، ۱۰، ۱۱؍ اپریل ۲۰۱۸ء دارالتعلیم والتربیۃ جامعہ اکل کوا میں طلبۂ دینیات کے مابین سہ روزہ مسابقۃ القرآن حضرت مولانا سعید صاحب وستانوی (ناظم دارالتعلیم والتربیۃ) کے زیر نگرانی منعقد ہوا۔

ناظرہ قرآن کریم کا یہ مسابقہ ۱۰۰؍ فروعات پر مشتمل تھا، جس میں ۳۱۹۷؍ طلبہ نے حصہ لیا۔

پہلا مسابقہ ۱۰؍ اپریل ۲۰۱۸ء کو ۳۵؍ فروعات پر مشتمل ہوا۔ جس میں سال اول کے پارۂ عم میں ۱۲۳۸؍ طلبہ نے حصہ لیا اور ۲۴۳؍ طلبہ امتیازی نمبرات سے کامیاب ہوئے۔

دوسرا مسابقہ ۹؍ اپریل ۲۰۱۸ء کو منعقد ہوا، جس میں سال دوم (پارہ ۱؍ تا ۱۲؍ ناظرۂ قرآن) کے ۱۰۵۵؍ طلبہ نے ۳۵؍ فروعات میں شرکت کی۔ جس میں ۱۸۵؍ طلبہ نے امتیازی پوزیشن حاصل کی۔

تیسرا مسابقہ سال سوم (مکمل ناظرۂ قرآن کریم) کے طلبہ کے مابین منعقد کیا گیا، جس میں ۹۰۴؍ طلبہ نے اپنی قسمت آزمائی کی اور ۱۰۸؍ طلبہ امتیازی نمبرات سے فائز ہوئے۔

تینوں مسابقات میں امتیازی نمبرات سے کامیاب ہونے والے ۵۳۶؍ طلبہ کو گراں قدر انعامات اور قیمتی تحائف سے نوازا گیا۔

مکمل قرآن کریم (سالِ سوم) میں کامیاب ہونے والے ۱۰۸؍ طلبہ کو مجموعی طور پر ایک لاکھ ساٹھ ہزار نقد انعام سے نوازا گیا۔ جس میں اول نمبر کے طالب علم کو ۲۰۰۰؍ روپے۔ دوسرے نمبر کو ۱۵۰۰؍ اور تیسرے کو ۱۰۰۰؍ روپے نقد دیے گئے۔

اسی طرح سالِ دوم (پارہ ۱؍ تا ۱۲؍ ناظرۂ قرآن) میں کامیاب ہونے والے ۱۸۵؍ طلبہ کو مجموعی طور پر ایک لاکھ ترانوے ہزار نو سو روپے نقد رقم کی شکل میں پیش کیا گیا، جس میں سے پہلے نمبر والے کو ۲۰۰۰؍ دوسرے نمبر والے کو ۱۵۰۰؍ اور تیسرے نمبر والے کو ۱۰۰۰؍ دیا گیا۔

اور سال اول (پارۂ عم) میں امتیازی نمبرات حاصل کرنے والے ۲۴۳؍ طلبہ کو مجموعی طور پر ایک لاکھ اکہتر ہزار تین سو روپے نقد پیش کیے گئے۔ جس میں اول نمبر حاصل کرنے والے طالب علم کو ۱۰۰۰؍ دوم نمبر والے طالب علم کو ۷۰۰؍ اور سوم نمبر والے طالب علم کو ۵۰۰؍ روپئے ہدیۂ پیش کیے گئے۔

مجموعی طور پر کل نقد انعامات پانچ لاکھ ستاسی ہزار دو سو روپئے تقسیم کیے گئے۔

اس کے علاوہ ایک ٹراویل بیگ، ایک جوڑا کپڑا اور ایک عدد عطر کی شیشی ہدیۂ پیش کیے گئے۔

اسی کے ساتھ ایسے ۱۲؍اساتذہ؛ جن کے طلبہ نے امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کی، انہیں مجموعی طور پر ۶۲؍ ہزار روپئے بہ طور انعام دیا گیا۔ جن میں مکمل قرآن پاک سے متعلق ۵؍اساتذہ کو ۳۰۰۰؍ کے حساب سے پندرہ ہزار روپئے۔ ۱؍تا ۱۲؍ پارہ والے ۳؍اساتذہ کو ۲۰۰۰؍ کے حساب سے ۶۰۰۰؍ اور سال اول (پارۂ عم) کے ۶؍اساتذہ کو ۱۵۰۰؍ کے حساب سے کل ۹۰۰۰؍ کے علاوہ ایک بیگ، ایک جوڑا کپڑا، ایک عدد عطر، ہاتھ گھڑی، ایک قلم، ایک ٹرافی اور دیگر کتابیں پیش کی گئیں۔

خصوصی انعام:

پانچ سال سے مسلسل امتیازی پوزیشن لانے والے دو اساتذہ مولانا آصف نانے گاؤں اور مولانا عرفان بھڑکودروی صاحبان کو دس دس ہزار روپئے اور عمرہ کی خصوصی گفٹ پیش کی گئی۔

تین سال سے مسلسل امتیازی پوزیشن حاصل کرنے والے تین اساتذہ (۱) مولانا جنید صاحب اشاعتی (۲) مولانا محمد ساجد صاحب پوناؔ اور (۳) مولانا جنید صاحب لونی کو پانچ پانچ ہزار کی رقم دی گئی۔

اس مسابقہ کا انعامی جلسہ ۱۳؍اپریل ۲۰۱۸ء کو رئیس الجامعہ حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی دامت برکاتہم کی صدارت میں منعقد ہوا، جس میں طلبہ نے تلاوت قرآن، حمد و نعت اور دل کش پروگرام پیش کرکے سامعین کے دلوں کو جیت لیا۔ نیز حضرت رئیس الجامعہ دامت برکاتہم نے اپنے مختصر اور پُر مغز خطاب میں طلبہ اور اساتذۂ کرام کی محنت کو خوب سراہتے ہوئے مزید محنت اور ترقی تعلیم کی تلقین کی۔ اور آپ ہی کی دعا پر مجلس کا اختتام ہوا۔

ناظم دارالتعلیم والتربیۃ حضرت مولانا سعید صاحب وستانوی شدت مرض کے باوجود بھی اجلاس کی پوری نگرانی اور رہ نمائی کرتے رہے۔ اس جہد عظیم پر جامعہ برادری انہیں مبارک باد پیش کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں شفائے کاملہ، عاجلہ، دائمہ اور مستمرہ عطا فرما کر ان کی محنتوں اور کوششوں کو چار چاند لگائے اور انہیں اجر عظیم عطا فرمائے۔

☆......☆......☆

رمضان اور جامعہ

حفاظِ جامعہ ملک کے گوشے گوشے میں:

الحمد للہ! جامعہ اپنے فرزندوں کو ابتدا ہی سے دین کا داعی اور دین کا خادم بننے کی عملی مشق کراتا ہے۔ سال بھر یہ طلبہ جامعہ کے ماحول اور اپنے اساتذہ کی نگرانی میں رہ کر علومِ دینیہ سے مالا مال ہوتے ہیں اور ان کی تربیت سے مستفاد ہو کر ایامِ تعطیل میں اس حاصل شدہ بیش بہا خزانے کو، امتِ مسلمہ تک پہنچانے کے لیے ملک کے گوشے گوشے میں پھیل جاتے ہیں۔ خصوصاً جامعہ ایسے علاقوں کا رخ کرتا ہے جو مالی اور دینی ہر دو اعتبار سے بالکل پچھڑے ہوئے اور پسماندہ ہیں۔ الحمد للہ جامعہ اپنے مقصد کو سامنے رکھ کر اپنے فرزندوں کو ایسے ہی علاقے کی طرف روانہ کرتا ہے۔ اور چوں کہ رئیس جامعہ پورے سال اپنے طلبہ کی ذہن سازی کرتے ہیں، ان کے دلوں میں **وما اسئلکم علیہ من اجر ان اجری الا علی اللہ** کی روح پھونک دیتے ہیں۔ بریں بنا یہ طلبہ ان علاقوں میں پھیل پڑتے ہیں اور نام و نمود کو خیر آباد کہہ کر رضائے الٰہی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے، اس ایک مہینہ میں دل جمعی اور لگن کے ساتھ تراویح کے ساتھ ساتھ تبلیغِ دین اور دعوتِ دین کا فریضہ بھی اچھی طرح انجام دیتے ہیں۔

ذیل میں ان علاقوں کے نام اور طلبہ کی تعداد درج کی جارہی ہے۔

نمبر شمار	علاقہ	تعداد حفاظ	نمبر شمار	علاقہ	تعداد حفاظ
۱	کوچ بہار	48	۷	بیجاپور	20
۲	راجمندری	24	۸	وشاکھاپٹنم	07
۳	وجے واڑہ	16	۹	شولاپور	10
۴	بالاگھاٹ	15	۱۰	چندرپور	02
۵	سانگلی	36	۱۱	سیونی	08
۶	عثمان آباد	12	۱۲	کل	**233**
☆	متفرق	18	☆	☆☆	☆☆☆

علاقہ تک پہنچنے کے تمام اخراجات جامعہ ہی برداشت کرتا ہے اور امت کی امانت کو صحیح اور اہم مصارف میں لگانے کا اہتمام ہمیشہ جامعہ کے پیشِ نظر رہتا ہے۔

ماہِ رمضان میں جامعہ کا نظامِ امدادِ مالی:

رمضان المبارک میں جیسا کہ معلوم ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صدقات وخیرات کرنے میں سیل رواں کے مانند ہوجاتے تھے اور اپنے مال کے دہانے کھول کر رکھ دیتے تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اسی سنت پر عمل کرتے ہوئے مسلمان بھی اس ماہ میں انفاق فی سبیل اللہ کی طرف راغب ہوجاتے ہیں اور غریبوں، بیواؤں اور یتیموں کی امداد کرنے کو کار خیر سمجھتے ہیں۔

بیواؤں کی امداد:

چناں چہ جامعہ بھی رمضان کے اس مبارک مہینے میں بیواؤں،غریبوں،یتیموں اور مسکینوں کی امداد کرتا ہے۔امسال مہاراشٹر کے پسماندہ علاقوں کے علاوہ ملک کے دوسرے صوبوں میں بھی بیواؤں کو تلاش کرکے ان تک مال اور غذائی تعاون پہنچانے کا نظم کیا گیا اور ایک بڑی تعداد کو یہ تعاون جامعہ نے اپنی نگرانی میں اور اپنے کارکنوں کی مدد سے پہنچانے کا نظم کیا۔

علاقہ اور تعدادِ بیوگان

نمبر شمار	اسمائے مراکز	تعداد بیوگان
1	بدناپور	400
2	رنجنی	800
3	جعفرآباد	500
4	انوا	300
5	نمبائتی	300
6	کنج کھیڑا	500
7	عشٹر	980
8	نانے گاؤں	300

جامعہ کے شب و روز:

9	منجلے گاؤں (بنین)	300
10	منجلے گاؤں (بنات)	300
11	احمد پور	500
12	چپلہ	600
13	پاتھری	300
14	اوسہ	400
15	عثمان آباد	300
16	کسارا بالکنڈا	100
17	نندوربار	350
18	اکل کوا	509
19	سپول	200
20	مرشد آباد	500
21	رانکا	200

ہر ایک بیوہ کو ایک کیلو دال، ۳ کیلو تیل، ۵ر کیلو چاول، ۱۰ر کیلو آٹا، آدھا کیلو چائے پتی، ار کیلو نمک اور ار کیلو کھجور کا پیکیج دیا گیا۔

نظامِ افطار :

رمضان میں چوں کہ روزہ دار کو افطار کرانے کی بڑی فضیلت وارد ہوئی ہے۔ انھی تمام فرامینِ رسول پر عمل کرتے ہوئے جامعہ صوبہ مہاراشٹر کے مختلف اضلاع، جیسے: کنج کھیڑا، چپلہ، جعفرآباد، عثمان آباد، پلوس، ایولہ، نندوربار، اورنگ آباد اور جالنا وغیرہ کو سینٹر بنا کر وہاں اور اطراف میں پورے ماہ افطار کا نظام کرتا ہے، جس کے تحت ہر روز ۳۰۰۰۰ر ہزار روزہ دار افطار کرتے ہیں۔

سفرائے مدارس کی امداد :

جامعہ رمضان المبارک میں ملک کے مختلف گوشے گوشے سے آنے والے سفرائے مدارس کو بھی ان کے مدارس کے تناسب سے مالی امداد کرتا ہے۔ جہاں جتنے طلبہ ہوتے اور جس قدر ضرورت ہوتی ہے، ان کی اسی حساب سے مدد کرتا ہے، چناں چہ امسال بھی گذشتہ کی طرح مدارس کا تعاون کیا گیا۔

اعتکاف :

الحمدللہ حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی حفظہ اللہ کا سالوں سے معمول ہے کہ وہ جامعہ کی عظیم الشان مسجد ''مسجد میمنی'' میں اخیر عشرہ کا اعتکاف کرتے ہیں، جن میں آپ کے مریدین اور ملک بھر کے کبار علمائے دین شرکت فرماتے ہیں؛ جہاں یہ معتکفین اعتکاف کی عظیم دولت حاصل کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں؛ وہیں رئیسِ جامعہ کی تربیت میں رہ کر اصلاحِ قلوب کی بیش بہا دولت سے بھی سرفراز ہوتے ہیں اور دنیا بے زاری، دین داری، خدمتِ خلق کا جذبہ لے کر اور اپنے رب کو راضی کر کے جامعہ سے رخصت ہوتے ہیں۔ اللہ ہم تمام مسلمانوں کو اخیر عشرہ کے اعتکاف اور اصلاح قلوب کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

معمولاتِ اعتکاف:

وقت افطار :

تمام معتکفین کم از کم ۱۵؍ منٹ دعا کا اہتمام کرتے ہیں۔

نماز مغرب :

نماز مغرب کی ادائیگی کے بعد اوابین سے فارغ ہوکر کھانا تناول کرتے ہیں اور اذانِ عشا تک انفرادی عمل میں مشغول رہتے ہیں۔

جامعہ کے شب وروز:

نماز عشا :

عشا کی نماز باجماعت ادا کر سنت ونوافل سے فارغ ہوکر ۲۰؍رکعت تراویح ادا کرتے ہیں۔فراغت کے بعد سورہ یٰس کی تلاوت ہوتی ہے،بعدہ چہل درود پڑھتے اوراس کے بعد حضرت دعا فرماتے ہیں،جس میں پوری امت کے لیے اپنے مولیٰ سے گڑگڑا کر بھیک مانگتے ہیں،ان پرڈھائی جانے والی مصیبتوں کے ازالہ کی فریاد،ان کی جان،مال اورایمان کی حفاظت کی دعا کرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ان بزرگان دین کو جزائے خیر عطا فرمائے؛جنہوں نے اپنا اوڑھنا بچھونا امت کی فکر کو بنالیا ہے۔دعا سے فراغت کے بعد ۱۰؍منٹ حضرت وعظ ونصیحت فرماتے ہیں ،اس کے بعد لوگ آرام کی تیاری کرتے ہیں اور حضرت ملاقات کے لیے آنے والے مہمانوں میں مصروف ہوجاتے ہیں۔پھر دو گھنٹے آرام کے بعد سحری سے ۲؍گھنٹے قبل تہجد میں مصروف ہوجاتے ہیں۔حضرت کا روزانہ ۳؍پارہ تہجد میں سننے کا معمول ہے،پھر سحری کا نظم ہوتا ہے،وقت سحر ختم ہونے کے ۱۵؍منٹ بعد اذان ہوتی ہے اوراذان کے ۱۵؍منٹ بعد جماعت۔

نماز فجر :

فجر کی نماز سے فراغت کے بعد ۱۰؍منٹ تعلیم ہوتی ہے،پھر دعا وغیرہ سے فارغ ہوکر انفرادی عمل میں لوگ مشغول ہوجاتے ہیں اور بعد الاشراق آرام کرتے ہیں۔۱۱؍بجے تمام ضروریات سے فارغ ہوکر معتکفین اور حاضرین ’’اکمال الشیم‘‘ کی تعلیم میں بیٹھتے ہیں۔۱۱؍سے ۱۲؍تک تعلیم ہوتی ہے بعدہ ۱؍بجے ظہر کی اذان ہوتی ہے۔

نماز ظہر :

۱:۳۰؍پر ظہر کی نماز ادا کی جاتی ہے اوراس کے بعد ختم خواجگان ہوتا ہے،جو جامعہ کا پورے سال کا نظام ہے۔ختم خواجگان کے بعد حضرت کی دعا ہوتی ہے،پھر ذکر کی مجلس لگتی ہے،ذکر کی مجلس سے فراغت کے بعد حضرت وعظ ونصیحت فرماتے ہیں۔

نماز عصر :

عصر کی نماز کے بعد ۴۵؍منٹ پورے رمضان تفسیر کا معمول رہتا ہے،جس میں شروع سے کالج کے بچے شریک رہتے ہیں۔تفسیر کے بعد لوگ انفرادی عمل میں مشغول ہوجاتے ہیں،اس طرح یہ اخیر عشرہ کے تمام اوقات ذکرواذکار اوراصلاح وتربیت وغیرہ میں گزرتے ہیں۔اللہ تعالیٰ ہم سب کو رمضان المبارک کی صحیح قدردانی کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

رئیس جامعہ حضرت مولانا وستانوی صاحب امام حرم شیخ عبد الرحمٰن حذیفی کے ساتھ

مولانا عبد الرحمٰن ملی ندوی

رمضان المبارک کے بابرکت ایام میں اللہ تعالیٰ نے رئیس جامعہ حضرت مولانا غلام محمد صاحب وستانوی دامت برکاتہم کو عمرہ کی سعادت سے سرفراز فرمایا۔ آپ کے ساتھ جامعہ کے ناظم تعلیمات جناب مولانا حذیفہ وستانوی بھی شریک سفر تھے۔

عمرہ کی مبارک عبادت کے دوران جب حضرت رئیس جامعہ کا مدینہ منورہ کی طرف سفر ہوا تو درمیان سفر اللہ تعالیٰ نے امام حرم نبوی جناب شیخ عبد الرحمٰن علی حذیفی کی زیارت وملاقات سے مشرف فرمایا، ساتھ ہی مؤذنِ مسجد نبوی جناب شیخ ایاد شکری سے بھی ملاقات رہی۔

اس زریں موقع پر مدیر شفیذی اور ناظم تعلیمات جناب مولانا حذیفہ صاحب وستانوی نے امام حرم نبوی شیخ عبد الرحمٰن علی حذیفی سے ہندستانی مدارس وجامعات کا بہترین تعارف کراتے ہوئے جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کی خدمات سے بھی متعارف کرایا کہ جامعہ میں فی الحال ۱۵ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں اور اس کی مرکزی شاخوں میں ایک لاکھ اسی ہزار طلبہ مصروف تعلیم ہیں۔ اسی طرح جامعہ کے احاطہ میں عصری کالجوں میں یونانی میڈیکل کالج، فارمیسی کالج، انجینئرنگ کالج اور دیگر کالجز اپنی خدمات انجام دینے میں مصروف ہیں۔

اب تک جامعہ کے مختلف تعلیمی شعبہ جات شاخوں اور مکاتب سے دو لاکھ سے زائد طلبہ وطالبات فارغ ہوئیں۔ جامعہ نے تقریباً آٹھ ہزار مساجد تعمیر کیں، نو ہزار کنویں، بورویل اور ۳۲ ر اسپتال بنائے۔ ان تمام معلومات کو سن کر امام حرم نے حضرت مولانا وستانوی صاحب پر تعجب کی نگاہ ڈالی اور فرمایا "**إنه والله جهاد كبير، تقبل الله جهودكم**" یہ تو اس زمانہ کا بہت بڑا جہاد ہے اللہ تعالیٰ آپ کی کاوشوں کو شرف قبولیت سے نوازے۔ آمین!

امام حرم نبوی نے اپنی اس ملاقات میں عقیدہ کی پختگی پر زور دیا اور عقائد کی کتابوں کی تدریس کا اشارہ دیا، جس پر الحمد للہ جامعہ پہلے ہی سے عمل پیرا ہے۔

درمیان عمرہ شیخ اکرم بخاری، شیخ عامر بہجت اور شیخ احمد عاشور سے بھی ملاقاتیں رہیں اور بڑی علمی و پر لطف مجالس ہوتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ رئیس جامعہ دامت برکاتہم کو صحت وتن درستی کی نعمت سے سرفراز فرمائے اور جامعہ کو ہر طرح کی تعلیمی، تربیتی اور تعمیراتی ترقیوں سے ہمکنار فرمائے۔

مدیر جامعہ حضرت مولانا حذیفہ غلام محمد وستانوی کی ملیشیا کی عالمی کانفرنس میں شرکت

جامعہ کے نامہ نگار

یہ حقیقت ہے کہ جامعہ کے جواں سال، مدیر تنفیذی اور فعال ناظم تعلیمات جناب مولانا حذیفہ غلام محمد وستانوی صاحب علمی مذاکرات، دینی مجالس اور سماجی تنظیموں میں لگا ہے بہ گاہے اپنی محمود فکر اور مثبت سوچ کے ساتھ شرکت کرتے رہتے ہیں، بل کہ عالمی فکری کانفرنسوں میں بھی اپنے علمی مقالوں اور قابل تحسین مطالعہ کے ساتھ اسلامی اسکالرس اور عالمی حیثیت رکھنے والے مفکرین کے درمیان مجالست بھی کرتے ہیں اور مطالعہ کی روشنی میں حالات حاضرہ کا تجزیہ کرتے ہوئے اپنی فکر بھی پیش کرتے ہیں۔

ادھر ۲۵ تا ۲۷ جون کو موصوف نے عالمی جامعہ اسلامیہ ملیشیا کی دعوت پر انٹرنیشنل کانفرنس میں شرکت فرمائی۔ جو ملیشیا کے "جاکرتا" نامی شہر میں منعقد ہوئی تھی اور جس میں تقریباً ۲۵ ملکوں کے ۷۰ جامعات نے شرکت کی تھی۔ یہ کانفرنس عالمی جامعہ اسلامیہ ملیشیا اور عمان کے "اتحاد الجامعات العربیة" کے تعاون سے ملیشیا کی عظیم یونیورسٹی میں منعقد ہوئی تھی۔

کانفرنس کا آغاز اور افتتاحی مجلس کوالمپور کے ہوٹل "میری پاسفیک" میں ہوئی، جس میں علما، صلحا، دانشوران اور مختلف ممالک کے سفراء شریک تھے۔ ڈاکٹر زلیخا قمر الدین اور ڈاکٹر عبد العزیز برغوث کی نیابت کرتے ہوئے جامعہ کے کلیدی ذمہ داروں نے مختلف ممالک سے تعلق رکھنے والے مہمانوں کا پرتپاک استقبال کیا۔ کانفرنس کی کارروائی آگے بڑھاتے ہوئے "اتحاد الجامعات العربیة" کے ڈائرکٹر جناب ڈاکٹر سلطان ابوعرابی نے جامعہ ملیشیا کی ڈائرکٹر محترمہ زلیخا کی جانب سے کلیدی گفتگو فرمائی، جس میں آپ نے فرمایا کہ دنیا بھر کی یونیورسٹیوں اور جامعات کے درمیان باہمی علمی تعاون اور مذکراتی باتیں ہونی چاہیے۔

کانفرنس کے اختتام پر جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا کے ناظم تعلیمات اور مدیر تنفیذی نے عالمی جامعہ اسلامیہ ملیشیا اور اس کے ذمہ داروں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس اہم اور تاریخی کانفرنس کے انعقاد پر انہیں مبارک بادی پیش کی۔ اور فرمایا کہ ہندستان میں الحمد للہ بہت سی دینی، عصری یونیورسٹیاں اور جامعات ہیں، جن کا اسلامی تہذیب اور دینی ثقافت کی ترویج واشاعت میں اہم تاریخی کردار اور رول رہا ہے۔ لیکن افسوس کہ ان دینی واسلامی جامعات کا عالمی جامعات کے ساتھ بعض اوقات کوئی باہمی علمی اور مذکراتی ربط نہیں ہے۔ اور اس کی وجہ شاید یہ ہوسکتی ہے کہ ان جامعات کے کلیدی ذمہ داروں کا آپسی رابطہ نہیں ہو پاتا۔ اس لیے ہندستانی جامعات اور دینی مرکزی مدارس کی بھی ذمہ داری ہے کہ ایسی عالمی جامعات کے علمی، تربیتی، مواد سے مستفید ہوں اور اس کی شکلیں نکالیں۔ مولانا حذیفہ صاحب وستانوی کی اس گفتگو کو حاضرین اور دانشوروں نے قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اس کو بڑی اہمیت دی۔

جامعہ کے تعلیمی سال کا آغاز

جامعہ میں ۲۶/اپریل ۲۰۱۸ء سے ۲۴/جون ۲۰۱۸ء تک سالانہ تعطیل رہی۔ الحمدللہ جامعہ کا نظام اس قدر مستحکم ہے کہ تاریخِ تعطیل ختم ہونے سے ایک دو روز قبل ہی سے طلبہ کی اکثریت جامعہ پہنچ جاتی ہے؛ کیوں کہ جامعہ اپنے تعلیمی ایام میں سے صرف ۲/۳ یوم ہی داخلے کی کارروائی میں صرف کرتا ہے اور پھر باقاعدہ تعلیم شروع ہو جاتی ہے۔

الحمدللہ امسال بھی ۲۵، ۲۶، ۲۷/جون تین یوم میں داخلہ کی کارروائی مکمل ہوگئی اور ۲۸/جون صبح جامعہ کی مسجدِ میمنی میں رئیسِ جامعہ نے تمام اساتذہ کے درمیان افتتاحی مجلس رکھی اور تدریس سے متعلق نہایت اہم نصیحتیں اور تجربات بتاتے ہوئے کہا؛ ہمیں بس آپ حضرات کے کام سے مطلب ہے نہ کے سلام سے۔ آپ حضرات اپنی مفوضہ ذمے داری میں صفت احسان کے ساتھ لگے رہیں، میرے پاس آنے اور سلام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

اسی طرح ظہر بعد طلبہ کے درمیان مجلس ہوئی، جس میں معمول کے مطابق تلاوتِ کلام پاک کے بعد رئیسِ جامعہ نے طلبہ کے درمیان تعلیم وتربیت سے متعلق نہایت اہم نصیحتیں فرمائی؛ اکابرین کی تعلیمی جدوجہد اور حصولِ علم کی غرض اور اس کے خاطر شوق ولگن، درسی کتب، درس گاہ مدرسہ اساتذہ کا ادب ان سے محبت؛ مطالعہ، اسباق اور تکرار و مذاکرہ کی اہمیت وغیرہ بچوں کی ذہن نشیں کروائیں اور خصوصی نصیحت کرتے ہوئے کہا کہ ہمیشہ اپنے گھر بار چھوڑ کر مدرسے آنے کے مقصد کو یاد رکھو اس کا استحضار ہمیشہ رہے اور اخیر میں آپ کی پُر رقت دعا پر اس افتتاحی مجلس کا اختتام ہوا۔

نقشۂ داخلہ بمطابق ۲۵/جون ۲۰۱۸ء

عالمیت	تعداد	حفظ	تعداد	دینیات	تعداد
قدیم	1251	قدیم	1820	قدیم	1750
ازحفظ	168	ازدینیات	615	جدید	1724
ازدینیات	89	جدید	772	......	......
ازشاخ	70	......	......	......	......
جدید	225	......	......	کل	3474
کل	1903	کل	3207	مجموعی تعداد	8584

اللہ تبارک وتعالیٰ جامعہ کے اس تعلیمی سال کو اساتذہ اور طلبۂ جامعہ اور امت مسلمہ کے حق میں باعث خیر بنائے۔ آمین

جامعہ اکل کوا کے ماتحت چلنے والے اسکولوں کا رزلٹ

نمبر شمار	جامعہ اکل کوا	S.S.C	H.S.C
۱	مولانا ابوالکلام آزاد ریسیڈینشل اردو ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج اکل کوا	93.97%	97.76%
۲	علی الانہ ہائی اسکول (انگلش میڈیم) اکل کوا	97.61%	......

(مہاراشٹر) فروعاتِ جامعہ کے اسکولوں کا رزلٹ

نمبر شمار	مدرسہ عمر بن خطابؓ کنج کھیڑا کے تحت چلنے والے اسکولز	S.S.C	H.S.C
۱	علی الانہ اردو ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج کنج کھیڑا (سائنس اسٹریم)	98%	98%
۲	علی الانہ اردو ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج کنج کھیڑا (آرٹ اسٹریم)	......	85%
☆	**جامعہ منہاج العلوم رنجنی جالنہ کے تحت چلنے والے اسکولز**	☆	☆
۱	جی ایم وستانوی جونیئر کالج رنجنی (آرٹ اسٹریم)	......	63%
۲	مولانا صدیق احمد باندویؒ اردو ہائی اسکول رنجنی	38%	......
☆	**مدرسہ عربیہ انصار العلوم پاتھری**	☆	☆
۱	جی ایم وستانوی ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج پاتھری (آرٹ اسٹریم)	84%	80%
☆	**مدرسہ ریاض العلوم انوا جالنہ**	☆	☆
۱	حاجی اسماعیل وستانوی ہائی اسکول انوا	100%	......

۳	مولانا غلام محمد وستانوی ہائی اسکول اینڈ جونیئر کالج (سائنس اسٹریم)	......	100%
☆	**جامعہ ابوہریرہ بدناپور، جالنہ**	☆	☆
۱	مولانا آزاد اردو ہائی اسکول بدناپور، جالنہ	80.37%	......
☆	**دارالیتامیٰ مدرسۃ الفلاح چپلا، بیڑ**	☆	☆
۱	علامہ صدیق اردو ہائی اسکول چپلا، بیڑ	76%	......
☆	**مدرسہ عثمان بن عفانؓ احمد پور لاتور**	☆	☆
۱	عثمانیہ اردو ہائی اسکول، لاتور	81%	......

(گجرات) فروعاتِ جامعہ کے اسکولوں کا رزلٹ

نمبر شمار	اقامتی درس گاہوں کے نام	S.S.C	H.S.C
۱	دارالعلوم اکواڑہ، وسئی والا ہائی اسکول ضلع بھاؤنگر گجرات	45%	......
☆	مدرسہ تعلیم القرآن بیلا ضلع بھاؤنگر	☆	☆
۱	مولانا ابوالکلام ہائی اسکول اینڈ ہایئر سیکنڈری اسکول (آرٹ اسٹریم) بیلا بھاؤنگر	35%	86%
☆	مدرسہ اشرف العلوم بوٹاڈ ضلع بھاؤنگر	☆	☆
۱	مدرسہ اشرف العلوم ہائی اسکول اینڈ ہایئر سیکنڈری اسکول بوٹاڈ، ضلع بھاؤنگر	79%	60%
۲	الامۃ گرلز ہائی اسکول بوٹاڈ، ضلع بھاؤنگر	82%	......
☆	مدرسہ تعلیم الدین بھادرروڈ بھاؤنگر	☆	☆

۵	ڈاکٹر ذاکر حسین ہائی اسکول بھادر روڈ، بھاؤ نگر	25%	......
۶	مدرسہ منبع العلوم دھولکا احمد آباد	43%	93%
☆	مدرسہ تعلیم الاسلام، بچوں کا گھر، سریندر نگر	☆	☆
۷	سیٹھ حاجی ارمان ہائی اسکول سریندر نگر	60%	......
۹	مولانا حسین احمد مدنی ہائیر سیکنڈری اسکول (سائنس اسٹریم) کوساڑی ضلع سورت	......	33.33%
۱۰	مولانا حسین احمد مدنی ہائیر سیکنڈری اسکول (Arts) کوساڑی ضلع سورت	......	75%
۱۱	کوساڑی سیکنڈری اسکول کوساڑی ضلع سورت	93.23%	......

فروعاتِ جامعہ کے اسکولوں کا رزلٹ (ایم۔ پی)

☆	**مولانا ابوالکلام آزاد ایجوکیشن سوسائٹی بالاگھاٹ ایم پی**	S.S.C	H.S.C
۱	مولانا ابوالکلام آزاد اردو ہائی اسکول بالاگھاٹ	87%	......
۲	مولانا ابوالکلام آزاد ہائیر سیکنڈری اسکول بالاگھاٹ (سائنس اسٹریم)	......	85%
۳	مولانا ابوالکلام آزاد ہائیر سیکنڈری اسکول بالاگھاٹ (Commerce)	......	85%
☆	**سراج العلوم سیونی**	☆	☆
۱	سراج العلوم سیونی گوپال گنج	60%	......
☆	**مدرسہ قوۃ الاسلام چینس دیہی بیتول ایم پی**	☆	☆
۱	مولانا آزاد ہائی اسکول چینس دیہی بیتول ایم پی	100%	00
☆	**مدرسہ تعلیم القرآن رانکا ضلع بے ترا (36 گڑھ)**	☆	☆
۱	جی ایم وستانوی ہائی اسکول رانکا، ضلع بے ترا (36 گڑھ)	95%	......

نواں کل ہند مسابقۃ القرآن الکریم بہ فضل الٰہی حسن اختتام کو پہنچا

از مولانا عبد الرحیم صاحب فلاحی دامت برکاتہم ناظم مسابقات

دینی تعلیم سے بیزاری کے اس دور میں مسابقات قرآنیہ کے ذریعہ طلبائے عزیز کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا کرنا اور دیگر طلباء میں حوصلہ اور جذبہ پیدا کرنا ہمارا اولین مقصد ہے، کیوں کہ یہ مسابقات انتقال محاسن کا بہت آسان اور سہل طریقہ ہے، نیز اس سے نونہالانِ امت میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کا حوصلہ اور یقین پیدا ہوتا ہے۔

اسی کے پیش نظر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور آپ حضرات کی دعاؤں کے طفیل ہر تین سال پر اولاً ملک بھر کی مختلف ریاستوں میں مسابقات قرآنیہ کا انعقاد کیا جاتا ہے، پھر ان ریاستی مسابقات میں اعلیٰ نمبرات سے کامیاب ہونے والے طلباء کو کل ہند مسابقہ میں مدعو کیا جاتا ہے۔

حسب سابق امسال بھی ۱۳، ۱۴، ۱۵؍ مارچ بروز منگل، بدھ، جمعرات کل ہند مسابقہ کا انعقاد جامعہ اکل کوا میں ہوا اور ریاست میں کامیاب ہونے والے 128 مدارس کے 189 طلباء کو دعوت دی گئی، جن میں سے 181 طلباء حاضر ہوئے۔

اس وفد قرآنی (مسابقین وسرپرستان) کی سہولت اور آسانی کی خاطر مختلف مقامات پر ان کے استقبال کا نظم کیا گیا تاکہ اکل کوا پہنچنے میں کسی طرح کی کوئی دشواری پیش نہ آئے، اس کے لیے چند مجرب افراد کو ذمہ دار بنایا گیا جنھوں نے بہت ہی تندہی کے ساتھ یہ کام اپنا فریضہ سمجھ کر انجام دیا۔ چناں چہ گجرات میں بھروچ پہنچنے والوں کی رہنمائی مولانا حسن عبد اللہ صاحب نے کی، جب سورت، انکلیشور، بھساول اور نندوربار پہنچنے والوں کی رہنمائی علی الترتیب مولانا محمد شعیب، مولانا محمد جاوید انکلیشور، مولانا محمد عارف اور مولانا محمد جاوید ساردوی صاحبان نے کی۔

فجزاهم الله خير الجزاء

جامعہ اکل کوا پہنچنے کے بعد حتی المقدور ان حضرات کی ضیافت میں کھانے پینے، رہنے سونے کا اچھا انتظام کیا گیا۔ اور اساتذہ وطلبائے جامعہ کی ایک مستقل جماعت محض ''من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليكرم ضيفه'' کے صالح جذبہ سے سرشار ہوکر ان حضرات کی خدمت میں لگے رہے، جس کی بدولت اس قافلہ قرآنی نے وادیٔ قرآن میں شاداں وفرحاں چار یوم گذارے۔ تاہم بندے کے کام میں نقص اور کمی کوئی عیب نہیں ہے اس لیے اگر کسی طرح کی کوئی کوتاہی ہوئی ہو تو اس کے لیے ہم خدام جامعہ معذرت خواہ ہیں اور ان تمام کی خدمت میں یہ عرض ہے کہ ؎

کہاں مجھ میں یہ ہمت ہے کہ میں تکلیف دوں لیکن　　فقیروں کے یہاں مہماں ہوئے ہیں بادشاہ اکثر

بہر حال! دستور العمل (جو کہ ہر مہمان کو دے دیا گیا تھا) کے مطابق ۱۲ر مارچ کی شام بعد مغرب افتتاحی نشست کا آغاز تلاوت کلام پاک اور نعت شریف کے ذریعہ ہوا ، اور حضرت خادم القرآن مدظلہ نے مختصر صدارتی خطاب میں آنے والے تمام ہی مدارس کے ذمہ داران اور مساہمین مسابقہ کے ساتھ ساتھ اپنے رفقاء کار کا دل کی گہرائیوں سے شکریہ ادا کیا اور مسابقہ کی اہمیت وافادیت کو اجاگر کیا ، نیز راجستھان سے تشریف لائے ہوئے مؤقر مہمان حضرت مولانا محمد شاہد صاحب نے مسابقات کے تعلق سے تاثرات پیش کیا۔ اور حضرت وستانوی کی پرسوز دعا پر مجلس کا اختتام ہوا۔

دوسرے دن ۱۳ر مارچ کی صبح حسب پروگرام مسجد مینی میں فرع اول (مکمل قرآن) اور انجینئرنگ کالج کے کانفرنس ہال میں فرع ثانی (۱......تا......۱۵ر پارہ) کا سلسلہ شروع ہوا اور ۱۴ر مارچ کو فرع ثالث (تفسیر سورۂ کہف) اور فرع رابع (حفظ حدیث) کا مسابقہ اپنی تمام ترخوبیوں کے ساتھ حسن اختتام کو پہنچا۔ اور ۱۵ر مارچ کی صبح تقریباً ۱۰ر بجے اختتامی اور انعامی نشست کا آغاز ہوا اور مہبط وحی مکۃ المکرمہ سے تشریف لائے ہوئے اور دیگر مہمانان کرام کے ہاتھوں شہادت امتیاز اور گرانقدر انعامات سے فائزین کو نوازا گیا۔ جس کی تفصیل یہ ہے:

اول نمبر سے کامیاب ہونے والے مساہم کو =/30,000 روپئے کے نقد انعام کے ساتھ عمرہ کی دعوت۔

دوم نمبر سے کامیاب ہونے والے مساہم کو =/25,000 روپئے کے نقد انعام کے ساتھ عمرہ کی دعوت۔

سوم نمبر سے کامیاب ہونے والے مساہم کو =/20,000 روپئے کے نقد انعام کے ساتھ عمرہ کی دعوت۔

چہارم نمبر سے کامیاب ہونے والے مساہم کو =/15,000 روپئے کا نقد انعام۔

پنجم نمبر سے کامیاب ہونے والے مساہم کو =/10,000 روپئے کا نقد انعام۔

اس کے علاوہ ہر مساہم کو یہ چیزیں اور کتابیں بھی بطور انعام دی گئیں:

برائے مساھمین فرع اول (پارہ ۱؍......تا...... پارہ ۳۰؍ حفظ)

قبل المسابقہ: مسواک، فائل، ٹوتھ پیسٹ، برش، نہانے دھونے کا صابن، تیل، ۲۰۰؍ روپے نقد برائے مصارف محلیہ۔

بعد المسابقہ: بیگ، بیڈ شیٹ، تولیہ، عطر، سلا ہوا جوڑا، شیلڈ، لیڈیس سوٹ (برائے والدہ محترمہ مساہم) ایک جوڑا (بغیر سلا ہوا)

کتابیں: اصطلاحات میراث، تحریک مسابقات منزل بہ منزل، ملک گیر تحریک، شریک مدارس (ساتواں) آئینہ مسابقات (چھٹا) ہدیۃ المتسابقین، قرآنی پمفلٹ، تحفۂ تراویح، تحفۂ حفاظ، مسابقتی تقریریں۔ وغیرہ

برائے مساھمین فرع ثانی (پارہ ۱؍......تا...... پارہ ۱۵؍ حفظ)

قبل المسابقہ: مسواک، فائل، ٹوتھ پیسٹ، برش، نہانے دھونے کا صابن، تیل، ۲۰۰؍ روپے نقد برائے مصارف محلیہ۔

بعد المسابقہ: بیگ، بیڈ شیٹ، تولیہ، عطر، سلا ہوا جوڑا، شیلڈ، سوٹ (برائے والدہ محترمہ مساہم) ایک جوڑا (بغیر سلا ہوا)

کتابیں: اصطلاحات میراث، تحریک مسابقات منزل بہ منزل، شریک مدارس (ساتواں) آئینہ مسابقات (چھٹا) ہدیۃ المتسابقین، قرآنی پمفلٹ، تحفۂ حفاظ، مسابقتی تقریریں۔ وغیرہ

برائے مساھمین فرع ثالث (ترجمہ وتفسیر)

قبل المسابقہ: مسواک، فائل، ٹوتھ پیسٹ، برش، نہانے دھونے کا صابن، تیل، ۲۰۰؍ روپے نقد برائے مصارف محلیہ۔

بعد المسابقہ: بیگ، بیڈ شیٹ، تولیہ، عطر، سلا ہوا جوڑا، شیلڈ، سوٹ (برائے والدہ محترمہ مساہم) ایک جوڑا (بغیر سلا ہوا)

کتابیں: اصطلاحات میراث، تحریک مسابقات منزل بہ منزل، شریک مدارس (ساتواں) آئینہ مسابقات (چھٹا) ہدیۃ المتسابقین، قرآنی پمفلٹ، تحفۂ تراویح، اصطلاحات تخریج احادیث واصول دراسۃ اسانید، تفسیر سورۂ یاسین، المذاکرات التفسیریہ (آل عمران) ویونس، ہود، صافات، صاد، علامات قیامت (انگریزی) امام غزالیؒ کے خطوط (انگریزی) مسابقتی تقریریں، کشف الاوہام...... وغیرہ

برائے مساھمین فرع رابع (حفظ حدیث)

قبل المسابقه: مسواک، فائل، ٹوتھ پیسٹ، برش، نہانے دھونے کا صابن، تیل، ۲۰۰/روپے نقد برائے مصارف محلیہ۔

بعد المسابقه: بیگ، بیڈ شیٹ، تولیہ، عطر، سلا ہوا جوڑا، شیلڈ، سوٹ (برائے والدہ محترمہ مساہم) ایک جوڑا (بغیر سلا ہوا)

کتابیں: اصطلاحات میراث، تحریک مسابقات منزل بہ منزل، شریک مدارس (ساتواں) آئینہ مسابقات (چھٹا) ہدیۃ المتسابقین، قرآنی پمفلٹ اصطلاحات تخریج احادیث واصول دراسۃ اسانید، تفسیر سورۃ حجرات، المذاکرات التفسیریہ (آل عمران) ویونس، ہود، صافات، صاد، علامات قیامت (انگریزی) امام غزالیؒ کے خطوط (انگریزی) مسابقتی تقریریں، کشف الاوہام......وغیرہ

مسابقہ کی تمام ہی فروعات میں ملک وبیرون ملک سے تشریف لائے ہوئے قابل احترام حکم حضرات نے تحکیم کے فرائض انجام دیے، اور فرع اول، ثالث اور رابع میں سوالات کی ذمہ داری احقر راقم الحروف کے کاندھوں پر تھی جب کہ فرع ثانی میں سائل کی حیثیت سے مولانا محمد علی صاحب ناظم جامعہ ابوہریرہؓ بدنا پور تشریف لائے تھے۔ لجنة التحكيم کی تفصیل کچھ اس طرح ہے:

فرع اول: حفظ مکمل قرآن کریم

(۱) الشیخ حافظ عثمان شاهین رئیس هیئة تدقیق المصاحف والشئون الدینیة ترکی (۲) الدکتور ولید المنسی امریکه (۳) الشیخ صادق یمنی حفظه الله (۴) فضیلة الشیخ موسیٰ بلال منیارمکة المکرمة

فرع ثانی: حفظ پارہ ۱......تا......۱۵/

(۱) المقری مقدادسیداستاذلقراءت فی الحرم المکی امام مسجد العمده (۲) قاری ریاض احمد صاحب صدر القراء ندوة العلماء لکھنؤ (۳) قاری ایوب اسحاق صاحب افریقی دارالعلوم زکریا افریقه.

فرع ثالث تفسیر سورۂ کہف

(۱) مفسر قرآن مفتي فيض الوحيد صاحب مهتمم مركز المعارف، جموں

(۲) الشيخ طلحه بلال منيار مكي حفظه الله مكة المكرمه.

(۳) مولانا تراب الحق صاحب صدر المدرسين دار العلوم حيدر آباد.

فرع رابع حفظ حدیث (چالیس احادیث)

(۱) مفسر قرآن مفتي فيض الوحيد صاحب مهتمم مركز المعارف، جموں

(۲) الشيخ طلحه بلال منيار مكي حفظه الله مكة المكرمه

(۳) مولانا محمد رضوان الدين صاحب معروفي شيخ الحديث جامعه اكل كوا.

مہمان خصوصی کی حیثیت سے تشریف لاکر مسابقہ کی رونق میں اضافہ کرنے والے حضرات:

(۱) الشيخ عبد العزيز بن صالح الزهراني مندوب الهيئة العالمية لتحفيظ القرآن الكريم جده

(۲) الشيخ المقرى عبد القادر حفظه الله ملک پوری (بوتسوانا/افریقه)

(۳) الشيخ الشهير و خطيب الاسلام محمد سليمان مُلا صاحب جنوبی افریقه

(۴) حضرت مولانا محمد الیاس صاحب قاسمی مفتاحی ناظم بیت العلوم پلی مزرعہ ہریانہ۔

(۵) قاری شمس الدین صاحب ناظم جامعہ مدینۃ العلوم معماری۔

اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ان مساعی جمیلہ کو قبول فرمائے اور ذخیرۂ آخرت بنائے۔ (آمین)

فرع اول حفظ (پارہ۱......تا......۳۰)

شمار	اسمائے فائزین مع ولدیت وسکونت	متعلق مدرسہ کا نام وپتہ	نشست	کل نمبرات	رتبہ
۱	محمد سعد مفتی ابرار صاحب جے پور	جامعہ ابن عباس گنا ایم پی	36	396.5	اول
۲	محمد ساحل اکرم علی	جامعہ اسلامیہ اشرف العلوم کریلی الٰہ آباد	49	393.5	دوم
۳	محمد زید بن ہاشم	جامعہ مظہر سعادت ہانسوٹ گجرات	11	393	سوم
٤	محمد اخلاق عبدالقدوس پورنیہ	جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا	13	392	چہارم
۵	عبیداللہ احمداللہ	مدرسہ عربیہ مصباح العلوم کوپا گنج مئو	46	391.5	پنجم

فرع ثانی حفظ (پارہ۱......تا......۱۵)

شمار	اسمائے فائزین مع ولدیت وسکونت	متعلق مدرسہ کا نام وپتہ	نشست	کل نمبرات	رتبہ
۱	مبشر الٰہی حافظ ناصر علی	مدرسہ قاسم العلوم باغبان ہاوڑہ مغربی بنگال	40	298	اول
۲	نورالزماں فیض الرحمٰن	دارالعلوم بانسکنڈی مشرقی آسام	38	297	دوم
۳	محمد بلال محمد اشرف	مدرسہ قاسم العلوم محمود نگر پونچھ جموں	24	296	سوم
٤	محمد ارشد بن اظہر	جامعہ ابوہریرۃ بدناپور مہاراشٹر	21	295.5	چہارم
۵	محمد یحییٰ محمد اجمل صابن کٹرہ	مدرسہ زینت القرآن آگرہ مغربی یوپی	29	295	پنجم

فرع ثالث تفسیر (سورۂ کہف)

شمار	اسمائے فائزین مع ولدیت وسکونت	متعلق مدرسہ کا نام وپتہ	نشست	کل نمبرات	رتبہ
۱	نعمت اللہ ابوالقاسم	ندوۃ العلماء لکھنؤ مشرقی یوپی	37	279.5	اول
۲	محمد زبیر محمد مقبول بھوپال	جامعہ اسلامیہ بخاری اندور ایم پی	24	279	دوم
۳	محمد طالب شیخ غازی بھوکردن	جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا	13	275.5	سوم
٤	صلاح الدین عبدالعزیز لوناواڑہ	مدرسہ تعلیم المسلمین لوناواڑہ گجرات	15	274.5	چہارم
۵	اسامہ بن خالد مہوا	جامعہ اسلامیہ دارالعلوم کواڑہ گجرات	2	269	پنجم

فرع رابع حفظ (۴۰ احادیث)

شمار	اسمائے فائزین مع ولدیت وسکونت	متعلق مدرسہ کا نام وپتہ	نشست	کل نمبرات	رتبہ
۱	محمد بن جبیر	الجامعۃ الاسلامیہ کائم کولم کیرلا	12	300	اول
۲	محمد اشرف اسرائیل	مدرسہ قادریہ مسروالا ہماچل	21	299	دوم
۳	ریاض بن عبداللہ ماہولی	مدرسہ ریاض العلوم انواء	19	298	سوم
٤	عمر فاروق عزت علی	مدرسہ جامعہ دینیہ منصوریہ مغربی آسام	32	297	چہارم
۵	عبادہ مولانا خلیل الرحمٰن نیپال	مدرسہ عربیہ اسلامیہ افضل احمد آباد	6	296	پنجم